بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد لله رب العالمين
الرحمن الرحيم مالك يوم
الدين اياك نعبد واياك
نستعين اهدنا الصراط
المستقيم صراط الذين
انعمت عليهم غير المغضوب
عليهم ولا الضالين
برائے ایصال ثواب جمیع امت محمدیہ بالخصوص
قائد اہلسنت حضرت مولانا
شاہ احمد نورانی صدیقی
حضرت
پیر سید محمد عالم حسین شاہ کاظمی
یادگار اسلاف
حضرت
پیر سید محمد شاہ بخاری
حضرت
صوفی فضل محمد محمدی سیفی
مدفون: چک نمبر 99 آر بی پکہ جنڈیالہ فیصل آباد
حضرت
مولانا قاری محمد یوسف
(نوشہرہ ورکاں)
قاری اسلام جانثار پاکستان
ملک عبدالرسول قادری
(جوہر آباد)

MALIK MAHBOOB UR RASOOL QADRI
27/A, Sheikh Hindi Street, Data Darbar Market, Lahore
Mob: 0092-321/300-9429027 E-mail: mahboobqadri787@gmail.com

معیاری کتب اور رسائل کی طباعت کا مرکز
اسلامک میڈیا سنٹر

اشاعت خاص

شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

برکات سیرت و میلاد

خاص نمبر

مذہبی، سماجی، اخلاقی اور ملی اقدار کا محافظ

جوہرآباد

سہ ماہی

انوار رضا

جہانگیر

ملک محبوب الرسول قادری

جلد نمبر 5 شمارہ نمبر 1,2

قیمت فی شمارہ

350 روپے

سالانہ رکنیت فیس

1000 روپے

انٹرنیشنل غوثیہ فورم انوار رضا لائبریری بلاک نمبر ۴ جوہرآباد ضلع خوشاب

0300 0321-9429027

Ph: 0454-721787

حُسنِ ترتیب

صفحہ نمبر	عنوانات

تبرکات و پیغامات

صفحہ نمبر	عنوانات

شذرات، مضامین، مقالات، خطبات اور انٹرویو

صفحہ نمبر	عنوانات

حجۃ الوداع کا خطبہ! انسانی حقوق کا عالمی منشور

رسول اللہ ﷺ کا تاریخ ساز خطاب

سن لو! جاہلیت کے دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے غلام! ہاں تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔ جاہلیت کے تمام خون باطل کر دیئے گئے اب کسی کو کسی سے پرانے خون کا بدلہ لینے کا حق نہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون ربیعہ بن الحرث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اب کسی کو کسی سے سود کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں۔ اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود، عباس ابن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا خون اور مال قیامت تک کے لئے ایک دوسرے پر حرام ہے اسی طرح جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر حرام (حرمت والا) ہے۔ میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔ بعض روایات میں قرآن اور حدیث ہے اور اکثر میں قرآن اور اہل بیت اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے بہت سے اصول احکام شریعت بیان فرمائے پھر مجمع کی طرف خطاب کر کے پوچھا۔ تم سے خدا کے یہاں جب میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم کہیں گے آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور فرمایا:

"اے اللہ! تو گواہ رہنا"، "اے اللہ! تو گواہ رہنا" "اے اللہ! تو گواہ رہنا" اسی موقع پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۝

اپنی بات

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اللہ رب العزت جل جلالہ نے اپنی عظمت و کبریائی کے اظہار کے لئے اپنے پیارے حبیب کریم ﷺ کے نور کی تخلیق سے کائنات کا افتتاح کیا۔

محمد (ﷺ)..................

زبان پہ بار خدا یا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کے لیے

اور غالباً عارف صدیقی نے کہا تھا کہ ۔

اے نامِ تو حرزِ جانِ عالم سرنامۂ داستانِ عالم

لولاک کما خلقت الافلاک تو غایتِ کُن فکانِ عالم

اور پھر اس نور سے بتدریج کائنات کو وجود بخشا گویا ظہور قدسی سے قبل بھی نور اجالا درحقیقت انہی کے دم قدم کا صدقہ و خیرات بٹ رہا تھا اور صبح قیامت تک بلکہ حشر و نشر میں بھی وہی وسیلۂ جلیلہ ہونگے۔ اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد وآلہٖ وسلم .... صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد وآلہٖ وسلم ...... "انوارِ رضا" کا زیرِ نظر شمارہ "برکاتِ سیرت و میلاد" اسی ذات کریم ﷺ سے دارین میں رحمت و رافت، توجہ و شفاعت حاصل کرنے کی غرض سے بطور استغاثہ نذر کیا جارہا ہے۔ آؤ! اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کریں۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

ورحسابم را تو بینی ناگزیر از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

اور رحمت کونین ﷺ کے حضور مل کر عرض کریں کہ:

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

برکاتِ سیرت و میلاد محض روایتی نہیں بلکہ الحمد للہ ایک شعوری کوشش ہے اس وقت ہم رسم و رواج کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہو گئے ہیں اور ہماری اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں رسوم کا راج ہوتا جا رہا ہے کوشش کرنی چاہیئے کہ ہماری اجتماعی اور انفرادی زندگی اسوۂ نبوی ﷺ کے تابع ہوتا کہ ہم دنیا ہی میں رہتے ہوئے جنت کی فضا کو جاگتی آنکھوں محسوس کر سکیں۔ جشن میلاد مصطفےٰ ﷺ کے حوالے سے بھی ہماری کوشش گلیاں، بازار، مکان، لباس صاف ستھرا کرنے، سنوارنے اور سجانے کی طرف ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیئے کہ نفاست و نظافت بھی تو اللہ کریم کی بارگاہ میں پسندیدہ ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ سیرت کے جلوؤں سے ویرانۂ حیات کو بھی روشن و منور کرنے کی ضرورت ہے۔ لمحۂ فکریہ ہے۔

بازار تو سج گئے آمدِ مصطفےٰ ﷺ کے لیے پیغامِ مصطفےٰ ﷺ کیا ہے؟ ہم نے بھلا دیا

اس مقصد کے لئے ہم نے "برکاتِ سیرت و میلاد" کو یکجا کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اب یہ عظیم تحفہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپس میں تحائف کا تبادلہ کرنا ارشادِ نبوی ﷺ کی تعمیل بھی ہے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے آپ یہ کتاب اپنے پیاروں کو تحفہ میں پیش کر سکتے ہیں اور یہ بڑی نیکی بھی ہے۔

میں اپنے ان تمام رفقاء کے لئے خیر و برکت کی دُعا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اس شمارے کو ایمان افروز مستقل کتاب بننے تک کے مراحل میں کام کو بانٹ کر میرے ساتھ تعاون کیا اور اس وقت بھی اس روح پرور علمی دستاویز کو معاشرے میں پھیلانے کے لئے مستعد ہیں۔ ان سب احباب کے حق میں دُعا گو ہوں کہ:

فدائی بنا اہلِ بیتِ نبی ﷺ کا صحابہ کی الفت عطا کر الٰہی

☆☆☆

اسلام کیا ہے؟ اطاعت نبی ﷺ کی ہے ایمان کی اساس محبت نبی ﷺ کی ہے

ملک محبوب الرسول قادری

(چیف ایڈیٹر)

پیغام

مبلغ اسلام، خلیفہ حضرت مفکر اسلام

علامہ پیر سیّد محمد انور حسین شاہ کاظمی

بانی و شیخ الجامعہ: دارالعلوم قادریہ جیلانیہ شاہدرہ لاہور: حال مقیم برطانیہ

سیرت، کردار و عادات کا نام ہے۔ مگر یہ لفظ صرف سید الانبیاء امام المرسلین آقائے دوجہاں ﷺ کے قول و عمل اور احوال حیات کے لئے مختص ہوگیا اور اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں سیرت رسول ﷺ کو اپنانے کا حکم ارشاد فرمایا ہے چونکہ سرکار دو عالم ﷺ کی ذات پاک ہی وہ بے مثال ہستی ہے کہ جن کی زندگی مبارک ہر انسان کے لئے مشعل راہ ہے عالم، حاکم، مالدار، بے بس، تاجر، ملازم حتیٰ کہ راہِ تصوف و سلوک کے مسافروں گویا ہر شخص کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ اس جگہ پر قدوۃ السالکین عمدۃ العارفین زبدۃ الکاملین حضرت پیر سیّد نیک عالم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے خوبصورت ترجمانی فرمائی ہے۔

س: سچ حقیق تحقیق غائتہ راہ پاک رسول امین دا ای
جس چھوڑیا راہ رسول والا تابع نفس شیطان لعین دا دی
بھانویں لکھ ریاضتاں کشف اسدے راہ ماریا اس بے دین دا ای
عالم سڑک مطلوب پچھان والی سنت احمدی راہ یقین دا ای

کہنے کو تو یہ سہ حرفی کا ایک بند ہے لیکن اس میں اسوۂ رسول ﷺ کو اپنائے بغیر کہیں بھی نجات نہ ملنے کا اشارہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی مبارک زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ بنالیا جائے تو کائنات کی تمام برکات رقص کرتی ہوئی انسان کے قدموں میں آتی ہے اور رحمت خداوندی اس انسان کو گھیر لیتی ہے۔ میں ''انوار رضا'' کے ''برکاتِ سیرت و میلاد'' خاص نمبر کی اشاعت پر کشتۂ محبتِ آلِ رسول جناب ملک محبوب الرسول قادری کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ملک صاحب ویسے بھی وقت کے بعض مذہبی شرپسندوں کی ریشہ دوانیوں سے قوم کو آگاہ کرنے کا خوبصورت بندوبست کرتے رہتے ہیں۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادری صاحب کے قلم میں استقامت سلامت رکھے۔ اور نبی پاک ﷺ کے توسل شریف سے ان کی روزمرہ محنت و کاوش میں برکات عطا فرمائے۔ آمین

پیغام

مخدومِ ملت، آبروئے اہلِ سنت، زینت السادات، فخر المشائخ

حضرت پیر سید فیض الحسن شاہ بخاری

سجادہ نشین: بڑی خانقاہ بہاری شریف آزاد کشمیر

جشنِ ولادت رسول ﷺ کا اہتمام خداوندِ متعال نے کائنات کو سجا کر فرمایا اور خدائی نے ان کے ذکرِ پاک کے ذریعے سے یہ سعادت حاصل کی۔ حدیثِ قدسی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لولاك لما خلقت الافلاك ولولاك لما اظهرة الربوبيه

اگر آپ ﷺ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اگر آپ ﷺ مقصود نہ ہوتے تو میں اپنا رب ہونا بھی ظاہر نہ فرماتا۔

گویا مقصودِ کائنات آپ ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔ اسی لئے میلاد کا موسم جب بھی آئے حسین ہوتا ہے۔ پیارا ہوتا ہے اور منفرد ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے تو یہ ربیع الاول ہے۔

اہلِ محبت اپنے اپنے انداز سے جشنِ میلاد مناتے ہیں جھنڈا لگا کر، خوشبو بانٹ کر، مٹھائیاں کھلا کر، یتیم مسکین کی خدمت کر کے، روزہ رکھ کر، مظلوم کی مدد کر کے، حق کی آواز بلند کر کے، کتاب لکھ کر، کتاب تقسیم کر کے، نفل پڑھ کر سو جس کو جو توفیق ارزانی نصیب ہوئی اُس نے آمدِ رسول ﷺ کی خوشی منائی اور ملک محبوب الرسول قادری صاحب اپنے رسالے کا "برکاتِ سیرت و میلاد نمبر" شائع کر کے آمدِ رسول ﷺ کی خوشی منا رہے ہیں۔ جس نے بھی آمدِ رسول ﷺ کی خوشی منائی وہ خوش نصیب ہے۔ اس کے مخفی رسائی نے اسے ولادتِ نبوی ﷺ کی خوشی منانے کی رغبت دلائی میں اپنے بھائی ملک محبوب الرسول قادری کو زمانہ طالب علمی سے جانتا ہوں ہم اکٹھے پڑھتے رہے۔ انجمن طلبۂ اسلام کے پلیٹ فارم سے اکٹھے کام کرتے رہے ہیں۔ میں اے ٹی آئی کے ضلع ناظم تھے اور یہ نائب

ناظم رہا۔ اس زمانے میں بھی ہم فروغ حب رسول ﷺ کے لئے معروف جہد رہتے تھے اور اللہ کا شکر ہے کہ آج بھی اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ حالات اور زندگی کے نشیب و فراز انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں مگر الحمد للہ ہم دونوں کو اللہ پاک نے ہمارے ذوق و شوق کے مطابق ہی مصروف رکھا۔ قادری صاحب اس زمانے میں بھی صحافتی دلچسپیاں اور مصروفیات رکھتے تھے۔ پھر عملی زندگی میں بھی انہوں نے اسی شعبے کو اختیار کیا حالانکہ انہیں کئی مرتبہ اچھی ملازمت اور عہدے کی آفر بھی ہوئی مگر انہوں نے اپنے امام کی اقتداء میں ہمیشہ یہ نعرہ لگایا کہ

میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

ماہانہ رسالہ "سوئے حجاز"، سہ ماہی "انوارِ رضا" پھر ہر موقع پر اہل سنت کے لیے علمی، معیاری اور مفید کتب کی اشاعت ان کا معمولِ حیات بن گیا ہے جو ہمارے جیسے ان کے رفقاء کے لئے قلبی و روحانی خوشی و مسرت کا باعث ہے۔ وہ تقریر و تحریر دونوں میدانوں میں ایک خاص مقام کے ساتھ منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ مزاج میں کھرا پن، ان کی حق گوئی اور ہمہ وقت مستعد و متحرک رہنا ان کی انفرادیت ہے۔ میرے مرشد و پیشوا اور والد گرامی حضرت یادگار اسلاف زینت السادات پیر سیّد محمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ انہیں بہت زیادہ دُعاؤں سے نوازتے تھے اور کمال شفقت فرماتے تھے۔ قادری صاحب ہمیشہ انصاف و دیانت داری کی روش اختیار کرتے ہیں اور اعتدال پسندی ان کی طبیعت ثانیہ ہے حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی کے ادب و احترام اور فروغ عشق رسول ﷺ کے حوالے سے ہم نے ہمیشہ متفقہ مشترکہ جہد و جہد کی ہے اور ہمیشہ ہماری رائے ایک ہی رہی اور متفق رہے۔ اب کی بار انہوں نے "برکاتِ سیرت و میلاد" کی اشاعت کا جو پروگرام بنایا ہے وہ قابل رشک ہے اس معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے اور ہر مسلمان کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ میری رائے میں ایسی کتاب کی معاشرے کو اشد ضرورت تھی جو امت کو جوڑنے کا کام کرے۔ میری نظر میں یہ کارنامہ سرانجام دینے کے لئے اس کتاب کی اشاعت اہم کردار ادا کرے گی۔ قادری صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور عوام و خواص سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ "برکاتِ سیرت و میلاد" کو زیادہ سے زیادہ خریدیں، پھیلائیں، اسے بطور تبرک زیادہ سے زیادہ تعداد میں تقسیم کریں۔ احباب کو گفٹ پیش کریں اور اپنے انفرادی و اجتماعی ماحول میں سیرت و میلاد کی برکات کو محسوس کریں...... اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں عید میلاد المصطفیٰ ﷺ کے تقاضے سمجھ کر میلاد منانے اور سیرت اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پیغام

شیخ المشائخ، مخدوم اہل سنت، فیض یافتہ اخوندزادہ مبارک سرکار

پیر طریقت حضرت میاں محمد حنفی سیفی

آستانہ عالیہ محمدیہ سیفیہ راوی ریان شریف

اہل سنت و جماعت ہی اہل محبت ہیں۔ حضور پاک رحمت للعالمین سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے محبت ہی ایمان ہے بلکہ یہی ایمان کی جان ہے اس نعمت کے بغیر ایمان مکمل ہی نہیں ہو سکتا۔ صحیح العقیدہ مسلمان اپنی زندگی کا ایک ایک منٹ اپنے آقا و مولا ﷺ کی عزت و ناموس کی امانت سمجھتا ہے کہ مسلمان کی زندگی کا مقصد ہی تحفظ ناموس رسالت ﷺ ہے۔

اے حسنِ مطلق ﷺ! اے نور باری ﷺ دل تیرے صدقے جاں تجھ پہ واری

سہ ماہی "انوار رضا" جوہر آباد کے بانی و چیف ایڈیٹر ملک محبوب الرسول قادری کو اللہ تعالیٰ نے یہ خاص طور پر توفیق دی ہے کہ وہ اللہ کے پیارے نبی ﷺ کی عزت و ناموس، دین اسلام کی سربلندی اور اولیاء کرام کے حوالے سے حیران کن بڑے بڑے علمی کام سرانجام دیتے ہیں۔ خدا نے ان کے کام میں برکت رکھ دی ہے وہ سالوں کے کام مہینوں میں اور مہینوں کے کام دنوں میں بڑی عمدگی کے ساتھ سرانجام دے لیتے ہیں پھر ان کے کام کا اعلیٰ معیار بھی انفرادیت ہے ان کے شائع کردہ انوار کنز الایمان اور میرے مرشد مبارک حضرت اخندزادہ مبارک رحمۃ اللہ علیہ نمبر جیسے رسالوں نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اب ان کی کاوش ان شاء اللہ تعالیٰ "برکات سیرت و میلاد" بھی اسی طرح مقبول ہوگی اور اہل سنت کے ہر فرد کے لئے راہنما کا کام کرے گی۔ میں ملک صاحب کی صحت و سلامتی اور لمبی عمر کے ساتھ ساتھ ان کے کاموں اور دینی پروگراموں میں کامیابی کی دُعا کرتا ہوں۔

پیغام

حضرت پیر طریقت ڈاکٹر

کرنل محمد سرفراز محمدی سیفی

سجادہ نشین: آستانہ عالیہ محمدیہ سیفیہ ترنول۔ اسلام آباد

اک سکوتِ یاس تھا دنیائے ظلمت کار میں	سو رہی تھی صبح آغوش شب پندار میں
تو نے آ کر شب پرستان چمن کے واسطے	کی سحر پیدا گلستانِ خزاں آثار میں
بہ گیا سوئے فنا خود اپنی طغیانی میں کفر	آگیا سیلاب موجِ رشتۂ زنار میں
کعبۂ وحدت کے آگے جھک گئی تعمیر شرک	ہو گئے بیدار سجدے جبہ دیوار میں
روح نے خالق سے کی تجدید پیمانِ الست	نغمۂ ماضی ہوا پیدا شکستہ تار میں
دل کی کھیتی لہلہا اٹھی تری تکبیر سے	تھا نہاں طوفانِ شادابی لب گفتار میں
پرتو رُخ سے ترے اے نو بہار کائنات	شمعِ گل روشن ہے ہر ویراں سرائے خار میں
تا بدور آخری از دستِ تو ساغر گرفت	ایں کہن میخانہ را کیفیت دیگر گرفت

یہ اشعار حشر کاشمیری کے ہیں جو ولادت و بعثت نبوی ﷺ سے پہلے اور بعد کا مکمل نقشہ پیش کر رہے ہیں...... کاش! ہم اپنے حال کو ماضی کے پرنور ماحول سے مستنیر کر کے اپنے مستقبل کو تابناک بنا سکیں۔ میرے بھائی ملک محبوب الرسول قادری کی طرف سے "برکاتِ سیرت و میلاد" کی اشاعت کا بھی یہی مقصود ہے۔ ہم سنجیدگی سے سوچیں کہ اس سلسلہ میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے...... یہ کتاب ایک راہنما ہے جس کا صفحہ صفحہ روشن اور پرنور ہے ہر مسلمان کو اس سے اکتساب فیض کرنا چاہیئے۔

پیغام

جگر گوشہ حضرت شیخ الحدیث، محسن اہل سنت، پیر طریقت، حضرت علامہ

صاحبزادہ حافظ حامد رضا

سابق وزیر اوقاف حکومت آزاد جموں و کشمیر
سجادہ نشین: خانقاہ حضرت شیخ الحدیث۔ جامع مسجد دو دروازہ سیالکوٹ

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب   ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

عشق رسالت مآب ﷺ مومن کی متاعِ حیات ہے اسی سے اہل ایمان میں حلاوت و حرارت ہے اور اسی کے سہارے امت کی وحدت کی عمارت قائم و برقرار ہے۔ عید میلاد کا جوش و جذبہ مسلمان کے فطرتِ سلیم کا تقاضا ہے اور سیرت کو اپنانا اس کے شعور کی صائب سمت کا تقاضا ہے میلاد کی بنیاد پر سنی متحد ہو جائیں تو معاشرے میں انقلاب آ سکتا ہے نیز یہ سیرت و میلاد ہی ہے کہ جو ایک مسلمان کی فوز و فلاح اور کامیابی کی گارنٹی دے سکتی ہے۔ سیرت و میلاد کے انوار ہی معاشرے سے ظلمت و جہالت کو کافور کر سکتے ہیں۔ آج بلاشبہ سیرت و میلاد کی خوشبو کو گلی گلی، نگر نگر، کوچہ کوچہ، قریہ قریہ پھیلانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ یہ خوشبو نفس نفس میں رچ بس جائے اور یہی

مقصودِ فطرت ہے یہی طرزِ مسلمانی

اہل سنت کے ممتاز صحافی برادرم ملک محبوب الرسول قادری نے ہمیشہ شعور کی بیداری، عمل کی صالحیت اور اہل سنت میں وحدت و اخوت کے فروغ کے لئے جدوجہد کی ہے۔ "برکاتِ سیرت و میلاد" کی اشاعت بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے میں گرامی قدر ملک صاحب اور ادارہ "انوارِ رضا" کو مبارکباد پیش کر رہا ہوں۔

پیغام

آبروئے صحافت، مردِ آہن

جناب سعید خاور

ایڈیٹر: روزنامہ "نوائے وقت" کراچی

جرنلزم مشن ہے تحریک ہے قوت ہے اور ایک مقدس پیشہ ہے صحت مند صحافت بجائے خود دین و دنیا میں کامیابی اور آخروی زندگی میں سرخروئی کی ضمانت ہے۔ ہمارے پرانے نظریاتی، مشنری اور ہم مشرب دوست ملک محبوب الرسول قادری نے دینی صحافت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے اگرچہ وہ لاہور میں دینی و ادبی کتابوں کے ایک اشاعتی ادارے کے بانی و سربراہ ہیں مگر ان کے اوقات کا اکثر حصہ اسی عظیم مشن میں صرف ہوتا ہے لاہور سے کراچی ان کی آمد و رفت بالکل "لوہاری بھائی" کے چکر کی مانند ہے۔ وہ حضرت قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہد اور سپاہی ہیں میں ان کی کمٹمنٹ کا معترف ہوں۔ میلاد شریف کی مناسبت سے ان کے رسالہ "انوارِ رضا" کی شاعت خاص کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اور اپنے پیغام کے طور پر رشید کامل کے چند شعار نذر کرتا ہوں۔

جب تعلق ہے مرا، آپ کے پیغام کے ساتھ — زندگی اپنی گزر جائے گی آرام کے ساتھ

سرورِ کون و مکاں اور غریبوں کے رفیق — آپ کی راہ گزر تھی روشِ عام کے ساتھ

آپ تو بخش گئے صبح درخشاں کی کلید — اب کوئی الجھا رہے فلسفۂ شام کے ساتھ

جگنوؤں پر وہی ہوتا ہے ستاروں کا گماں — آج انسان کا رشتہ ہے پھر اوہام کے ساتھ

ہائے وہ لوگ جو اغراض و مقاصد کے لئے — سیرت پاک بیاں کرتے ہیں ابہام کے ساتھ

سفر شوق میں یہ بے خبری کا عالم — جیسے آغاز کو نسبت نہیں انجام کے ساتھ

میرے سورج مرے گھر پر بھی سنہری کرنیں — ہر طرف سائے سے لپٹے ہیں در و بام کے ساتھ

بات بنتی ہے کہیں، صرف عقیدت سے رشید — حسن کردار بھی، وابستگی، نام کے ساتھ

قصیدۃ فی الحمد

اللہ اللہ اللہ — مالی رب الا ہو

یفنی الکل ویبقی ہو — لیس الباقی الا ہو

من کان دعاہ ان یاہو — ذاک حمید علیاہ

من کان لربی دنیاہ — عاش سعیدا اخراہ

من کنت الہی مولاہ — کل الناس تولاہ

من مات یقول اللہ — ذاک الخالد محیاہ

رسل اللہ تلقاہ — ابشر عبد بحسناہ

الرضوان لہ نزل — جنۃ علی ماواہ

تخشی الناس بلا جدوی — ہلا ربک تخشاہ

ابغ الامن لدی ربی — ان الامن بتقواہ

تنسی ربک یاناسی — ثم ان شئت بذکراہ

ترجو الناس لجدواہم — ان الجدوی جدواہ

ہل غیرک یخشی ربی — غیرک ربی یخشاہ

فسواہ رب بالاسم — والہ الحق یرعاہ

الواحد لیس بذی جزء — لا واحد حقا الا ہو

الخلق مرایا موجود — لا موجود الا ہو

والکل مظاہر مشہود — لا مشہود الا ہو

فَرْدٌ حَقٌّ اِلَّا ھُوَ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا ھُوْ
ھٰذَا اَحْقَرُ اَدْنَاکُمْ رَبِّیْ اَحْسَنَ مَشْوٰہْ

(تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری بریلوی)

حمد باری تعالیٰ

کس سے مانگیں، کہاں جائیں، کس سے کہیں اور دنیا میں حاجت روا کون ہے؟
سب کا داتا ہے تُو، سب کو دیتا ہے تُو، تیرے بندوں کا تیرے سوا کون ہے؟

کون مقبول ہے، کون مردود ہے، بے خبر! کیا خبر تجھ کو، کیا کون ہے؟
جب تُلیں گے عمل سب کے میزان پر، تب کھلے گا کہ کھوٹا کھرا کون ہے؟

کون سنتا ہے فریاد مظلوم کی، کس کے ہاتھوں میں کنجی ہے مقسوم کی
رزق پر کس کے پلتے ہیں شاہ و گدا، مسند آرائے بزمِ عطا کون ہے؟

اولیا تیرے محتاج اے ربِّ کُل! تیرے بندے ہیں سب انبیاء و رسل
ان کی عزت کا باعث ہے نسبت تری، ان کی پہچان تیرے سوا کون ہے؟

میرا مالک مری سن رہا ہے فغاں، جانتا ہے وہ خاموشیوں کی زباں
اب مری راہ میں کوئی حائل نہ ہو نامہ بر کیا بلا ہے، صبا کون ہے؟

ابتدا بھی وہی، انتہا بھی وہی، ناخدا بھی وہی ہے خدا بھی وہی
جو ہے سارے جہانوں میں جلوہ نُما، اُس احد کے سوا دوسرا کون ہے؟

وہ حقائق ہوں اشیاء کے یا خشک و تر، فہم و ادراک کی زد میں ہیں سب، مگر
ماسوا اک اُس ذاتِ بے رنگ کے، فہم و ادراک سے ماورٰی کون ہے؟

انبیاء ، اولیاء، اہلِ بیتؓ نبیؐ، تابعینؒ و صحابہؓ پہ جب آ بنی
گِر کے سجدے میں سب نے یہی عرض کی، تُو نہیں ہے تو مشکل کشا کون ہے؟

اہلِ فکر و نظر جانتے ہیں تجھے کچھ نہ ہونے پہ بھی مانتے ہیں تجھے
اے نصیرؔ! اس کو تو فضلِ باری سمجھ، ورنہ تیری طرف دیکھتا کون ہے؟

(پیر سیّد نصیر الدین نصیر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ [گولڑہ شریف])

..................○..................

ہنگامۂ عالم ہے ترے حفظ و ایماں میں
اس زلف کا ہر خم ہے ترے حفظ واماں میں

ہاں غم ہے مگر غم ہے ترے حفظ و اماں میں
یہ کیف کوئی کم ہے ترے حفظ و اماں میں

سائے میں ترے وقت کی ہر تیکھی ادا ہے
ہر شوخیٔ عالم ہے ترے حفظ و اماں میں

یا رب دِل بے تاب کیا تیرے حوالے
یہ خطرۂ پیہم ہے ترے حفظ و اماں میں

جب چاہے اسے آدمی کر سکتا ہے حاصل
ہر عظمتِ آدم ہے ترے حفظ و اماں میں

تو جذبۂ غیرت کے تلاطم کا نگہباں
ہر موجۂ برہم ہے ترے حفظ و اماں میں

ہر جستِ غزالِ نفس گرم ہے تجھ سے
ہر تازگی رم ہے ترے حفظ و اماں میں

زیر و بم امکاں کا ہے بس تو ہی محافظ
آدم کا ہر اک دم ہے ترے حفظ واماں میں

ہر سانس نیا جذب ہے ہر سانس نیا کشف
جدت تو مقدم ہے ترے حفظ و اماں میں

(مشکور حسین یاؔد)

تیری یادوں سے آباد ہے میرے دل کا نگر
تیرے اذکار سے شاد ہے میرے دل کا نگر

میرے دل کے نگر میں بسیرا تیرا ہی تو ہے
تیری رحمت سے آباد ہے میرے دل کا نگر

دُور رکھتا ہے ہر جرم سے مجھ کو تیرا کرم
ہر برائی کے متضاد ہے میرے دل کا نگر

میرے سر پر ہے سایا تیرا مجھ کو معلوم ہے
خوفِ دنیا سے آزاد ہے میرے دل کا نگر

میرے دل کے نگر میں ہے ہر دم اُجالا کوئی
جس میں روشن تیری یاد ہے میرے دل کا نگر

یہ نگر ایسا ویران ہے اے خدا اے خدا
آباد کر کب سے برباد ہے میرے دل کا نگر

اک زمانہ تھا کاشف میں تھی سرکشی اور اب
تیری رحمت سے سجاد ہے میرے دل کا نگر

(کاشف خان کاشف)

میرے مالک تو ہمیں بھیک دے، جھولی بھر دے
نام لیوا ہیں ترے، حاملِ قرآں کر دے

جس نے مانگی ہی نہیں مال و متاعِ دنیا
پیروی دے کے محمد ﷺ کی، تو نگر کر دے

تو جو چاہے تو عطا کر دے، ممولے کو عروج
اس کو شاہیں سے لڑا دے، ابھی بال و پر دے

چھین لے ہم سے تو افراط و تفریط تمام
دے توازن تو ہمیں، امت وسطیٰ کر دے

تیرے ہی ہاتھ میں ہے، رشد و ہدایت ساری
جس کو چاہے تو عطا خیر کرے شر دے

پھر ملے ہم کو زمانے میں، وہ پہلا سا عروج
جو ہیں فرعون، انھیں غرقِ سمندر کر دے

ہم کو سکھلا دے سدا سب سے محبت کرنا
اپنی الفت کو ہر اک دل میں جگہ دے، گھر دے

رہنما ہم کو ملیں، صاحبِ کردار بھی ہوں
فیضِ ملت کو بے لوث قلندر کر دے

علم دے، فہم دے، تو شمس کو تابندہ بنا
دے اثر بات میں، تحریر مؤثر کر دے

(مشکور حسین یاد)

نعت نذرانے

سید الساجدین، امام المومنین، حضرت سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام کے

دردمند دل سے بارگاہ رسالت ﷺ میں استغاثہ

بَلِّغْ سَلَامِیْ رَوْضَۃً فِیْھَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَمُ

کلامِ امام پر حضرت سیماب اکبرآبادی کی تضمین

فریاد ہے، فریاد ہے، مجھ پر ہوئے بے حد ستم ہندوستان اپنا وطن، طیبہ میں وہ رونق فزا

کس سے کہوں حالِ الم، ہے کون واقف کارِ غم؟ ہم اتنے دور افتادہ ہیں، وہ چارہ سازِ درد ہا

صبر مصیبت تا کجا، ضبطِ فغاں تا کے کنم؟ تیغِ فراقِ شاہ سے بسمل دل محزوں ہوا

اِنْ بِلْتِ یَارِیْحَ الصَّبَا یَوْمًا اِلٰی اَرْضِ الْحَرَمْ اَکْبَادُنَا مَجْرُوْحَۃٌ مِنْ سَیْفِ ھِجْرِ الْمُصْطَفٰی

بَلِّغْ سَلَامِیْ رَوْضَۃً فِیْھَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَمُ طُوْبٰی لِاَھْلِ بَلْدَۃٍ فِیْھَا النَّبِیُّ الْمُحْتَشَمُ

کیسے نبیؐ؟ خیر الوریٰ سرمایہ جود و سخا کرتے تھے رو رو کر دعا جَوْفَ اللَّیَالِیْ دَائِمًا

رحمت سے پے ہر دوسرا، ماہِ شرف، مہرِ ولا کر دیں وہی ہم کو رہا مِنْ کَیْدِ دَھْرِ الظَّالِمَا

مَنْ سِیْرَۃٌ صَدْرُ الْعُلٰی مَنْ شَانُہٗ کَھْفُ الْوَرٰی ہو کاش! تقلیدِ نبیؐ ہم سے بِرَبِّ الرَّاحِمَا

مَنْ وَجْہُہٗ شَمْسُ الضُّحٰی مَنْ خَدُّہٗ بَدْرُ الدُّجٰی یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ کَمَنْ یَتْبَعْ نَبِیًّا عَالِمَا

مَنْ ذَاتُہٗ نُوْرُ الْھُدٰی عَنْ کَفِّہٖ بَحْرُ الْھِمَمْ یَوْمًا وَّلَیْلًا دَائِمًا وَارْزُقْ کَذَالِیْ بِالْکَرَمْ

اُن کی زبانِ فیض تھی گویا نشانِ مرحمت برگشتہ افلاک و زمیں، انبوہ اعداء در کمیں

نورِ ہدایت سے ہوئی زائل جہاں کی شیطنت دنیا کے پردہ پر کہیں، اپنا ٹھکانہ ہی نہیں

وہ ترجمانِ وحیِ حق، وہ خوش بیانِ معرفت ثم ہو کفیل الحمر میں، فریاد کو پہنچو تمہیں

قُرْاٰنُهٗ بُرْهَانُنَا نَسْخًا لِّاَدْيَانٍ مَّضَتْ یَارَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اَنْتَ شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْنَ

اِذْ جَآءَنَا اَحْکَامُهٗ کُلُّ الصُّحُفِ صَارَ الْعَدَمْ اَکْرِمْ لَنَا یَوْمَ الْحَزِیْنِ فَضْلًا وَّجُوْدًا الْکَرَمْ

سیماب مغموم و حزیں دارد بدل حسرت ہمیں چشم کرم باشد براین انت انیس والعاشقین

صدقہ میں اُن کے شاہِ دیں کہتی تھی جو باصد یقیں یَارَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اَدْرِكْ لِزَیْنَ الْعَابِدِیْنَ

مَحْبُوْسَ اَیْدِی الظّٰلِمِیْنَ فِی الْمَوْکِبِ وَالْمُزْدَحَمِ

حضرت مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ ۷ ربیع الاول ۸۱۷ھ کو قصبہ جام علاقہ خراسان میں پیدا ہوئے۔ ہرات اور سمرقند میں ظاہری علوم حاصل کیے اور شیخ الاسلام حضرت احمد جام سے بیعت ہوئے، چند سال میں مقامات سلوک طے کیے۔ ۱۰ ربیع الاول ۸۹۰ھ کو مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے، اُن کا دل نورِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے منور تھا۔ اخلاق نبوی کا وہ مجسمہ تھے، حضور سید عالم فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ اکتسابِ فیض کرتے تھے۔ ۸۹۰ھ میں یہ درد آفریں اشعار لکھے جو اُردو ترجمہ کے ساتھ قارئین آستانہ کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔.................(ادارہ)

نگاہے کہ اُفتد بہ ہر مرغزا رے گلستاں گلستاں، بہارے بہارے

جس مرغزار پر بھی میری نگاہ پڑتی ہے۔ وہاں گلستاں ہی گلستاں نظر آتے ہیں، بہار ہی بہار نظر آتی ہے۔

بہ ہر منزلے بخت خوش می رساند چہ شامِ دل آرا چہ، صبح بہارے

میری خوش نصیبی جس منزل پر بھی مجھے پہنچاتی ہے، وہاں کی ہر شام دلکش ہوتی ہے وہاں کی ہر صبح بہار آفریں ہوتی ہے۔

دلم خاک شد در رہِ شوق لیکن پسِ کاروان است مشتِ غبارے

راہِ شوق میں میرا دل خاک ہو گیا لیکن وہی ایک مشتِ غبار قافلہ کے پیچھے ہے۔

ترحم ترحم خدارا ترحم بکویت فتادہ غریب الدیارے

رحم کیجئے، رحم کیجئے، خدا کے لئے رحم کیجئے، آپ ﷺ کے کوچہ میں ایک پردیسی پڑا ہوا ہے

فدایم ہزاراں بجانِ گرامی بہ آں شہر خوبی چناں شہریارے

میں ہزار جاں سے فدا ہوں، اُس مبارک شہر پر اور اُس محترم شہر یار پر۔

............................O............................

بیا اے دل دمے از ہستی خود ترکِ دعویٰ کن مفگن چشم بر صورت، نظر در عینِ معنیٰ کن

اے دل آ، ایک لمحہ کے لئے اپنی ہستی کے دعوے کو ترک کر

صورت پر نظر نہ ڈال، بلکہ حقیقی معنیٰ کی طرف نظر کر

بیا در انجمن خلوت گزیں و از رہِ دیگر بچشمِ دل جمالِ دوست راہر دم تماشا کن

اے دوست آ، انجمن میں شریک ہو کر خلوت نشین ہو اور معرفت کے ذریعہ

دل کی آنکھ سے ہر وقت جمالِ دوست کا نظارہ کر

بسرش غیر را محرم مگرداں بلکہ در خلوت چناں پوشیدہ کن ذکرش کہ از دل نیز اخفا کن

اس کے راز کو غیر پر ظاہر نہ کر، بلکہ خلوت میں

اُس کے ذکر کو اس قدر پوشیدہ کر کہ اپنے دل سے بھی چھپالے

خرابم در غمِ ہجر جمالت یا رسول اللہ جمالِ خود نما، رحمے بجانِ زار شیدا کن

اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ﷺ کے جمالِ اقدس کے فراق میں، میں خراب و خستہ ہوں

للہ، اپنا جمالِ اقدس دکھائیے، اور میری جانِ زار پر رحم کیجئے

جہاں تاریک شد از ظلم سیہ کاراں یارسول اللہ بیاو عالمے را روشن از نور تجلی کن

یا رسول اللہ ﷺ! سیہ کاروں کے ظلم سے ساری دنیا تاریک ہوگئی ہے

اے حضور! تشریف لائیے اور سارے عالم کو اپنے نور سے روشن کیجئے

چو زیں دارِ فنا قصدِ سفر سوئے دگر داری
چرا غافل نشینی، اے دل اسبابش مہیا کن

اے دل! اگر اس دارِ فنا سے دوسرے عالم کی طرف سفر کرنا ہے تو
غافل و مدہوش کیوں ہے؟ اس سفر کے لئے اسباب مہیا کر

چہ حاجت کرز پئے خلوت روی در کنجِ تنہائی
بیاد دوست خود را از خیالِ غیر تنہا کن

اے سالک اگر وصالِ دوست مقصود ہے تو گوشۂ تنہائی میں جانے کی کیا ضرورت ہے
آ، میدانِ معرفت میں آ اور غیر کا خیال ہٹا کر دوست کو یاد کر

اگر خواہی تماشائے جمالِ شاہدِ معنیٰ
ثنائے پادشاہِ یثرب و سلطانِ بطحا کن

اگر جمالِ اقدس کے دیدار کا آرزو مند اور طلب گار ہے تو
شاہِ یثرب و سلطانِ بطحا کے فضائل بیان کر

اگر از حسرتِ دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدر گاہش بیاؤ ہرچہ می خواہی تمنا کن

اگر دنیا و عقبیٰ کی آرزوؤں میں سے کوئی آرزو تیرے دل میں ہے، تو
اُن کی درگاہِ اقدس و اعلیٰ میں حاضر ہو اور جو کچھ تمنا ہے بیان کر، گوہرِ مقصود سے دامن بھر دیا جائے گا

(حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

انسانیت کے قافلہ سالار آگئے
نوعِ بشر کے سرور و سردار آگئے

احسان مومنوں پہ خدا نے جنہیں کہا
خوشیاں مناؤ مومنو، سرکار آگئے

ہاں جن کو اپنا نور، خدا نے کہا وہی
حق کے حبیب، دلبر غفار آگئے

پہنے ہوئے لباسِ بشر، فرشیوں کے پاس
مہمانِ عرش، پیکرِ انوار آگئے

جن کی مثال ازل سے ابد تک نہیں کوئی
جو قدرتِ خدا کے ہیں شہکار آگئے

ویرانے کی طرح تھی زمانے میں زندگی
اُس کو بنانے گلشن و گلزار آگئے

ہر بیکس و حزیں کے وہ ہمدرد و خیرخواہ
ہر غم زدہ کے مشفق و غمخوار آگئے

چوکھٹ پہ جن کی خم ہیں زمانے کی گردنیں
جو جبرئیل کے بھی ہیں سردار آگئے

ان کے خدا نے ان کو بہت کچھ عطا کیا
جنت ہے جن کی مِلک، وہ مختار آگئے

سب سے زیادہ علم خدا نے جنہیں دیا
جو ہیں خدا کے محرمِ اسرار آگئے

وہ زمانے کا معلّم آگہی بخش جہاں　　ایک امّی کاشفِ اسرار کی باتیں کریں
ذکر چھیڑیں حسنِ کردارِ رسول پاکؐ کا　　مصطفیٰ کی خوبیِ گفتار کی باتیں کریں
صاحب الفقر فخری پر پڑھیں دائم درود　　کیوں کسی منعم کسی زردار کی باتیں کریں
خلوتِ قوسین میں جس نے کیا دیدار حق　　اُس بشر اُس پیکرِ انوار کی باتیں کریں
گنبدِ خضرا کے نظارے بسا کر ذہن میں　　آپ کے شہرِ کرم آثار کی باتیں کریں
ہم کہ ہیں دامن دریدہ خارزارِ زیست کے　　شہرِ طیبہ، گلشن بے خار کی باتیں کریں
ہر معطر کوچہ و بازار کا ہو تذکرہ　　ہر طرف پھیلے ہوئے انوار کی باتیں کریں
اُن کی عادات و شمائل کی، نظام کار کی　　اُن کے معمولات کی، اطوار کی باتیں کریں
کثرتِ اصنام کے بت شکن ماحول میں　　وحدتِ حق کے علم بردار کی باتیں کریں
ناموافق صورتِ حالات میں کیسا تھا وہ　　ہم اُحد کے قافلہ سالار کی باتیں کریں
دشمنوں کی ذلت و خواری پہ کیا اُس نے کیا　　بدر کے فاتح سپہ سالار کی باتیں کریں
اُن کا واصف ہے عجم اُنکا ثنا خوان ہے عرب　　جامی و حسان کے اشعار کی باتیں کریں
حامیانِ حق، مہاجر سابقون الاولون　　ان کے تاریخ آفریں کردار کی باتیں کریں
استعارہ بن گئے قربانی و ایثار کا　　عاشقانِ مصطفیٰ انصار کی باتیں کریں
وہ صداقت کیش جس نے صدق کی تصدیق کی　　ثانی اثنین اذھما فی الغار کی باتیں کریں
سطوت اسلام کا مظہر، مرادِ مصطفیٰ　　اس اشداء علی الکفار کی باتیں کریں
جس کے انصاف و تدبر کی نہیں کوئی مثال　　سرورِ عالم ﷺ کے اس شہکار کی باتیں کریں
جامع القرآن ذوالنورین جواد و کریم　　قلزمِ قربانی و ایثار کی باتیں کریں
بابِ شہرِ علم، زوجِ فاطمہ، خیبر شکن　　شیر یزداں، حیدرِ کرار کی باتیں کریں
بوحنیفہ، بوقبیس حکمتِ دینِ نبی　　آفتاب عظمتِ کردار کی باتیں کریں
احتشامِ فقر و اجلال و کمالِ معرفت　　والی بغداد کے دربار کی باتیں کریں

روز و شب ہے قاسمِ سرمایۂ عرفانِ حق
قادری دامانِ گوہر بار کی باتیں کریں

جو اٹھا خاکِ بریلی سے محبِّ مصطفیٰ
کاروانِ عشق کے سالار کی باتیں کریں

جس کی شخصیت میں پنہاں ہیں کئی شخصیتیں
حجتِ حق اس عجوبہٗ کار کی باتیں کریں

خوب چمکا دعوت و ارشاد کے آفاق پر
گولڑہ کے نیرِّ ضوبار کی باتیں کریں

رزم گاہ خیر و شر میں کامیابی کے لئے
اہلِ حق کو چاہیں ہم، اخیار کی باتیں کریں

ہے یہی طارقؔ ہماری کامرانی کی سند
خالقِ سرکار کی، سرکار کی باتیں کریں

(محمد عبدالقیوم طارقؔ سلطانپوری)

نوعِ بشر کے قافلہ سالار آگئے
انسانیت کے مونس و غم خوار آگئے

پروردگارِ جن و بشر کے ہیں جو حبیب
جو ہیں خدائے پاک کے دلدار آگئے

صدیوں سے اہلِ بزمِ جہاں کو تھا انتظار
سلطانِ انبیاء، شہِ ابرار ﷺ آگئے

موجود زندگی تھی مگر خار زار تھی
اس کو بنانے گلشن و گلزار آگئے

نورِ ازل کا پرتوِ زیبا ہے، جن کا حسن
خلاقِ کائنات کا شہکار آگئے

باطل کی ظلمتوں کا رہے گا نہ اب نشاں
توحیدِ حق کے نیرِ ضوبار آگئے

رحمت مآب، ملکِ سخاوت کے بادشاہ
جود و عطا، کرم کے جہاندار آگئے

سیرت ہے، جن کی ایک نمونہ عمل کا خوب
معیارِ حق کا جن کا ہے کردار آگئے

جن کو خدا نے نعمتیں بخشی ہیں بے حساب
مالک ہیں اور قاسم و مختار آگئے

سب سے بڑا ہمارے لئے ہے خوشی کا وقت
طارقؔ نوید ہو تمہیں سرکار آگئے

(محمد عبدالقیوم طارقؔ سلطانپوری)

باطل کی ظلمتوں کا رہے گا نہ اب نشاں — توحید حق کے نیر ضوبار آگئے
رحمت مآب، ملکِ سخاوت کے بادشاہ — جود و عطا، کرم کے جہاندار آگئے
سیرت ہے، جن کی ایک نمونہ عمل کا خوب — معیار حق کا جن کا ہے کردار آگئے
جن کو خدا نے نعمتیں بخشی ہیں بے حساب — مالک ہیں اور قاسم و مختار آگئے
سب سے بڑا ہمارے لئے ہے خوشی کا وقت — طارق نوید ہو تمہیں سرکار آگئے

(محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری)

منظر مدینہ کی تو واہ کیا بات ہے
دید کی وہ اک گھڑی حاصلِ حیات ہے

صبح ہے دوپہر ہے دن ہے یا کہ رات ہے
آپ ﷺ کے در پہ سوالیوں کی بارات ہے

دل کے شہر میں جو ہر دم آپ ﷺ کی ہی یاد ہو
پھر جہاں کے فکر و غم سے ہر گھڑی نجات ہے

آیئے پڑھیں دُرود اُس ﷺ کے واسطے ہم سب
جس کے دم سے آج بھی روشن یہ کائنات ہے

(کاشف خان کاشف)

دنیا کی نہ یاد آئے سرکار a کے روضے پر — اے کاش قضا آئے سرکار a کے روضے پر
دکھ درد بھلائیں گے بے درد زمانے کے — اللہ ہمیں پہنچائے سرکار a کے روضے پر
جس روز غلامی کی تکمیل تمنا ہو — اے کاش وہ دن آئے سرکار a کے روضے پر

جلوت میں بدل ڈالیں خلوت کے سبھی آنسو — وہ وقت خدا لائے سرکار a کے روضے پر

سرکار a کی چوکھٹ کے ذرات میں بٹ جائے — جب جان مری جائے سرکار a کے روضے پر

چومیں گے نگاہوں سے ذرات کوئے بطحا — قسمت ہمیں لے جائے سرکار a کے روضے پر

مقبول دُعائیں ہوں آقا a کے توسل سے — ایمان جلا پائے سرکار a کے روضے پر

رہتے ہیں ترو تازہ ایماں کے سبھی غنچے — گلشن میں بہار آئے سرکار a کے روضے پر

کونین کی ہر نعمت ملتی ہے اسی در سے — جو بن پہ عطا آئے سرکار a کے روضے پر

آقا a کی نگاہوں میں سائل ہیں سبھی یکساں — رائج نہیں دو رائے سرکار a کے روضے پر

دُکھ درد کے ماروں کو کملی میں چھپا لیں گے — مجرم بھی نہ گھبرائے سرکار a کے روضے پر

اپنوں کے ستائے یا غیروں کے ستم خوردہ — ہر کوئی اماں پائے سرکار a کے روضے پر

بیزار جو ہو جملہ دنیاوی سہاروں سے — جینے کو وہ آجائے سرکار a کے روضے پر

جس کا ہے نہیں کوئی ہمدرد کہیں یارو — بے خوف چلا آئے سرکار a کے روضے پر

ہم جیسے نکموں کی، ہم جیسے حقیروں کی — بگڑی ہوئی بن جائے سرکار a کے روضے پر

اے کاش لپٹ جاؤں طیبہ کی فضاؤں سے — خواہش مری برآئے سرکار a کے روضے پر

چاکر میں رہوں بن کر سرکار a کی گلیوں کا — یوں زیست گزر جائے سرکار a کے روضے پر

روکے نہ کوئی مجھ کو اس وقت مچلنے سے — جب من میرا بھر آئے سرکار a کے روضے پر

لاچاری و دوری کا، مجبورؔ حضوری کا — بیمار شفا پائے سرکار a کے روضے پر

(سیّد عارف مجبورؔ رضوی، گجرات)

ہدیہ درود و نعت

شکر رب کا کرے کیوں نہ طاہرؔ، آج سرکار ﷺ کی ہے ولادت

نام جن کا سکونِ دل و جاں ایسے مختار ﷺ کی ہے ولادت

رحمتِ دوجہاں بن کے آئے، ذہن و دل میں شگوفے کھلائے

آپ ﷺ نے اپنے علم و عمل سے جام وحدت کے سب کو پلائے
جس نے اپنائی سیرت نبی ﷺ کی اُس پہ رحمت ہے ربِّ علیٰ کی
بخت یارو ہے وہ جس کے دل میں ہے محبتِ شفیع الوریٰ ﷺ کی
محسنِ آدمیت بھی ٹھہرے، اُن کے فرمان سارے سنہرے
آمد آمد ہوئی مصطفیٰ ﷺ کی کھِل اُٹھے سارے مایوس چہرے
ظلم و نفرت کو جڑ سے اکھاڑا، بے بسوں کو گلے سے لگایا
آپ ﷺ تشریف لائے جہاں میں گلشن دہر بھی لہلہایا
پھول رحمت کے کھلنے لگے ہیں، بے سہاروں کی بدلے گی قسمت
نکہت و نور کی بارشیں ہیں، تیرگی دہر سے ہو گی رُخصت
آپ ﷺ کا یومِ جشنِ ولادت، باخدا یومِ رحمت ہے طاہرؔ
اُن ﷺ کا میلاد دل سے منائیں اس میں لطفِ اطاعت ہے طاہرؔ

(طاہر سلطانی [کراچی])

خدا کے فضل سے ہے موسمِ بہار درود نبی ﷺ سے نسبتِ کامل کا افتخار درود
جو آنجناب کے نقشِ قدم پہ چلتا ہے اُسی کے چہرے پہ لاتا ہے پھر نکھار درود
یہی عقیدہ ہے اپنا یہ اصلِ ایماں ہے کہ بھیجیں ذاتِ محمد ﷺ پہ بار بار درود
اندھیرے جہل کے اب میرا کیا بگاڑیں گے ہے تیرگی میں اُجالوں کا شاہکار درود
درودِ پاک تری عظمتوں کے کیا کہنے ہر ایک لمحہ کروں، تجھ پہ میں نثار درود
کروڑوں بار کرو شکرِ ربّ ادا لوگو نبی پاک ﷺ پہ بھیجو کروڑوں بار درود
رضائے ربّ جسے طاہرؔ نصیب ہو جائے رسول پاک ﷺ پہ بھیجے وہ بے شمار درود

(طاہر سلطانی [کراچی])

مرحبا..... جشن آمدِ رسول ﷺ پر نعتیہ کلام

حق نگر حق نما پیش رو پیشوا اے حبیبِ خدا مرحبا مرحبا
چاہتوں کا صلہ آج مجھ کو ملا آپؐ کا نقشِ پا مرحبا مرحبا
اک اشارہ کیا چاند ٹکڑے ہوا آپؐ کا معجزہ مرحبا مرحبا
کیا حسین وقت تھا دلنشیں وقت تھا عرش تھا زیرِپا مرحبا مرحبا
آپؐ نے جو کہا دل میں گھر کر گیا نسخۂ کیمیا مرحبا مرحبا
حاصل دوجہاں تاجدار شہاں خشک روٹی غذا مرحبا مرحبا
بول بالا ہوا پھر اُجالا ہوا آپؐ کے نام کا مرحبا مرحبا
چاندنی دلکشی سرخوشی نغمگی زمزمہ نعت کا مرحبا مرحبا
اشک تھم تھم گئے سب کے سب غم گئے سر پہ کیا ہاتھ تھا مرحبا مرحبا
خالی دامن مرا جس میں کچھ بھی نہ تھا آپؐ نے بھر دیا مرحبا مرحبا
سید محترم شاہ والہ حشم رہبر و رہنما مرحبا مرحبا
خوب سے خوب ہیں آپؐ محبوب ہیں خوبیٔ دوسرا مرحبا مرحبا
ہاتھ خالی ملا جو سوالی ملا دامن اس کا بھرا مرحبا مرحبا
عظمتیں واہ وا رفعتیں واہ وا سدرۃ المنتہیٰ مرحبا مرحبا
نام نامی لیا جس گھڑی آپؐ کا دل منور ہوا مرحبا مرحبا
چہرۂ نور نور جس نے دیکھا حضور دیکھتا رہ گیا مرحبا مرحبا
میں نے جو کچھ کہا آپؐ نے سن لیا یہ کرم یہ عطا مرحبا مرحبا
ایسی دلداریاں ایسی غمخواریاں کوئی کب کر سکا مرحبا مرحبا
آپؐ کے نقش پا تیرگی میں ضیاء خاک خاک شفاء مرحبا مرحبا
کیا عرب کیا عجم آپؐ شاہ امم آپؐ خیر الوارا مرحبا مرحبا

بے سہارا نہیں غم کا مارا نہیں آپؐ کا جو ہوا مرحبا مرحبا
دل سنورتا رہے ذکر کرتا رہے روز و شب آپؐ کا مرحبا مرحبا
میں نے صلی علیٰ جس گھڑی بھی کہا کیف کیا کیا ملا مرحبا مرحبا
پتھروں کو زباں عاصیوں کو اماں کون دیتا بھلا مرحبا مرحبا
مہر و انجم قمر آپؐ کی رہگذار آپؐ نورِ خدا مرحبا مرحبا
زندگی بخش دے سرخوشی بخش دے آپؐ کی خاک پا مرحبا مرحبا
آپؐ صادق امیں رحمت عالمیں یہ مقام آپؐ کا مرحبا مرحبا
فکر سود و زیاں اس کو آقا کہیں آپؐ کا جو ہوا مرحبا مرحبا
آپؐ آقا میرے آپؐ مولا میرے میں غلام آپؐ کا مرحبا مرحبا
غمزدہ آپؐ کا ہر بُرا آپؐ کا رحمتِ انتہا مرحبا مرحبا
آپؐ کی آن پر آپؐ کی شان پر جان بھی ہو فدا مرحبا مرحبا
خوش لقب خوش بیاں آپؐ جیسا کہاں؟ کوئی بھی دوسرا مرحبا مرحبا
کملی والے نہ ہوں تو اجالے نہ ہوں دل نے کیا کیا کہہ دیا مرحبا مرحبا
گنگناتا پھروں گیت گاتا پھروں آپؐ ہی کے سدا مرحبا مرحبا
لوگ تڑپا کریں پھر بھی زندہ رہیں سلسلہ شوق کا مرحبا مرحبا
کوئی چھوٹا بڑا جو ذرا رو پڑا کام اُس کا بنا مرحبا مرحبا
منزلیں دور ہیں لوگ مجبور ہیں آپؐ کا آسرا مرحبا مرحبا
چین اُس کو ملا اس میں جو آگیا سایۂ مصطفٰے مرحبا مرحبا
لطف کے سائے تھے آپؐ جو آئے تھے کیا اُجالا ہوا مرحبا مرحبا
دیکھنے جائیں گے کیف ہم پائیں گے پھر بلاوا آیا مرحبا مرحبا
عاشق مصطفٰے جس کا کوئی نہ تھا وہ مدینے چلا مرحبا مرحبا
باریاب حرم اور کیا ہو کرم تو یہاں آگیا مرحبا مرحبا

نور پرور فضا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا شہر یہ آپؐ کا مرحبا مرحبا
باب رحمت کھلا داغ عصیاں دُھلا لطف بھی آپؐ کا مرحبا مرحبا
کام سارا ہوا پھر نظارا ہوا گنبد سبز کا مرحبا مرحبا
سر جھکا کس جگہ مل گیا مرتبہ یہ حرم آپؐ کا مرحبا مرحبا
پرشش پر ضیا دیکھئے تو ذرا حسن غارِ حرا مرحبا مرحبا
بارگاہِ حضورؐ وجد و کیف و سرور لطف و جود و سخا مرحبا مرحبا
رنگ، خوشبو، صبا چار سو جا بجا پیار بکھرا ہوا مرحبا مرحبا
اجلی اجلی گلی جیسے دل کی کلی کیا کہوں ماجرا مرحبا مرحبا
دل پہ جو زنگ تھا وہ اترتا گیا کیا چلی ہے ہوا مرحبا مرحبا
جو حرم میں ملا چشم نم میں ملا نام کا وہ گدا مرحبا مرحبا
جو بھکاری ملا شہریاری ملا نام کا وہ گدا مرحبا مرحبا
راحت دل ملی مجھ کو منزل ملی جب ملا راستہ مرحبا مرحبا
سارے منظر حسیں دلنشیں دلنشیں دیکھتا ہی رہا مرحبا مرحبا
لطف کی لہر ہے آپؐ کا شہر ہے بخت جاگا مرا مرحبا مرحبا
زائروں کی دُعا طائروں کی صدا نغمۂ دلربا مرحبا مرحبا
حسن تھا خلد کا زندگی کا مزا کیا حسین خواب تھا مرحبا مرحبا
عرش پرنور تھا فرش پرنور تھا ذکر تھا آپؐ کا مرحبا مرحبا
رنگ و بوئے وفا ذرے ذرے پر تھا قریۂ جانفزا مرحبا مرحبا
کیا حسیں رنگ تھا دیکھ کر دنگ تھا ہر طرف جا بجا مرحبا مرحبا
وادئ نور تھی کتنی بھرپور تھی رحمتوں کی گھٹا مرحبا مرحبا
کوئی مسرور تھا اے رسولِ خداؐ جو یہ لکھتا رہا مرحبا مرحبا

حضرت مسرور کیفی رحمۃ اللہ علیہ

چند مادہ ہائے تاریخ

سالِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ

وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا

۵۷۱ھ

اور بے شک ضرور ہم نے دنیا میں اُسے چن لیا۔(ترجمہ کنز الایمان)

یہ قرآنی مادۂ تاریخ سالِ ولادت سرکار دوجہاں ﷺ علم الاعداد حضرت طارق سلطانپوری نے استخراج کیا۔

(۱) سالِ میلاد جناب نبی علیہ السلام
۵۷۱ء

(۲) سالِ میلاد محمد ابن عبداللہ کملی والا
۵۷۱ء

(۳) سالِ میلادِ جناب نبی بطحا محمد ابن عبداللہ
۵۷۱ء

(۴) سالِ میلاد، حبیب دل، نبی علیہ السلام
۵۷۱ء

(۵) مولود محمد الرسول اللہ
۵۷۱ء

حبیبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم
۵۷۱ھ

(۶) سالِ میلاد، نبی کل محمد من موہن
۵۷۱ء

(۷) جشن جاوداں میلادِ نبوی
۵۷۱ء

آمد ابدی نبی صلی اللہ علیہ وسلم
۵۷۱ھ

(۸) سالِ میلاد نبی پاک برحق
۵۷۱ء

استخراج شدہ: شاہ اکرام حسین سیکری

برکاتِ سیرت و میلاد...... قطعہ تاریخ طباعت

اسی کا دن ہے بڑھ کر سب دنوں سے
رسول پاک کا یوم ولادت
جتنی بھی کی جائے وہ کم ہے
یہ ہے سب سے بڑا یومِ مسرت
بڑا احسان خدا مومنوں پر
نبیٔ طیبہ و بطحا کی بعثت
جہانوں کے لئے بھیجا خدا نے
بنا کر ان کو اپنا عکسِ رحمت
ہر عالم کا نبی، پیغمبرِ کل
محیط جزو و کل اس کی رسالت
وہ خورشید 'ھدا' آتے ہی اس کے
ہوئی کافور ہر عالم کی ظلمت
بظاہر وہ اُمّی لیکن اس کا
ہے ممنون ہر جہانِ علم و حکمت
رہے گا تاقیامت دین اس کا
رہے گی حشر تک اس کی شریعت

عظیم الشان نمبر چھاپنے کی
ملک محبوب نے ڈالی روایت
یہ انوارِ رضا کا خاص نمبر
معارف کا خزینہ بیش قیمت
بہ دربارِ حبیبِ حق تعالیٰ
ملک محبوب نے باصد عقیدت
بہ ذوق و شوقِ کامل پیش کی ہے
حسیں یہ نذرِ اخلاص و محبت
یہ ہے اعزاز اس کا خاندانی
یہ پشتوں سے محبِّ جانِ رحمت
یہ ہے لاریب اس کی عمدہ کاوش
یہ کارِ خوب تر ہے درحقیقت
شفاعت یاب ہوگا مصطفےٰ ﷺ سے
وہ پائے گا صلہ جو کی ہے محنت
بہ "اوج پاکی" طارق میں نے تاریخ
کہی ہے "شعشۂ برکاتِ سیرت"
۴۳ ۱۹۶۸+۴۳=۲۰۱۱ء

"ادب" کہہ کر "مجدِ میلاد"
رقم تاریخ کی برکاتِ سیرت
۷ ۱۳۲ ۷+۱۳۲+۱۲۹۳=۱۴۳۲ھ

کہی جو اور اک تاریخ طارق
"دسہیلی خوبیِ برکاتِ سیرت"
۲۰۱۳ء

(علامہ محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری)

کتنا پیارا نام ....محمد ﷺ

سید زاہد رضوی

محمد ﷺ کتنا پیارا نام ہے، سنتے ہی سر اور آنکھیں عقیدت سے جھک جاتی ہیں۔ زبان پر صلے اللہ کا ترانہ جاری ہو جاتا ہے۔ دل کو حال آتا ہے اور رقص کرنے لگتی ہے۔

خرابا تیوے پرستی کنید محمد ﷺ بگوئید و مستی کنید
خراباتیوے پرستی کردتم محمد ﷺ کہو اور مستی کرو تم

محمد باعثِ تکوین کون و مکان ہیں، اس عالم میں نشانِ بے نشاں ہیں۔ شش جہات میں محمد ﷺ ہی محمد عبد ہیں لیکن عبدیت میں ایسے بے مثال ہیں جیسے الوہیت میں خدائے پاک بے مثال ہے۔ محمد کی پیاری عبدیت میں ذکر خدا کس شان سے ہمیں سناتا ہے؟ (آلایہ) محمد ﷺ رسول ہیں، لیکن شان رسالت دیکھئے تمام رسل علیہم السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام کو آپ ﷺ کی امت میں پیدا ہونے کی آرزو ہے۔ معراج کی ہر منزل میں کس محبت و عزت سے عظیم الشان و جلیل القدر انبیاء نے آپ ﷺ کا استقبال کیا ہے اس لئے کہ جو مخصوص خوبیاں اور اوصاف جملہ انبیاء و رسل میں اجتماعی طور پر پائی جاتی تھیں محمد ﷺ کی ذات والا صفات میں وہ بدرجہ اتم و اکمل موجود ہیں۔

حسن یوسفؑ، دم عیسٰی ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری

محمد ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لائے جب آفتابِ توحید، کفر اور شرک کی تاریک گھٹاؤں میں پنہاں ہو چکا تھا۔ کواکب پرستی، آتش پرستی، عناصر پرستی کا رواج ہر جگہ تھا، من جانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرنے والے سینکڑوں مذاہب موجود تھے لیکن اللہ کا نور ان میں سے کسی کے پاس بھی نہیں تھا۔ سارے ادیان و مذاہب مسخ ہو چکے تھے۔ منزل

من اللہ کتابوں کا لوگ نام تو لیتے تھے لیکن سب کی تعلیمات میں کثرت سے ہندوؤں کی تحریفات شامل تھیں۔ مذہب کے سارے علمبرداروں نے اللہ لاشریک لہ کو ظن و تخمین کا ایک بازیچہ بنا دیا تھا کچھ تو خدا کے وجود سے ہی منکر تھے اور جو ماننے والے بھی تھے ان کا ماننا نہ ماننے کے برابر تھا اس طرح سارا عالم صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا تھا اور گمراہی کے جہنم میں جل رہا تھا اور جہاں میں ہر طرف لا الہ ڈنکا تو بج رہا تھا مگر الا اللہ کی صدا سے دل، زبان اور کان بالکل نا آشنا ہو چکے تھے کہ سرکار محمدی ﷺ کی بعثت سے دنیا کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک ہوئی اور فضائے آسمانی توحید کے نغموں سے گونج اٹھی۔

جب مٹے آثارِ فطرت بعد نقشِ لا الہ روحِ احمد ﷺ سے اٹھی آواز اِلّا اللہ کی

محمد ﷺ کا کوہ صفا کا خطبہ مکہ کی فضا میں گونجا اور کچھ ہی عرصے کے بعد کل جہان نغمہ توحید سے معمور ہو گیا۔ آفتاب توحید چمکا اور سارا عالم بقعۂ نور بن گیا۔ عہد الست جسے اولاد آدم فراموش کر چکی تھی ساری دنیا کو پھر یاد دلا گیا۔ مخلوق اپنے خالق کے سامنے جھک گئی۔ عبد و معبود کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑ دیا گیا۔ شریعتِ حقہ پر لوگ گامزن ہو گئے۔ معرفت الٰہی کے بند دروازے کھل گئے۔ بت کدے سرنگوں ہو گئے۔ آتش کدے سرد ہوئے اور کفر و شرک کے خس و خاشاک دریائے وحدت میں بہہ گئے۔

محمد ﷺ! آپ ﷺ ہی کی بابرکت بعثت سے دنیا کو یہ سعادتیں نصیب ہوئیں۔ کائنات وجود آپ ﷺ کے اس احسانِ عظیم کے بارِ گراں سے کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتی۔ آپ سچ مچ رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ ﷺ پر میری جان قربان ہو۔ یا محمد ﷺ!

محمد ﷺ! آپ عبدِ کامل ہیں۔ خاتم انبیاء علیہم السلام و رسل ہیں۔ علم کے دریائے رواں میں معرفت کے بحر ذخائر ہیں۔ مساوات کے سب سے بڑے داعی رہنما ہیں۔ امن و انصاف کے سب سے بڑے علمبردار ہیں یا محمد ﷺ! بے شمار درود و سلام ہوں آپ پر، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر، آپ ﷺ کی آل و اصحاب باصفا پر۔ دن رات، صبح و شام۔ یا محمد ﷺ آپ پر درود و سلام ہوں۔

وہ ملکوتی دور جب مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی گلیاں رسول پاک ﷺ کے قدموں کو چومتی تھیں

حیاتِ طیبہ کے اہم واقعات

ظفر حمید☆

ولادت مبارک: دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول عام فیل، ۲۰ اپریل ۵۷۰ء...... مادرِ رسول ﷺ حضرت آمنہ خاتون کی وفات: ۶ عام فیل...... جدہ رسول حضرت عبدالمطلب کی وفات: ۵۷۹ء...... حضرت ابوطالب کے ساتھ شام کا پہلا سفر: عمر شریف بارہ سال دو ماہ دس دن...... حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارتی سفر شام...... ۲۴ عام فیل...... حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے عقد مبارک: دوشنبہ ۱۹ جمادی الاول ۱۵ء قبل اعلان نبوت...... پیدائش مبارک حضرت زینب بنت رسول ﷺ: ۱۰ء قبل اعلان نبوت (عمر شریف تیس سال)...... پیدائش حضرت رقیہ بنت رسول ﷺ ۷ء قبل نبوت عمر شریف ۳۳ سال)...... منصب نبوت پر سرفرازی: دوشنبہ ۹ ربیع الاول ۴۱ھ بدر و مبارک ۹ فروری ۶۱۰ء...... ہجرت حبشہ: رجب ۵ء نبوت...... محاصرہ شعب ابی طالب: یکم محرم ۷ء، نبوت تا ۱۰ نبوت...... ولادت سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا: ۶ء نبوت...... وفات عم رسول حضرت ابی طالب: ۱۰ نبوت...... وفات اُم المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ: حضرت ابوطالب کی وفات کے تین دن بعد...... سفر طائف: جمادی الثانی ۱۰ نبوت...... معراج شریف اور نماز خمسہ کی فرضیت: دوشنبہ ۲۷ رجب ۱۰ نبوت مطابق ۱۹ مارچ ۶۱۹...... بیعت عقبہ اولے: ذی الحجہ ۱۱ نبوت، جولائی ۶۲۱ء...... بیعت عقبہ ثانیہ: ذی الحجہ ۱۳ء نبوت...... مکہ معظمہ سے ہجرت: شب جمعہ، ۲ صفر ۱۴ء نبوت مطابق ۱۰ ستمبر ۶۲۲ء...... قبا میں تشریف آوری: دوشنبہ ۸ ربیع الاول ۱ھ...... مدینہ منورہ میں نزول اجلال: دوشنبہ ۲۲ ربیع الاول ۱ھ...... مسجد نبوی کا سنگ بنیاد رکھا گیا: ۲۵ یا ۲۶ ربیع الاول ۱ھ...... پہلی مرتبہ نماز جمعہ خطبہ اور جماعت کے

☆ ایڈیٹر ماہنامہ "بصیر" کراچی

ساتھ: ربیع الاول ۱ھ...... اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: شوال ۱ھ...... تحویل قبلہ: ۱۵ شعبان ۲ھ...... فرضیت کے بعد رمضان المبارک کا پہلا روزہ: یک شنبہ یکم رمضان ۲ھ...... زکوٰۃ و جہاد کی فرضیت: ۲ھ...... غزوۂ بدر: شنبہ ۱۷ رمضان ۲ھ مطابق ۱۳ مارچ ۶۲۴...... غزوۂ احد: ۶ شوال ۳ھ مطابق ۶۲۵ھ...... شراب قطعی طور پر حرام قرار دی گئی: ۳ھ...... پیدائش مبارک حضرت امام حسن علیہ السلام: ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ...... پیدائش حضرت امام حسین شہید کربلا علیہ السلام: ۴ شعبان ۴ھ...... غزوۂ احزا: شوال یا ذی قعدہ ۵ھ...... غزوہ خیبر: محرم ۷ھ...... پیدائش حضرت ابراہیم علیہ السلام بن رسول اللہ: ۸ھ...... حضرت زینب بنت رسول اللہ کی وفات: ۸ھ...... فتح مکہ معظمہ: ....۲ رمضان المبارک ۸ھ مطابق ۱۱ جنوری ۶۳۰...... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت میں پہلا اسلامی حج: دوشنبہ ۹ ذی الحجہ ۹ھ (۱۸ مارچ ۶۳۱ء)...... وفات حضرت ابراہیم علیہ السلام بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۹ شوال ۱۰ھ...... سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کا آغاز: دوشنبہ ۱۹ صفر ۱۱ھ...... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا: دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء...... لحد مبارک میں آرام فرما ہوئے۔ شب چہار شنبہ ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ ۹ جون ۶۲۲ھ۔

مفکرِ اسلام حضرت علامہ پیر سید عبدالقادر شاہ جیلانی کا تاریخی خطاب

میلاد النبی ﷺ کی دستوری حیثیت

مرتبہ...... حافظ قاری عزیز حیدر قادری

مفکر اسلام حضرت علامہ پیر سید عبدالقادر شاہ جیلانی یورپ، امریکہ اور برطانیہ میں گذشتہ نصف صدی سے دین اسلام کی ابلاغ و فروغ کے لئے عملاً مصروف جہد ہیں۔ انہوں نے تحریر و تقریر کے ذریعے تبلیغ و اشاعت دین کا محاذ سنبھال رکھا ہے مجموعی طور پر وہ غیر مسلم قوتوں کے ہاں اسلام اور مسلمین کے ترجمان و نمائندہ کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ اس وقت ہمارے پیش نظر ان کا ایک اہم خطبہ ہے جو انہوں نے "میلاد النبی ﷺ کی دستوری حیثیت" کے عنوان سے ارشاد فرمایا۔ آپ کے خلیفۂ مجاز اور ہمارے رفیق محترم گرامی قدر حضرت علامہ سید محمد انور حسین شاہ کاظمی قادری کی نشاندہی اور خواہش کے احترام اس خصوصی نمبر میں شامل کیا جارہا ہے۔ واضح رہے کہ اس خطبہ کو مولانا حافظ قاری عزیز حیدر قادری (راولپنڈی) نے ٹیپ ریکارڈ سے سینۂ قرطاس پر منتقل کیا۔ ہم ان کے شکریہ کے ساتھ انوار رضا کی اشاعت خاص "برکاتِ سیرت و میلاد" کا حصہ بنا رہے ہیں۔.................. (محبوب قادری)

الحمدللہ و کفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سیدنا محمدن المصطفیٰ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اولی الصدق والصفا۔ امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ

(آل عمران۔۱۶۴)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

(کنزالایمان، از اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

نبی پاک ﷺ کے میلادِ پاک کی قانونی حیثیت کیا ہے؟

نبی پاک ﷺ کے میلادِ پاک کی قانونی حیثیت کیا ہے؟

قرآن کی نگاہ میں، حدیث کی نگاہ میں، اور عالم اسلام کی نگاہ میں۔

نبی پاک ﷺ کے میلاد کی تفصیلات کیا ہوئیں؟ یہ دوسرا سبجیکٹ Subject ہے۔

پہلی بات ہے اِس کی قانونی حیثیت۔ کہ قانون کی نگاہوں میں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس کی روشنی میں اس کی کیا حیثیت بنتی ہے؟ اگر اِس میں (کوئی بات) قابلِ اعتراض ہے تو پھر ہمیں چھوڑنا چاہئے، اور اگر اس کے لحاظ سے مضبوط ہے تو پھر معترض کو توبہ کرنی چاہئے۔

"نبی پاک ﷺ کے میلاد" کے وقت کون سے "ارہاصات" نمودار ہوئے؟

"ارہاصات" اُن معجزات کا نام ہے جو نبی ﷺ کے اعلان نبوت سے قبل، نبی ﷺ سے ظہور میں آتے ہیں۔

جو چیزیں خلافِ عادت ہوتی ہیں اُن میں سے چند ایک یہ ہیں:۔

☆ اللہ تعالیٰ سے خلافِ عادت صادر ہو، اس کا نام "قدرت" ہے۔

☆ نبی سے اعلان نبوت کے بعد خلافِ عادت صادر ہو اس کا نام "معجزہ" ہے۔

☆ نبی سے اعلان نبوت سے قبل کوئی چیزیں عادت کے خلاف صادر ہوں اُن کا نام "ارہاصات" ہے۔

☆ اور اگر غیر نبی سے صادر ہوں پھر دیکھنا ہوگا وہ صحیح العقیدہ ہے یا بدعقیدہ۔

☆ اگر وہ صحیح العقیدہ ہے تو پھر اس کی دو حیثیتیں ہیں۔ عام درجے کی خلافِ عادت ہوں جیسا کسی کو دم کیا، آرام آ گیا۔ اس کا نام "معونت" ہے۔ "معونت" ہر مومن کے لئے ممکن ہے۔

☆ اگر بڑے درجے کی ہوں تو اس کا نام "کرامت" ہے۔ جیسا حضرت والی

بغداد شہنشاہِ جیلان رضی اللہ عنہ نے مری ہوئی مرغی زندہ کی۔

انور علی شاہ صاحب لولابی شیخ الحدیث دیوبند کی کتاب (فیض الباری شرح بخاری) میں لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے مرغی زندہ کی۔

☆ اگر کسی بے دین سے خلافِ عادت باتیں ثابت ہوں تو اس کا نام "استدراج" ہے۔

☆ اگر کسی جھوٹے مدعی نبوت سے اُس کے کہے کے خلاف نکلے تو اس کا نام "اہانت" ہے۔

جیسا مسلمۃ الکذاب سے کہا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بڑے بڑے کام کئے نابینا کو بینا کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نابیناؤں کو بینائی عطا کرتے رہے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند توڑ کے دکھایا۔ طرح طرح کے معجزات سے مریضوں کو ٹھیک کیا۔

تیرے پاس ایک کانا لائے ہیں جس کی ایک آنکھ خراب ہے' دوسری ٹھیک ہے۔ مہربانی کر کے اِس کی خراب آنکھ ٹھیک کر دو۔ اب مسلمۃ الکذاب نے جو پھونک ماری 'تو جو آنکھ ٹھیک تھی وہ بھی جاتی رہی۔ اِس کا نام "اہانت" ہے۔

"اہانت" کی کئی مثالیں مرزا قادیانی کی بھی ہیں۔ مثلاً: اُس نے پیشگوئی کی ہوئی تھی کہ اس مدت میں مقدمہ ضرور جیتوں گا۔ 2000 کا جرمانہ بھی ہوا اور مقدمہ بھی ہار گیا۔ ایک کیس میں آ کے پیش ہوا اور کہنے لگا میرے عمامے کو جو دیکھے گا اس کے ضمیر میں تبدیلی آ جائے گی۔ تو جب عمامہ پہن کر کچہری میں آیا تو خادم پوچھتا ہے مرزا جی سر پر کیا باندھا ہوا ہے؟ کہا عمامہ۔ اُس نے کہا آزار بند لٹک رہا ہے' یہ عمامہ نہیں ہے' پاجامہ سر پر باندھا ہوا ہے۔ اُس نے چاہا کچھ اور تھا لیکن بجائے عمامہ کے پاجامہ نکل آیا۔ اس کو "اہانت" کہتے ہیں۔ جھوٹے مدعی نبوت سے جو اُس کی طبیعت کے خلاف صادر ہو' چاہے کچھ اور' ہو جائے کچھ اور' اِس کا نام "اہانت" ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے میلادِ پاک کے وقت "ارہاصات" کتنے نمودار ہوئے؟ یہ الگ Subject ہے۔

آج اس پر بحث ہے کہ "نبی پاک ﷺ کے میلاد کی دستوری حیثیت" کیا ہے؟ نبی پاک ﷺ کے میلاد کے دن کی جو Lagal Value (قانونی حیثیت) ہے اس پر بحث کرتا ہوں:۔

قرآنِ عظیم فرماتا ہے:

لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولا — بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ اُن پر اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

البتہ تحقیق اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا ہے۔ مطلقاً نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا "مومنوں پر احسان فرمایا ہے"۔

جس وقت مفعول کا تعین ہوتا ہے تو فعل کا مفعول ثابت ہو جاتا ہے۔ مفعول چاہتا ہے کہ یہ فعل اسی دائرے میں موافق ہے جس کا مفعول سے واسطہ ہو۔

فرمایا: محبوب کبریا کا بھیجا جانا یہ "احسان" ہے لیکن بے ایمانوں پر نہیں ہے صرف "مومنوں پر احسان" ہے۔ "احسان" ہوا ہے لیکن احسان کا دائرہ "ایمان والے" ہیں۔

اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا — جبکہ بڑی شان والا رسول ان میں بھیج دیا ہے۔

ایسا رسول کہ:

مِنْ اَنْفُسِهِمْ — جو انہی میں سے ہے۔

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِه — اس کی آیتیں پڑھ پڑھ کر انھیں سناتا ہے۔

وَیُزَکِّیْهِمْ — اور انھیں پاک کرتا ہے۔

صرف پڑھاتا ہی نہیں بلکہ اس کی نگاہ میں وہ زور ہے، اس کے بیان میں وہ

قوت ہے کہ یہ ضمیروں کی تطہیر کرتا ہے' پاک کرتا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ — انہیں کتاب بھی سکھاتا ہے' انہیں حکمت بھی سکھاتا ہے۔

کتاب سے مراد "قرآن" ہے۔ تو پہلے خود جانے تو پھر سکھاتا ہے۔

اور قرآن کہتا ہے کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں ہے جو مجھ میں موجود نہ ہو۔ تو علم پہلے سرکار ﷺ کے سینے میں ہے بعد میں کسی اور کے سینے میں آیا ہے۔

وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ — اور یہ پکی بات ہے کہ میرے محبوب کے آنے سے پہلے یہ کھلم کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

یہ سورۃ نمبر ۳ آیت نمبر ۱۶۴ ہے۔ قرآن مجید نے یہاں یہ بات واضح کی ہے کہ اللہ نے مومنوں پر احسان کیا ہے۔ کس بات کا احسان؟ کہ ان میں رسول بھیجا۔

☆ اعتراض کرنے والا کہتا ہے کہ میلاد شریف پر تو اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا؟ یہ دلیل تو میلاد شریف کے لئے نہیں بنائی جاسکتی' اس لئے کہ یہاں احسان "بھیجنے" کا ہے' یہاں "پیدا کرنے کا" تو نہیں ہے؟۔

مندرجہ بالا اعتراض کا جواب:

معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن و حدیث سے استدلال کرنے کے ۴ بنیادی اصول ہیں۔

۱۔ عبارۃ النص۔ ۲۔ دلالۃ النص۔ ۳۔ اشارۃ النص۔ ۴۔ اقتضاء النص۔

میں یہاں "اقتضاء النص" سے استدلال کرنا چاہوں گا:

"اقتضاء النص" کسے کہتے ہیں؟ جب قرآن وحدیث میں کوئی بات' حکم یا واقعہ جائز کے طور پر بیان کیا جائے' لیکن جو بات لفظوں میں کہی گئی ہے وہ کسی اور بات کا تقاضا کرے۔ جب تک وہ دوسری بات درمیان میں شامل نہ کی جائے' یہ بات جو لفظوں

میں بیان کی گئی ہے پوری نہ ہو سکے۔اس بات کو ایک مثال سے سمجھیں:

مثلاً: خاوند گھر آیا ہے' بیگم کو کہتا ہے کھانا کھلاؤ۔تو بیگم فوراً آٹا گوندھنے لگ جاتی ہے' آگ جلانے لگ جاتی ہے۔تو خاوند کہتا ہے کہ'' میں نے تمہیں کہا ہے کہ کھانا کھلاؤ' آگ جلانے کا تو نہیں کہا''۔بیوی کہتی ہے کہ'' حضرت جب تک آگ نہیں جلے گی' آٹا گوندھا نہیں جائے گا اور میں چپاتی نہیں ڈالوں گی' یہ پکے گی نہیں' تو اُس حکم کی تعمیل نہیں ہو سکے گی جو آپ نے فرمایا ہے۔آپ نے کہا کھانا کھلاؤ' تو یہ کھانا کھلانا تقاضا کرتا ہے آگ جلانے کا' کھانا کھلانا تقاضا کرتا ہے آٹا گوندھنے کا' کھانا کھلانا تقاضا کرتا ہے چپاتی بنانے کا''۔

اب جس نے کہا ''کھانا کھلاؤ''۔اُسی نے حقیقتاً یہ بھی کہا ہے کہ پیڑے بناؤ' چپاتی بناؤ' تو اگرم کرو۔ اِس کا نام'' اقتضاء النص'' ہے۔لفظوں میں کہا کہ'' کھانا کھلاؤ'' لیکن تقاضے میں کہا کہ'' آگ جلاؤ''۔لفظوں میں آگ کا ذکر نہیں ہے اِس کو'' اقتضاء النص'' کہتے ہیں۔

اب جس وقت فرمایا:'' اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جبکہ رسول بھیجا۔''

''رسول بھیجنا'' تقاضا کرتا ہے''پیدا کرنے کا''۔اگر پیدا نہ کیا جائے تو بھیجا نہیں جا سکتا۔

تو جس نے'' بھیجنے کا احسان'' کیا ہے' اُسی نے بتلایا ہے کہ اگر میں پیدا نہ کرتا تو بھیجا کس طرح جاتا؟۔

اب'' بھیجا جانا'' حصہ ہے اُس چیز کا جس کا نام'' رسالت'' ہے۔

اسی طرح'' پیدا کیا جانا'' بھی اُسی (رسالت) کا حصہ ہے۔

تو جس نے'' رسول'' بھیجنے کا'' احسان'' جتلایا ہے' اُسی نے اصل میں'' پیدا کرنے کا احسان'' بھی جتلایا ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ۔(ابراہیم۔۵) ترجمہ:(اور اِنھیں اللہ کے دن یاد دلا)۔

اے موسیٰ علیہ السلام ان کو (اپنی قوم کو) اللہ کے دنوں کی یاد دلائیں۔

امام طبری اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ اِس سے کیا مراد ہے؟

لکھتے ہیں کہ جس دن فرعون کو اللہ نے غرق کیا' موسیٰ علیہ السلام کے لئے سمندر پھاڑا' موسیٰ علیہ السلام کو بمعہ اپنی قوم کے نجات ہوگئی۔ آپ علیہ السلام نے سمندر پار کیا' دشمن ذلیل ہوئے' دوستوں کو آزادی ملی' من وسلویٰ نازل ہوا۔ کہا "ان دنوں کی یاد مناؤ' اس کا شکریہ ادا کرو"۔

کیوں؟ کہا وہ نجات کا دن ہے' اللہ تعالیٰ کی عنایت کا دن ہے۔

میں یہ پوچھتا ہوں کہ صرف بنی اسرائیل کا فرعون سے نجات پانا بڑا دن ہے یا محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پاک کا دن سب سے بڑا دن ہے؟

کیونکہ اگر میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا تو نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوتے' نہ موسیٰ علیہ السلام کی وارداتِ زندگی ہوتی۔ یہ سارے میلادِ مصطفیٰ علیہ السلام کے محتاج ہیں۔ اس دن صرف بنی اسرائیل پر انعام ہوا' لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد والی تاریخ پوری کائنات پر انعام ہوا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) (الفوز الکبیر فی اصول علم التفسیر) ص نمبر ۱۶ میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے جو پانچ علوم لفظوں میں بیان کئے ہیں ان میں سے ایک التذکیر بایام اللہ (اللہ تعالیٰ کے دنوں کی یاد دلانا) ہے۔

"التذکیر بایام اللہ" سے کیا مراد ہے؟

اللہ کے جتنے بھی پیارے دنیا میں گزرے ہیں' جن جن دنوں میں اللہ نے اُن پر مہربانی فرمائی' اُن دنوں کا ذکر کرنا' اور اللہ کی مہربانیوں کا ذکر کرنا' ہر اللہ والے کی ڈیوٹی ہے۔ سابقہ اُمتوں میں بھی یہ بات موجود تھی' اِس اُمت میں بھی ہے۔

کس کس دن کا ذکر کرنا؟ جس جس دن میں اللہ کا انعام ہوا ہے۔

میں پوچھتا ہوں ساری کائنات میں جتنے انعامات ہوئے ہیں' اُن سب میں سے بڑا انعام کون سا ہے؟

آپ ''لیلۃ القدر'' کیوں مناتے ہیں؟ اِسی قاعدے کے مطابق مناتے ہیں کہ ''انعامات والے دنوں کی یاد مناؤ''۔ ''لیلۃ القدر'' میں قرآن مجید نازل ہونے کا ذکر ہے' منانے کا ذکر نہیں ہے۔

اِنَّا اَنزَلنٰہُ فِی لَیلَۃِ القَدرِ (القدر۔۱) بے شک ہم نے اسے شبِ قدر میں اتارا۔

اِس میں صرف قرآن مجید کے ''نازل ہونے کا ذکر'' ہے۔

''منانے'' کا نہیں ہے' مناتے کیوں ہو؟

اِسی قاعدے کے مطابق مناتے ہیں کہ:

جس دن میں اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا اُس دن کو بھی مناؤ' اُس نعمت کو بھی مناؤ۔ اُس دن کا بھی ذکر کرو اور اُس دن جو نعمتیں نازل ہوئیں ہیں اُن کا بھی ذکر کرو۔

اور اس ذکر کو پروردگارِ عالم نے دوسری اقوامِ عالم کے حوالے سے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔

لیلۃ القدر کو قرآن مجید نازل ہوا قرآن مجید بڑی دولت ہے مگر میں یہ پوچھتا ہوں کہ قرآن کی وجہ سے سرکار ﷺ آئے؟ یا سرکار ﷺ کی وجہ سے قرآن آیا؟ یقیناً سرکار ﷺ کی وجہ سے قرآن آیا ہے' تو پھر ''سب سے بڑی نعمت'' سرکار ﷺ کی ذات ہے۔

ثابت ہوا کہ باقی نعمتیں طفیلی ہیں' اصل نعمت سرکار ﷺ کی ذات پاک ہے۔

جب ''لیلۃ القدر'' منانے لگے'

تو میں راستے میں کھڑا ہو گیا کہ لیلۃ القدر منانے کا ثبوت لاؤ؟

کہا:

اِنَّا اَنزَلنٰہُ فِی لَیلَۃِ القَدرِ ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔

میں کہتا ہوں:

وہ رات تو گزر گئی جس رات کو قرآن نازل ہوا تھا' یہ رات تو ۱۴ سو برس کے بعد آئی ہے؟

کہتا ہے: جب وہ رات لوٹ کے آتی ہے تو برکتیں لوٹاتی ہے۔

میں کہتا ہوں: "اسی طرح میلادِ مصطفیٰ ﷺ ایک مرتبہ ہوا' لیکن جب وہ دن لوٹ کے آتا ہے تو برکتیں لوٹاتا ہے"۔

قرآن کی روشنی میں یہ بات اچھی طرح establish (ثابت) ہوئی کہ دنوں کے منانے کا کیا ثبوت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

ربنا انزل علینا مآئدۃ من السمآء تکون لنا عیداً لاولنا و اٰخرنا	اے رب ہمارے ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو ہمارے اگلے پچھلوں کی۔
(المائدہ۔۱۱۴)	

مولا کریم آسمان سے دسترخوان نازل فرما۔

قوم نے مطالبہ کیا اگر آپ سچے ہیں تو آسمان سے دسترخوان اُترے۔

عرض کی' مولا کریم: وہ تیرے انعام کا دن ہوگا' وہ دسترخوان تیرا انعام ہوگا۔ قوم کے پاس آئے گا قوم اُسے استعمال کرے گی لیکن ہم اسے یوں یاد رکھیں گے (عیداً لاولنا و اٰخرنا)۔ اس وقت جو موجود ہیں وہ بھی اس کو عید سمجھیں گے' اور آنے والے تیرے ماننے والے اس کو عید سمجھیں گے کہ جس دن کو انعام ہوا' اُس دن کو دہراتا ہے۔

عید کے معنی ہیں "دہرانا"۔ اُس دن کا ذکر کرتے ہیں' بار بار دہراتے ہیں۔
کیونکہ وہ خوشیاں دہراتا ہے' خوشیاں بار بار لوٹاتا ہے خوشیاں لوٹ لوٹ کے آتی ہیں۔

جس طرح خوشیاں لوٹ لوٹ کے آتی ہیں' ذکر لوٹ لوٹ کے آتا ہے۔

دسترخوان اُترا' قوم نے ایک دن روٹی کھالی' وہ قیامت تک کے لئے ان کے لئے عید بن گئی۔ میں پوچھتا ہوں کہ "دسترخوان کا اُترنا" بڑی نعمت ہے: یا

"مدینے والے کا میلاد" بڑی نعمت ہے؟

یہ بات واضح ہو گئی کہ "دن کا منانا" شرع میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔

دن لوٹ لوٹ کے آتا ہے' برکتیں لوٹاتا ہے۔

جب یہ فرمایا:

"اللہ نے مومنوں پر احسان کیا کہ ان میں رسول ﷺ بھیجا"

تو "رسول بھیجنا"۔

جس طرح کہا کہ کھانا کھلاؤ' تو آگ جلائی۔ کہا آگ کا میں نے تمہیں نہیں کہا۔

اسی طرح "بھیجنا" تقاضا کرتا ہے "پیدا کرنے کا"۔

اس لئے "پیدا کیا جانا" بھیجنے کا ہی ایک حصہ ہے۔

پس جس نے "بھیجنے کا احسان" جتلایا' اُسی نے "پیدا کرنے کا احسان" جتلایا۔

لفظوں میں "بھیجنے کا احسان" ہے لیکن تقاضوں میں "پیدا کرنے کا احسان" ہے۔

اب جب "احسان" ہونا ثابت ہو گیا تو:۔

احسان کے متعلق قرآن کا attitude (رویہ) آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

قرآن فرماتا ہے:

واما بنعمة ربك فحدث۔ (الضحیٰ۔۱۱) اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

اے پیارے! رب نے جو نعمت دی ہے' اچھی طرح سے اُس کا پرچار کرو' اُس کا خوب ذکر کرو۔

اللہ نے جتنی نعمتیں دی ہیں' کیا "میلاد النبی ﷺ" جیسی کوئی نعمت ہے؟

یقیناً "میلاد النبی ﷺ" سب سے بڑی نعمت ہے۔

احسان کا اصول یہ ہے کہ اگر میں آپ پر احسان کروں تو میں شکریہ کی توقع دوسرے ملک کے لوگوں سے نہیں کروں گا۔ جن پر احسان کرتا ہوں شکریہ کی توقع بھی انہیں سے کرتا ہوں۔

رب فرماتا ہے: اِس بارے میں میرا روئے سخن بے ایمانوں کی طرف نہیں ہے میں نے مومنوں پر احسان کیا ہے' اس لئے مومنو! تم میرے احسان کا شکریہ ادا کرو۔

جب "احسان" فرمایا:

فرمایا "اللہ کی نعمتوں کا خوب پرچار کرو"۔

اور دوسرے مقام پر قرآن مجید فرماتا ہے:

فاذکروا آلاء اللہ لعلکم تفلحون — تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا پرچار کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (اعراف۔۶۹)

معلوم ہوا "نعمت کا پرچار کرنا کامیابی کا ذریعہ ہے"۔

اس سے ثابت ہوا کہ "میلادِ مصطفیٰ ﷺ" کے تذکرے کرنا قیامت میں پروردگار عالم کی بارگاہ میں کامیاب ہو جانے کا اور دوزخ سے نجات پانے کا ذریعہ ہے۔

ہم نے تو سرکار ﷺ کے میلاد پر قرآن مجید سے پانچ آیتیں صاف طور پر بیان کر دیں ہیں۔ جو واضح کرتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے میلاد کی Legal Value (دستوری حیثیت) کیا ہے۔

اب جو میلاد شریف کو منع کرتا ہے' اُس کو کہو کہ قرآن کی کوئی آیت بیان کرے جس میں میلاد کے منع ہونے کی دلیل ہو؟۔ قرآن کی آدھی آیت بتائے' جو یہ کہے سرکار ﷺ کا میلاد مت مناؤ؟۔

جب قرآن سے آیت کو نکالنے کی کوشش کرے گا تو نکال نہیں سکے گا۔

ہم کہیں گے کہ میلاد منانے کے ہم پابند ہیں۔ کیونکہ قرآن نے (علی المؤمنین) کہا ہے۔ "ایمان والوں پر احسان ہے"۔

"بے ایمانوں" پر احسان نہیں ہے۔

☆ معترض کہتا ہے کہ آپ جو "خاص دن" مقرر کرتے ہیں' اس پر اختلاف ہے۔

اس اعتراض کا جواب:۔

کتاب الصیام، باب التطوع (نفلی روزوں کا باب) مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۸،
۱۷۹، مسلم شریف جلد اول ص ۳۵۸، ۳۵۹ اور دیگر کتب صحاح کے اندر یہ حدیث موجود ہے:۔

کہ نبی کریم ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ، آپ تو یہودیوں اور نصرانیوں کی مخالفت کا حکم دیتے ہیں، یہ تو ہم اُن کے ساتھ مطابقت کر گئے کہ وہ بھی دسویں محرم کو روزہ رکھیں، ہم بھی دسویں محرم کو روزہ رکھیں۔

اس کے بارے میں حضرت شاہ عبدالحق حجۃ الحق علی الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کے اندر اِس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ دراصل یہودیوں اور نصرانیوں کی مخالفت اُس معاملے میں ہے جس معاملے میں اُن سے خطا ہوئی تھی۔ جس معاملے میں وہ خطا کار ہیں ان کی خطا میں ان کے ساتھ موافقت نہیں کرنی۔ لیکن اگر اُنہوں نے اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانا ہو تو کیا ہم اُن کی مخالفت کریں گے؟ نہیں۔

بلکہ مخالفت اس معاملے میں کریں گے جس معاملے میں اُن سے خطا ہوئی ہے۔ اگر کسی معاملے میں اُن سے خطا نہیں ہوئی تو اُن کی مخالفت ہمیں نہیں کرنا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف یہ تھا کہ اُن کی مخالفت ہونی چاہئے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: ''اگر آنے والے سال تک میں زندہ رہا تو میں نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا''۔

یعنی مخالفت، اضافہ کر کے کروں گا، چھوڑ کے مخالفت نہیں کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے اِنعام کا شکریہ ادا کرنے کے لئے سرکار ﷺ دسویں محرم کا روزہ رکھیں۔ اب معترض کس مذہب کا ہے کہ اُمتِ مسلمہ پر جو میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا انعام ہوا ہے، اُس دن کو منانے پر اعتراض ہے؟۔

☆ معترض کہتا ہے کہ یہ تو 'دسویں محرم' کی بات ہے۔ 'بارہ ربیع الاوّل' کی بات بتائیں؟
اسی chapter (باب) میں مسلم شریف جلد اول ص ۳۶۸ پر حدیث پاک ہے:

سرکارِ دوعالم ﷺ ''سوموار کے دن روزہ'' رکھتے ہیں۔

عرض کیا گیا: "یارسول اللہ ﷺ سوموار کو کیوں روزہ رکھتے ہیں؟

فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے:

قال ذاك يومٌ ولدت فيه ويوم بعثت او انزل علی فيه	میں سوموار کو پیدا کیا گیا ہوں۔ مجھے اسی تاریخ دن مبعوث کیا گیا ہے مجھے سوموار والے دن پہلی وحی ہوئی ہے۔

نبی پاک ﷺ نے "میلاد" کا حوالہ بنا کے "دن مقرر کر کے" روزہ رکھا۔

☆ معترض کہتا ہے کہ پھر روزے رکھو۔ یہ سلام کیوں پڑھتے ہو؟

جواب:۔

اگر تمہیں صرف سلام کی مجبوری ہے تو قرآن مجید سے اس کا حوالہ دیتے ہیں:

والسّلامُ علیّ یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیا۔ (مریم۔۳۳)	اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

(اور اُس دن بھی مجھ پر سلام جس دن میرا میلاد ہوا اور اُس دن بھی مجھ پر سلام جس دن میں دنیا سے جاؤں گا اور اُس دن بھی مجھ پر سلام کہ جس دن میں اُٹھایا جاؤں گا)۔

قرآن مجید نے سلام پڑھنا بتلا دیا ہے۔

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سلام پڑھا ہے۔

اب قرآن صرف کہانیوں کی کتاب تو نہیں ہے۔

ہمارے اُصول تفسیر اُصول فقہ کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے دین نبی پاک ﷺ کی Affiliated States (ریاساتِ ملحقہ) ہیں۔ گویا اُن کے اندر دستور مدینے والے کا تھا۔ جب تک اس کو منسوخ نہ کیا جائے پہلی اُمتوں پر

بھی لاگو تھا' اِس اُمت پر بھی لاگو رہے گا۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

وسلم علیہ یوم ولد و یوم یموت ویوم یبعث حیا (مریم۔۱۵)۔

اور سلامتی ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن مردہ اٹھایا جائے گا۔

حضرت یحیٰی علیہ السلام کا ذکر کرکے فرمایا کہ اُس دن اُس پر سلام ہو جب وہ پیدا ہوا۔

تو معلوم ہوا کہ:

میلاد کے موقع پر سلام پیش کرنا یہ سنت انبیاء علیہم السلام بھی ہے' سنتِ خدا بھی ہے۔

☆ معترض کہتا ہے کہ تم سرکار ﷺ کا "یومِ میلاد" مناتے ہو تو "یوم وفات" بھی ہوئی ہے یوم وفات کیوں نہیں مناتے ہو؟۔

جواب:۔

نبی زندہ ہے یا مردہ؟ اِس پر ہم سے بات کر۔ اگر تو نبی علیہ السلام کو مردہ ثابت کر تو یوم وفات منایا کریں گے۔

لیکن میرا نبی ﷺ پہلے کے مقابلے میں زیادہ اچھی طرح سے زندہ ہے' تو پھر ماتم تو کر۔

میرے نبی ﷺ کی یوم وفات کے منانے کا کیا طریقہ ہے؟:

وسلام علیہ یوم ولد و یوم یموت ویوم یبعث حیا

نبی کا جس طرح میلاد منایا کرتا ہے' اُسی طرح اُن کے ساتھ یوم وفات بھی منایا کر۔

کہا: دنیا میں میرا آنے کا دن بھی سلامتی کا دن ہے' اُس دن بھی سلام۔ میرا دنیا

سے جانے کا بھی سلامتی کا دن ہے' اُس دن بھی سلام۔

ہمارے نبی ﷺ کا دن میلاد ہی میں منایا جاتا ہے' اس لئے کہ اُس میں بھی سلام ہے۔ اِس میں بھی سلام ہے۔

میرا نبی ﷺ زندہ ہے اور میں زندہ کا یوم وفات نہیں منانا چاہتا۔

☆ معترض کہتا ہے کہ میں قرآن سے ثابت کروں گا کہ نبی پاک ﷺ زندہ نہیں ہیں' مردہ ہیں:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ بے شک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور اُن کو بھی مرنا ہے۔ (الزمر۔۳۰)

☆ (پیارے تو بھی میت ہے وہ بھی میت ہیں۔ تو بھی مرنے والا ہے وہ بھی مرنے والے ہیں)۔

جواب:۔ ہم اسی لئے کہتے ہیں کہ Islamic Normative Sciences (اسلام کے معیاری علوم) بھی پڑھا کرو۔ کیونکہ یہ علوم اگر نہ پڑھے جائیں' تو قرآن و حدیث کے صحیح معنی سمجھ نہیں آتے۔

ہمارے بلاغی کہتے ہیں کہ تکرار نکرے کا نکرے سے آئے تو پہلے نکرے کی حقیقت اور ہوتی ہے' دوسرے نکرے کی حیثیت اور ہوتی ہے۔

یعنی Common Noun کی Common Noun سے Repetition یہ اس کی Duplication پر دلالت کرتی ہے۔ مراد یہ کہ:

وہ (پہلا نکرہ) اور ہے' یہ (دوسرا نکرہ) اور ہے۔ اُس کی حقیقت اور ہے' اِس کی حقیقت اور ہے۔

اگر سرکار ﷺ کی اور دوسرے لوگوں کی حقیقت ایک ہوتی:

تو یوں کہا جاتا:

اِنَّكَ الْمَيِّتُ وَاِنَّهُمُ الْمَيِّتُوْنَ اگر مردہ کی حقیقت دونوں کی ایک ہوتی تو اس کے ساتھ "ال" آتا۔

لیکن "ال" نہیں آیا۔ بلکہ (مَیِّتٌ) تنوین آئی ہے۔

یاد رہے کہ دو زبریں ً، دو زیریں ٍ، دو پیش ٌ اگر کسی اسم (Noun) پر آئیں تو یہ نکرہ ہونے کی علامت ہوتی ہے اور کسی اسم کے اوّل میں اگر "ال" آجائے تو وہ معرفہ بن جاتا ہے۔

قواعد کے مطابق (مَیِّت) بھی نکرہ ہے (مَیِّتُون) بھی نکرہ ہے۔

جس کا معنی یہ ہے کہ اے پیارے حبیب! موت تجھے بھی آنی ہے، موت اُنہیں (کافروں) کو بھی آنی ہے۔ لیکن اُن (کافروں) کی موت ذلت کا دن ہے، اُن کی زندگی پستی کی طرف جائے گی۔

لیکن اے پیارے! تیری موت آنی ہے کہ فقط آنی ہے۔ اور تیری موت ابدی زندگی کا ذریعہ ہے۔ تو اپنی زندگی کا ایک موڑ مڑے گا، زندہ جاوید رہے گا۔

قرآن کی آیات سے سارے حقائق واضح ہوئے کہ:

"دن منانا چاہئے"۔

کیوں منانا چاہئے؟

کہ یہ پروردگار کا احسان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دن بھی، سرکار ﷺ نے منایا۔ اپنا دن بھی منایا۔

اور جگہ جگہ ذکر کیا کہ "سوموار کا روزہ رکھو، میں بھی سوموار کو روزہ رکھتا ہوں کہ میں اسی دن پیدا کیا گیا ہوں اور اسی دن میں مبعوث کیا گیا ہوں"۔

قرآن کی متعدد آیات اور احادیث نبویہ سے یہ بھی Establish (ثابت) کر دیا کہ ایک تو نبی پاک ﷺ کے میلاد کا دن بڑی نعمتوں اور برکتوں کا دن ہے۔

نعمتوں اور برکتوں کا ثابت ہونا، یہ منانے کا تقاضا کرتا ہے۔

اس پر میں نے قرآن سے Precedents (نظائر) بھی پیش کر دیئے اور احادیث سے بھی پیش کر دیئے کہ اس طرح دن منایا گیا ہے۔

اب نبی پاک ﷺ کے میلاد پاک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی (المواہب اللدنیہ جلد اوّل) کے اندر یہ بات موجود ہے۔حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: صبح کے وقت میں دیکھتی ہوں کہ مشرق کے جانور مغرب کے جانوروں کو اور مغرب والے مشرق والوں کو ایک دوسرے کی گردنوں میں گردنیں ڈال کر مبارک باد کہتے ہیں۔ کہتے ہیں' مبارک ہو' وہ آ گیا جو ہمارے حقوق دلائے گا۔

اگر جانور نبی پاک ﷺ کے میلاد پاک کی خوشی منائیں'

اور تُو آدمی ہو کر میلاد نہ منا سکے؟

حضرت سیدہ فرماتی ہیں نبی پاک ﷺ کے میرے بطن اطہر میں آنے کے بعد مجھے درخت اور پتھر سلام کرتے۔

پتھر اور درخت نبی پاک ﷺ کے میلاد پاک کے موقع پر تعلق محسوس کریں۔

اور تو کلمہ پڑھ کے نہ کرے۔تو کس قسم کا انسان ہے کس طرح کا مسلمان ہے؟

جناب سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جوں جوں وقت قریب آتا جاتا ہے' میں مناظر دیکھتی ہوں کہ میرے مکان کے گرداگرد ملائکہ کی آمد ورفت ہوتی ہے۔حورانِ بہشتی کی آمد ورفت ہوتی ہے اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کے میرے مکان کی طرف آتے ہیں۔

سارے نوری اِدھر آئیں، شیطان اُدھر جائے۔

اِس کی بناوٹ کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا تجھ کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجہ نور کا

جناب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تین عورتیں آئیں' میرے پاس آ کے کھڑی ہوئیں۔دیکھنے کو اس طرح لگ رہی تھیں جس طرح خاندان عبد مناف کی بڑی بڑی دراز قد عورتیں ہیں۔میں نے پوچھا کون ہو؟ کہنے لگیں: آسیہ علیہا السلام' مریم علیہا السلام۔ہاجرہ علیہا السلام۔

ان تینوں نے چونکہ انبیاء علیہم السلام کے میلاد دیکھے ہوئے تھے۔

فرمایا: آج میرے محبوب کے میلاد کا دن ہے' آکے دیکھو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی عظمت و شان کی شہادت خود دینا پڑی تھی۔

لیکن اے محبوب! تو چپ رہ۔ آج پوری کائنات تیری برات بن کے آ رہی ہے۔

او ستارو! ڈھلک کے قریب آ جاؤ۔ میرے محبوب کے میلاد میں تم بھی شامل ہو جاؤ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرمایا "تو خود بات کر"۔

جب محبوب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باری آئی' خود بات کرنے کی ضرورت نہیں۔

پھر کون بات کرے گا؟

فرمایا: ستارے بات کریں گے۔

کس کی زبان سے بات کریں گے؟

آسمانی ستارے ڈھلک کے قریب آ گئے۔

جناب سیدہ شفا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد ہو رہا ہے' نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا وقت ہے' رات بیت رہی ہے' صبح آ رہی ہے۔ او مسلمان! بڑی خوبصورت بناوٹ ہے۔

جو کبھی غلامی کی بات تھی' ذلتوں کی شب دیجور تھی' وہ اب کٹ رہی ہے۔

کامیابی کی صبح تجھ پر طلوع ہونے والی ہے۔

(نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا میلاد طلوع فجر کے وقت ہوا)۔

موٹے موٹے ستارے جو صبح کے وقت نمودار ہوتے ہیں' ایک امام بن کے آگے آگے دو چھوٹے ستارے پیچھے پیچھے ہیں' اُدھر سے اس کی نمود ہوتی ہے اِدھر سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوتا ہے اور ستارے ڈھلک کے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے گردا

گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

حضرت مائی شفا علیہا السلام کہتی ہیں' میں ڈر کے مارے دبک کے بیٹھ گئی' کہیں مجھ پر ہی نہ گر جائیں۔ اندر جاتی ہوں تو اندر نور ہی نور' باہر آتی ہوں تو باہر نور۔ حیرت میں ہوں کہ کہوں کیا؟

نور اندر نور باہر کوچہ کوچہ نور ہے

بلکہ یوں کہیے کہ سب دنیا کی دنیا نور ہے

اے بہارو! اِس وقت کہیں چھپی بیٹھی ہو' قحط سالی ہے۔

اور ملک میں کہیں کوئی پتی' پنکھڑی' کوئی سبزہ دیکھنے میں نہیں آتا۔

اب میرے محبوب کے میلاد کا وقت ہو آیا ہے'

بہارو! میرے یار کا قدم زمین پر لگتے ہی پورے جوبنوں پر کھلکھلا کے دکھلاؤ! نہیں تو قیامت تک بہاروں کو ضبط کرلیا جائے گا۔

بہار کو آئندہ کھلکھلانے کا' پھول کو آئندہ مسکرانے کا' بلبل کو آئندہ چہچہانے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ آج موقع ہے' میرے یار کے میلاد کا۔ پھولو مہک کے دکھلاؤ۔

اے بہارو' اپنے جوبنوں کو دکھلاؤ۔ میرے محبوب کے آنے کا وقت ہے' جس نے دنیا میں آئندہ عزت کے ساتھ رہنا ہے' میرے محبوب کی آمد کے موقع پر سلامی پیش کرے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''مدارج النبوت شریف'' کے اندر لکھتے ہیں:
شہنشاہِ ایران کے محل کے چودہ مینار گرے۔ جتنے مینار گرے' آئندہ اس میں سے اتنے حکمران بنے۔ کہتے ہیں کیا ہی اچھا ہوتا سارا محل مدینے والے کے میلاد پر گر جاتا قیامت تک کے لئے اقتدار پائیدار ہو جاتا۔

جتنے گرے اتنے اُبھرے۔ جو گر نہیں سکے وہ اُبھر نہیں سکے۔

او بہارو! اپنی جوبنوں پر آجاؤ۔

او کعبہ! تو کس طرح میرے محبوب کا میلاد منائے گا؟

عرض کی: مولا کریم میرے شمال مشرقی کونے سے سرکار ﷺ کا مولد شریف 200 گز (تقریباً) کے فاصلے پر اونچائی پر واقع ہے' میں کیا کروں؟

فرمایا: ایک مرتبہ جھک کے دکھلا دے۔ پوری دنیا تیری طرف منہ کر کے جھکی ہوئی ہو' اور تو میلاد مصطفیٰ ﷺ کے موقع پر' سرکار ﷺ کے حجرے کی طرف منہ کر کے جھکا ہوا ہو' دنیا پر واضح ہو جائے ساری دنیا تیری طرف جھکے اور تو مدینے والے کی طرف جھکتا ہے۔

کعبہ تو کعبہ' اندر جو بت رکھے ہوئے تھے دھڑام دھڑام سے گرے۔ اِدھر سرکار ﷺ اپنے حجرہ طیبہ میں قدم رکھتے ہیں' اُدھر بت دھڑام دھڑام گرتے ہیں۔

دورِ حاضر کا دانشور کہہ رہا ہے کہ نبی ﷺ کو دیوار کے پیچھے کا پتا نہیں ہوتا۔ تو جو بت کعبہ کے اندر ہیں' اُن کو کیسے پتا چلا کہ 200 گز کے فاصلے پر ایک مکان ہے' اُس کے اندر مدینے والا آیا ہے؟ اِدھر کعبہ کی دیوار ہے' اُدھر سرکار ﷺ کے حجرے کی دیوار ہے' تو یہ دو دیواریں پھلانگ کے تمہارا علم اندر کس طرح جا رہا ہے؟

معبودانِ باطلہ کہتے ہیں: ارے جھوٹے اس بات کو سمجھ۔ ہم جھوٹے ہی سہی لیکن مدینے والے کی بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہمیں پتا ہے کہ وہ آیا ہے اور ہم جھک کر دکھلاتے ہیں۔

اگر بت کدے سرکار ﷺ کے میلاد کے موقع پر جھک کے سرکار ﷺ کو سلامی پیش کریں۔......تو......جو کلمہ پڑھ کے نہ پیش کر سکے' تو اُس نے کیا کلمہ پڑھا ہے؟

میں نے مستند طریقوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کی بعثت کے تقاضوں میں "میلاد" شامل ہے۔ اور اِس کو پروردگارِ عالم نے "انعام" فرمایا ہے۔

جس کو انعام فرمایا' اُس کے بارے میں فرمایا: واَمّا بنعمۃ ربک فحدث

اور دن کے نام سے منانے کا Order (حکم) ان الفاظ میں فرمایا:

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ۔ (ابراہیم۔۵)

علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے "البرھان فی علوم القرآن" میں "خواتیم آیات" (آیات کا اختتام) کے حوالے سے بڑا حسین لکھا ہے۔ کہ آیت کا سارا خلاصہ آیت کے خاتمے کے اندر آ جاتا ہے۔

اِنَّ فی ذالك لآیٰتٍ لِکُلِّ صَبَّارٍ شکور — بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے شکر گزار کو۔ (ابراھیم۔۵)

فرمایا کہ دنوں کے منانے میں بہت ساری نشانیاں ہیں۔

لیکن کن کے لئے ہیں؟...... جو صبر کرنے والے ہیں۔

معلوم ہوا: جب دن مناؤ گے تو لوگ ملامت کریں گے' تو اس وقت صرف صبر کی ضرورت ہے۔ ہمت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کریں۔

اور دوسرا (شکور) جو شکر گزار ہیں' اُن کے لئے نشانیاں ہیں۔

یعنی جن کو یہ معلوم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے' ہم نے اُس کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ ......ناشکروں کے لئے یہ کوئی وصیت نہیں ہے۔......رب فرماتا ہے: ناشکرا شیطان ہے۔..........اور شیطان کا ٹھکانا جہنم ہے۔...... معلوم ہوا:

اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار نہ ہونا' یہ اصل میں جہنم میں جانے کا راستہ ہے۔

پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ میرے دنوں کی یاد منانا' اس میں صبر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ بڑے شکر گزار ہیں۔

اور ایک مقام پر یہ فرما دیا:

وذکروا الاءِ اللّٰہ لعلکم تفلحون — اللہ کی نعمتوں کی یادیں مناؤ تا کہ فلاح پاؤ۔

تو ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد منانا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دنوں کی یاد منانا: سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد والا دن' اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے ہے۔ اور اِس کو عید سمجھنا:

ربنا انزل علینا مآئدۃ من السمآء تکون لنا عیدا لاولنا و اٰخرنا
اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو ہمارے اگلے پچھلوں کی۔ (المائدہ۔۱۱۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ثابت ہوگیا کہ جو اللہ کی نعمتوں کے نزول کے دن ہیں' اُن کو عید سمجھنا۔ یہ منشاء خدا ہے اور منشاء انبیا ہے۔

سب سے بڑی نعمت حضور ﷺ کی ذات ہے۔

اس لئے لوگ ''عید میلاد النبی ﷺ'' کہتے ہیں۔

☆ معترض کہتا ہے کہ مسلمانوں کی صرف 2 عیدیں (عید الفطر) اور (عید الضحیٰ) ثابت ہیں' یہ ''عید میلاد النبی ﷺ'' کہاں سے ثابت ہے؟

جواب:۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ مشکوٰۃ شریف کے اندر موجود ہے کہ: جمعہ مومنوں کے لئے عید ہے۔ 52 جمعے سال میں آتے ہیں۔ مومنوں کی سال میں 52 عیدیں بنتی ہیں۔ اب معلوم نہیں معترض کس جگہ کا مسلمان ہے کہ تیرے ہاں صرف دو ہی عیدیں ہیں؟۔

اور ''جمعہ والی عید'' کی بنیاد کے متعلق امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''المواہب اللدنیہ شریف'' کے اندر لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اندر روح پھونکی گئی جمعہ والے دن۔ جس کو ''ساعت جمعہ'' کہا جاتا ہے۔

اس ساعت میں کوئی دعا کرو' جائز اور ممکن ہو' خدا تعالیٰ اس دعا کو رد نہیں کرتا۔

کیوں نہیں رد کرتا؟

کیونکہ وہ میلاد النبی کا وقت ہے۔...... میلاد آدم کے وقت کی دعا کو اللہ تعالیٰ نہ ٹالے........... تو سید الانبیاء ﷺ کے میلاد کے وقت کی گئی دعا کو ٹالے؟ ...... جمعہ کے دن عید کی بنیاد ایک مرتبہ بنتی ہے' .... تو نبی پاک ﷺ کے میلاد کو عید کہنا یہ لاکھ مرتبہ بنتا ہے۔

جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تصورِ بدعت

علامہ محمد رضا الدین صدیقی نظامی

انسانیت جہالت و بداعمالیوں کے حصار میں مقید تھی عرفان و آگہی کے تمام راستے شیطنت و گمراہی کے دبیز اندھیروں کی لپیٹ میں تھے، کہ فاران کی وادیوں سے اک مہر ابد تاب طلوع ہوا۔ اس آفتاب رشد و ہدایت کی روشن وتاباں کرنیں ظلمتوں کا جگر چاک کرتی ہوئی چار سو پھیل گئیں۔ حقیقت کا روئے دلنواز بے نقاب ہوگیا ایصال الی المطلوب کے سارے دریچے کھل گئے اور منزل جاناں کے متلاشی حریم ناز میں باریاب ہونے لگے یہ کتنی بڑی سعادت تھی، کتنی بڑی نعمت تھی۔ اتنی بڑی کہ خود خالق کائنات کس انداز میں اس کی اہمیت کا احساس دلا رہے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ (الجمعه)

وہی اللہ ہے جس نے مبعوث فرمایا امتیوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب و حکمت اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

سو جنہوں نے اس نعمت اور فضل عظیم کی اہمیت کو سمجھا انہوں نے اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا اور اس نعمت کی یاد دلوں میں تازہ رکھنے کی خاطر ذکر میلاد رسول علیہ التحیۃ والثناء پر مداومت اختیار کی اور وہ یہ اہتمام کیوں نہ کرتے؟ کہ ان کے پروردگار حقیقی نے

خود حکم دیا تھا۔

قل بفضل الله وبرحمة فبذا لك فليفرحوا هو فيه مما يجمعون

(اے حبیب) آپ فرمایئے کہ یہ کتاب محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوتی ہے۔ پس چاہیئے کہ اس پر خوشی منائیں یہ بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔

حقیقت شناس اس بات کا ادراک کر گئے کہ رحمۃ للعالمین اور صاحب فضل عظیم کی تشریف آوری سے بڑھ کر ان کے حق میں اور کون سی نعمت ہو سکتی ہے کہ جس کے تصدق میں کتاب مبین عطاء ہوئی۔ لیکن کچھ ذہن تھے کہ تذبذب شعار تھے اسیر ظن وتخمین تھے انہیں یہ گمان گزرا کہ محفل میلاد النبی ﷺ کا اہتمام بدعت ہے یہ تو دینی روایات میں رخنہ اندازی کا سبب ہے اس کے جواز میں تو قرآن وسنت سے کوئی دلیل ہی میسر نہیں۔ آیئے اس امر کا یہاں جائزہ لیتے ہیں۔

بدعت کسے کہتے ہیں

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی لغوی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

البدعة لغة ماكان مخترعا على غير مثال سابق و منه بديع السموت والارض اى موجدهما على غير مثال سابق (فتح المبين)

لغت میں بدعت اس نئے کام کو کہتے ہیں جس کی پہلے سے کوئی مثال موجود نہ ہو۔

قرآن مقدس میں ارشاد باری ہے۔

بديع السموت والارض

یعنی زمین و آسمان کو بغیر کسی سابقہ مثال کے خلعت وجود عطا فرمانے والا۔

اصطلاح میں شریعت میں علماء نے بدعت کی تعریف یوں کی ہے۔

"کہ ہر وہ کام جس کی اصل قرآن وسنت میں موجود نہ ہو اور اسے ضروریات دین میں شمار کر لیا جائے۔"

رسول اکرم ﷺ نے ایک اور موقعہ پر اس کی وضاحت یوں فرمائی۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھورد — یعنی جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ مردود ہے۔

اس حدیث میں ہر بات پر عمل سے منع نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ:

مالیس منہ — جو دین سے نہیں۔

کی شرط لگادی کہ جو دین سے نہ ہو وہ مردود ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے مفہوم کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

"انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کر لیا جائے۔" (فیصلہ ہفت مسئلہ)

شارح بخاری حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔

ترجمہ: "وہ نئے امور جو کتاب وسنت یا اثر واجماع کے منافی ومخالف ہوں بدعت ضلالت ہیں، اور جو اچھے امور کتاب وسنت کے مخالف نہ ہوں، بدعت ضلالت نہیں بلکہ محدثات محمودہ ہیں۔ (قسطلانی جلد اول صفحہ ۳۰۲)

فرمان رسول ﷺ اور تشریحات علماء اسلام سے واضح ہوگیا کہ ہر نیا کام قابل مذمت نہیں بلکہ وہ مردود ہے جو دین سے نہ ہو، یعنی کتاب وسنت یا اثر واجماع سے اس کا تعلق نہ ہو۔

بدعت مذموم کیوں ہے؟

اسلام انسانیت کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے آخری شریعت ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اب اگر ہر کس و ناکس کو اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنی مرضی سے دین کے نام پر جو چاہے کرتا پھرے تو دین بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا دین اس لئے نہیں ہے کہ ہم اس کے ذریعے سے اپنی ہر جائز اور ناجائز آرزو کا مداوا کرتے رہیں بلکہ دین تو اس لئے ہے کہ ہماری زندگی اور ہماری تمناؤں میں اک نظم پیدا ہو اور ہم اپنی خواہشات کو ایک ضابطے کا پابند بنا دیں۔ اسی حقیقت کے پیش نظر ہادی عالم ﷺ نے بہت پہلے ہی خبردار فرما دیا تھا۔

فانه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة خلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ واياكم محدثات الامور كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة

پس جو شخص میرے بعد زندہ رہا (امت کے درمیان) بڑی کثرت سے اختلافات دیکھے گا سو تمہارے لئے میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت (کی اتباع) ضروری ہے۔ اسے مضبوطی سے (ہاتھوں میں) تھامے رہو اور دانتوں میں سختی سے دبائے رکھو اور نو ظہور شدہ امور سے اجتناب کرو کہ ہر نئی بات بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

کیا ہر نیا کام مذموم ہی ہوگا؟

اس مقام اشتباہ پر یہ الجھن تو لازماً پیدا ہوگی کہ زمانہ تغیر پذیر ہے انسان کو نئے نئے حالات سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ آخر اس دگرگوں اور سیماب صفت زمانے کو ایک ہی وضع قطع اور ایک ہی رفتار اور ایک ہی ڈھب پر برقرار رکھنا کیسے ممکن ہے؟ اور یہ سوال کوئی صدیوں بعد نہیں اٹھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی رحلت مبارک کے معا بعد ہی ایک ایسا

مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا کہ جس کے الہامی حل نے فکر و تدبر کی بہت سی شاہراہوں کو منور و درخشاں کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد ہمایوں میں حضور اکرم ﷺ کے غلاموں نے مسیلمہ کذاب (مدعی نبوت) کی بیخ کنی کے لئے عمل جہاد بلند کیا۔ جنگ یمامہ کے موقع پر سات سو حفاظ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہادت کے جام بلوریں سے سیراب ہوئے۔ اگرچہ یہ بڑی سعادت کی بات تھی لیکن فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ جن کا سینہ مہبط الہام ربانی تھا اور جن کا نطق ترجمان مزاج قرآنی تھا۔ کہ توجہ اس طرف مبذول ہوئی کہ اگر حفاظ کرام اسی رفتار سے سرخرو شہادت ہوتے رہے تو عین ممکن ہے کہ قرآن کی محافظت دشوار ہو جائے۔ آپ یہ خیال آتے ہی بارگاہ صدیقی میں باریاب ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ اے خلیفۃ الرسول اگر حفاظ صحابہ کرام تواتر سے منصب شہادت پر فائز ہو رہے ہیں کل ایسا نہ ہو کہ قرآن کی حفاظت ہمارے لئے ایک مسئلہ بن جائے اس لئے میری رائے تو یہ ہے کہ قرآن کو ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (کہ فنا فی الرسول تھے) استفسار کناں ہوئے۔

كيف تفعل مالهم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم	اے عمر! آپ ایسا کام کس طرح کر سکتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے سرانجام نہیں دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے خلیفہ رسول بجا ہے کہ ہمارے آقا و حضور ﷺ نے اپنی حیات تقدس مآب میں یہ نہیں کیا۔ لیکن اللہ رب العزت کی قسم اس میں خیر ہی خیر ہے ہمیں یہ کام کر گزرنا چاہئے۔

آپ کے شدید اصرار پر جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مزید غور فرمایا تو ان کے سامنے اس تجویز کے بے شمار روشن پہلو ہویدا ہو گئے اور بے ساختہ پکار اٹھے۔

اے عمر! اللہ تیری قبر کو اپنے انوار و تجلیات سے معمور کر دے تیری گفتگو نے تو

میرا سینہ منور کر دیا ہے۔

المختصر آقائے صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت انصاری کو اس فریضہ کی بجا آوری کا حکم دیا انہیں بھی کچھ تذبذب ہوا لیکن آخر کار امتثال امر پر مجبور ہونا پڑا (تفصیل کے لئے صحیح بخاری شریف) اس طرح حضور ﷺ کی امت آج تک اسی قرآن مبین سے فیض یاب کہ جو حامل قرآن کے قلب منیر پر نازل ہوا تھا۔

اس واقعہ کے بیان سے اس جانب اشارہ مقصود تھا کہ نئے مسائل کا ظہور ایک لابدی چیز تھا حضور ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کے ابتدائی تذبذب اور بعدازیں تعامل نے ایک واضح راستہ دکھا دیا اور اس مثال کی روشنی میں جب اہل فکر و تدبر و تحقیق کے طرف مائل ہوئے تو انہیں احادیث مبارکہ کے ذخیرے ہی سے ہدایت و آگہی کا سامان میسر آ گیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث مبارکہ ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فعمل بہ بعدہ کتب لہ مثل اجر من عمل بہا ولاینقص من اجورھم شیء

(صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اور اس کے بعد بھی اس پر عمل کیا گیا تو جتنے لوگ بھی اس سنت حسنہ پر عمل پیرا ہوں گے۔ ان کا ثواب اس ابتداء کرنے والے شخص کے نامہ اعمال میں بھی درج ہوگا اور عاملین کے اپنے ثواب میں بھی کوئی نقص واقع نہ ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کسی نے اسلام میں کسی امر قبیح کو رواج دیا تو وہ اس پر عمل پیرا ہونے والوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے گا۔ اور ان کے پیروکاروں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔

گویا آپ ﷺ نے خود ہی "کل بدعۃ ضلالۃ" سے سیئہ حسنہ کو خارج فرما دیا۔

اس طرح آپ نے شریعت اسلامیہ کو ایک عمومی مزاج بھی عطا فرمایا ارشاد ہو رہا ہے۔

ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسنا وما راہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیحا	جس کام کو اکثر امت مسلمہ اچھا سمجھے وہ عند اللہ بھی حسن ہے اور جسے اکثر مسلمان قبیح تصور کریں وہ عند اللہ بھی قبیح ہے۔

اسی طرح اجماع امت کی مزید اہمیت واضح فرما دیا۔

لاریب مری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی اگر تمہیں کوئی اختلاف دکھائی دے تو سواد اعظم کی اتباع کرو۔ (سنن ابن ماجہ)

اباحۃ کسی دلیل کی مقتضی نہیں ہوتی!

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دانش نورانی پر قربان جائیے کہ آپ نے ایسے اصول بخش دیئے ہیں کہ شریعت اسلامیہ ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے۔

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ الحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو عفالکم (ترمذی، ابن ماجہ)	حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب مقدس میں حلال ٹھہرا دیا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب مقدس میں حرام گردانا اور جن اشیاء کے بارے میں سکوت ہے تو وہ تمہارے لئے معاف ہیں۔

ان تابناک ہدایات کی وجہ سے شریعت اسلامیہ کا یہ معروف و متفقہ اصول ہے کہ:

الاصل فی الاشیاء اباحۃ	ہر شے کی اصل اباحۃ ہے۔

اس مختصر سی گفتگو سے یہ بات بے غبار ہو گئی کہ "نئی بات" وہ مذموم ٹھہرے گی

جو دین کے عمومی مزاج اور اس کے احکام کے لئے مضرت کا باعث ہو۔ اگر حالات کے تحت کچھ ایسے اقدامات تجویز کئے جائیں کہ جن سے شریعت اسلامیہ پر کوئی حرف نہ آئے دین کی بنیادیں کمزور نہ ہوں بلکہ مضبوط و مستحکم ہوں۔ اصولوں کی خلاف ورزی نہ ہو بلکہ احکامات پر عمل میں آسانی ہو جائے تو ایسے امور و اقدامات مذموم نہیں ہیں۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ محمود ہوں اور محمود بھی ایسے کہ ان کاموں میں اول ہر نئے عامل کے ساتھ حسنات و برکات سے برور ہوتا ہے۔ (سبحان اللہ یہ ہے شان رحمۃ للعالمین ﷺ)۔

علماء کی درخشندہ تصریحات

علماء اسلام نے ہم جیسے مبتدی حضرات کو ذہنی پراگندی اور اندیشہ و اضطراب سے بچانے کے لئے بدعت کی کچھ اس طرح سے تقسیم کر دی ہے کہ اب کسی خلجان کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ (الا یہ کہ کسی کو ضد کی بے جا عادت ہو)۔

بدعت کی اقسام

(۱) بدعت واجبہ

وہ کام جو کلیۃً تو وضع جدید رکھتا ہو لیکن اس کے وجود کے بغیر دین میں حرج واقع ہو جیسے جمع و تدوین قرآن آیات مبارکہ پر اعراب۔ عربی زبان کے قواعد کی تدوین۔ اصول تفسیر، اصول حدیث، اصول فقہ مدارس وغیرہ کی تعمیر۔

اب اگر ان تمام اہم امور کو بدعت کہہ کر ترک کر دیا جائے تو پھر کیا ہوگا۔ یہ بیان کرنے کی احتیاج نہیں۔

(۲) بدعت مندوبہ

وہ نیا کام جو نہ تو شرعاً واجب ہے اور نہ ہی ممنوع لیکن عام مسلمان اسے ثواب سمجھ کر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ مثلاً میلاد و سیرت کے اجتماعات، محافل ذکر اولیاء (عرس) دینی کتب کی طباعت و اشاعت کے لئے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال وغیرہ۔

(۳) بدعت مباحہ

وہ نیا کام جس کے کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو اور نہ ہی کرنے والے اسے کار ثواب سمجھیں مثلاً نئے نئے مشروبات و ماکولات سے لذت کام و دہن کا مداوا کسی خاص علاقے کا مروجہ لباس۔

(۴) بدعت محرمہ

وہ نیا کام جس سے دین میں ضرر و نقصان کا اندیشہ ہو اور اس پر عمل کرنے سے سنن یا واجبات پر عمل میں نقص واقع ہو۔ مثلاً نئے نئے فرقوں کا ظہور۔

(۵) بدعت مکروہ

ایسا نیا کام جس سے سنن موکدہ وغیرہ کی ادائیگی رک جائے۔

الحمد للہ! مذکورہ بالا گفتگو سے بدعت کی مدحت، مذمت اور اباحت کے بہت سے گوشہ سامنے آئے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا مروجہ محفل میلاد مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کی کوئی اصل شرعی موجود ہے یا نہیں؟

قرآن وحدیث میں ذکر آمد رسول ﷺ

محافل میلاد میں حضور نبی رحمت ﷺ کے سوختہ ساماں آپ کے نور مقدس کی تخلیق آپ کی اس خاکدان گیتی میں تشریف آوری کے تذکرے ہی تو کرتے ہیں کیا احادیث کی کتابوں میں نور محمدی کے تذکرے موجود نہیں ہیں۔ کیا صاحب نشر الطیب نے نور محمدی کے بارے کئی احادیث ذکر نہیں کی ہیں؟ جب قرآن دُعائے خلیل کا تذکرہ چھیڑتا ہے تو کیا ہی بانداز مگر نبی محترم کی عظمت کی فضیلت کا بیان نہیں ہے۔ مسیحا نے اتنے اچھوتے اور بلیغ انداز میں بھلا کسی کی ولادت کی نوید سنائی تھی۔ اب بتایئے تو سہی کیا قرآن نے ایک ایک کر کے ان ذلتوں اور پستیوں کا تذکرہ نہیں کیا جو آقا حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ساری دنیا پر مسلط تھیں کیا قرآن نے اس نعمت کو یاد کرنے کا حکم نہیں دیا جس کے ظہور سے پہلے ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن تھا پھر اس رحمت تمام

کے صدقے میں ان کے متنفر قلوب قریب سے قریب تر ہوئے اور اخوت و مودت کی زنجیروں میں بندھ گئے۔ اور ذرا غور تو کرو کہ وہ کون سا فضل ہے اور وہ کون سی رحمت کہ جس پر فرحت و انبساط کے اظہار کا حکم دیا جا رہا ہے۔ کیا حضور ﷺ کے میلاد خواں اسی حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔

ہاں ایک اور بات کی وضاحت بھی درکار ہے کیا حضور اکرم ﷺ کے عہد سعادت مآب میں صحابہ کرام سرکار کی محبت سرائی اور ولادت کے جاں فزا نغمات نہیں چھیڑا کرتے تھے۔ کیا ادب و بلاغت کے نوشتوں میں زمزمہ حسان کی شیرنی کا کوئی جواب آج بھی میسر ہے۔

واجمل منك لم ترقط عيني واحسن منك لم تلد النساء
خلقت مبراء منِ كُلِ عيب كانك قد خلقت كما تشاء

حضور گرامی مرتبت ﷺ کے زمانہ قدس میں منعقد ہونے والی ایک محفل ذکر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ بھی سنئے۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنه انه كان يحدث ذات يوم فی بيته وقائع ولادت لقوم فيستبشرون ويحمدون اللّٰه تعالٰی ويصلون عليه الصلوٰة والسلام فاذا جاء النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال حلت لكم شفاعتی

(رسول الكلام من كلام سيد الانام فی بيان المولد والقيام)

حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک روز وہ اپنے کاشانہ اقدس میں لوگوں کے سامنے حضور اکرم واطہر ﷺ کی ولادت پاک کے واقعات بیان کر رہے لوگ فرحت و مسرت کا اظہار کر رہے تھے اللہ رب العزت کی حمد بیان کر رہے تھے (کہ اس نے یہ نعمت کبریٰ عطاء کی اور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں درود بھیج رہے تھے)۔ اچانک حضور اکرم ﷺ تشریف لے آئے اور ارشاد فرمایا میری شفاعت تم لوگوں کے لئے حلال ہوگئی۔

ایک اور ایمان و محبت افروز واقعہ سماعت فرمائیے۔

حضرت ابو درداؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور نبی رحمت ﷺ کی نورانی معیت میں حضرت عامر الانصاریؓ کی قیام گاہ کی طرف سے گزر ہوا ہم نے دیکھا وہ اپنے عزیز و اقرباء اولاد کو سرکار دوجہاں ﷺ کی ولادت باسعادت کے واقعات سنا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ تقدس مآب دن یہی تھا (یعنی پیر کا دن) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رحمت کے (بے شمار) دریچے وا کر دیئے ہیں اور (آسمان بالا کے) تمام فرشتے تمہارے لئے مغفرت کی دُعائیں کر رہے ہیں (صرف تم ہی نہیں) جو شخص بھی تمہاری اس روش پر عمل پیرا ہوگا اسے تم جیسے اجر و ثواب کا مستحق گردانا جائے گا۔ (اللہ اکبر) (حوالہ ایضاً)

اس قدر کون محبت کا صلہ دیتا ہے اس کا بندہ ہوں جو بندے کو خدا دیتا ہے

اور ہاں ذرا چشم تصور سے دیکھئے کہ وداع کی گھاٹیوں سے ایک چاند طلوع ہو رہا ہے کتنے ہی تابندہ ستارے اس کے گرد حلقہ بنائے ہوئے آہستہ آہستہ مدینہ کی جانب محو خرام ہیں۔ بنونجار کے مکانوں کی چھتوں پر غنچہ ہائے نو دیدہ کا ہجوم ہے۔ یہ ننھی منھی معصوم بچیاں کہ جن کی فرحت و مسرت اور معصومیت پر فرشتوں کا تقدس نثار ہو رہا ہے کتنے شیریں و دلنواز لہجے میں کتنا پیارا مدھر گیت گنگنا رہی ہیں۔

طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع

واجب الشکر علینا مادعی للہ داعی

الغرض کہ میلاد مصطفیٰ علیہ اطیب الثناء کی مروجہ صورت کے جتنے بھی اجزاء ہیں ان کی اصل قرآن وحدیث میں موجود ملتی ہے۔ گویا کہ یہ عمل اپنی اصل اور نفس موضوع کے اعتبار سے مسنون و مندوب ہے اور اپنی ہیئت کے اعتبار مباح ہے اور اباحتیں کسی دلیل کی متقضی نہیں ہوا کرتیں اور جب قرآن وحدیث سے جواز کی صورتیں میسر آجاتی ہیں تو پھر نہ جانے وہ کون سی "مصلحتیں" ہیں جس کی بنا پر یہ محمود و مستحسن امر بھی بدعت ضلالہ

دکھائی دیتا ہے جس کا سلسلہ صدر اول سے اب تک جاری ہے۔ ہاں ہر زمانہ میں ذکر ولادت رسول ﷺ کے انداز اپنے اپنے رہے ہیں اور اس خوشی و مسرت کے اظہار کے طور طریقے حالات واقعات افراد اور علاقوں کی مناسبت سے مختلف ضرور رہے ہیں۔

اہل اسلام کا دائمی معمول

عالم اسلام کے عظیم و جلیل محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت سنئے۔

أهل الحرمين الشريفين والمصر والشام والسائر بلاد العرب من المشرق والمغرب يحتفلون بمجلس مولد النبي صلى الله عليه وسلم ويفرحون ويحدوم هلال شهر ربيع الاوّل ويهتمون اهتما مابليغا على السمآء القرأة لمولد النبي صلى الله عليه وسلم دينالون بذلك اجزا جزيلا دفوزا عظيما ٥

اہل مکہ و مدینہ اہل مصر و شام اور تمام عالم اسلام (مشرق تا مغرب) ہمیشہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سعیدہ کے موقع پر محافل میلاد کا انعقاد کرتے چلے آرہے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہتمام آپ کی ولادت کے تذکرے کا ہوتا ہے۔ اور مسلمان محافل کے انعقاد سے اجر عظیم اور عظیم الشان روحانی فتوحات سے ہم کنار ہوتے ہیں۔

(الميلاد النبی)

شاید علامہ ابن تیمیہ کی گواہی سے کچھ دل پسیج جائے۔

متعظيم المولد استخاذه موسما قد يفعله الناس ويكون له فيه اجر عظيم لحسن قصده وتعظيمه لرسول الله صلى الله عليه وسلم كما قدمته لك انه يحسن من بعض الناس ما يستقبح من المؤمن المسدد

(اقتضاء الصراط المستقيم)

اگر محفل میلاد کے انعقاد کا مقصد تعظیم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے تو اس کے کرنے والے کے لئے اجر عظیم ہے۔ جس طرح میں نے پہلے بیان کیا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ مسلمان ممالک میں محافل میلاد کے انعقاد میں سوائے تعظیم آنجناب اور محبت رسول ﷺ کے اور کوئی بھی مقصد

پیش نظر نہیں ہو سکتا۔

ایک عجیب منطق

فی زمانہ بہت سے اجتماعات شب و روز منعقد ہوتے ہیں مثلاً سیرت کانفرنس، علمی سیمینار، دینی جماعتوں کے جلسہ، جلوس سے کہ اس انداز سے یہ سب کچھ عہد رسالت پناہ ﷺ میں نہیں ہوتا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں شرعی جواز صرف محافل میلاد یا ایام بزرگان دین ہی کا طلب کیا جاتا ہے؟

وہی دلائل جو میلاد و عرس کے جواز میں رد کر دیئے جاتے ہیں اپنے اجتماعات کے جواز میں فوراً قبول کر لیتے ہیں۔

پہلے جناب شیخ نے دیکھا ادھر ادھر پھر سر جھکا کر داخل میخانہ ہو گئے

احباب اہل سنت کی خدمت میں

الحمد للہ کہ اہل سنت کو سواد اعظم ہونے کا شرف حاصل ہے ان کے اعمال و اطوار میں صدیوں کی روایات کا ایک مقدس و متبرک تسلسل ہے۔ انہیں کے دم سے اسلاف کے معمولات حمیدہ زندہ و سلامت ہیں۔ اہل سنت پر ان دیرینہ و تابندہ روایات کی محافظت کا بارگراں ہے۔ آپ کسی جہالت زدہ شخص کو ہرگز یہ موقع نہ دیں کہ وہ میلاد و عرس جیسے متبرک اجتماعات کو اپنے مذموم مقاصد اور ہوائے نفس کے لئے استعمال کرے۔ ان محافل کا تقدس ادب، احترام اور پاکیزگی بہرصورت برقرار رہنی چاہئے یاد رکھئے بے سروپا حکایتوں، موضوع، رواتیوں اور مذموم بدعتوں سے اہل سنت کا نہ پہلے کوئی تعلق تھا اور نہ اب ہے بلکہ ان کی بیخ کنی ہمارے فرائض میں شامل ہے۔

آؤ کہ ذکر حسن شہ بحر و بر کریں جلوے بکھیر دیں شب غم کی سحر کریں

مل کر بیان محاسن خیر البشر کریں عشق نبی ﷺ کی آگ کو کچھ تیز تر کریں

ظہورِ قدسی کی برکات

ملک محبوب الرسول قادری

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغامِ صبا تیرا

ظہور قدسی تخلیق کائنات کا باعث اور مومنین پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے اور ظہور قدسی کا موقع اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نہایت محبوب اور پسندیدہ ہے اسے اللہ تعالیٰ نے تمام زمانوں سے افضل و محترم مقام عطا کیا اس حوالے سے آٹھویں صدی ہجری کے عظیم بزرگ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "جنی الجنتین فی فضل اللیلتین" میں اس مبارک رات کی فضیلت و افضلیت کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ "شب ولادت رسول اللہ ﷺ (۱۲ ربیع الاول) لیلۃ القدر سے افضل ہے۔ اس پر بیس (۲۰) دلائل و براہین ملاحظہ ہوں۔

۱۔ شرف، علو اور رفعت کا نام ہے اور یہ دونوں چیزیں اضافی ہیں تو ہر رات کی خصوصیت اس میں پائے جانے والے شرف کے باعث ہوتی ہے۔ ولیلة المولد شرف بولادة خیر خلق اللہ تو لیلۃ المیلاد کو تمام مخلوق سے بہتر ذات ﷺ کی ولادت سے شرف نصیب ہوا۔ اس اعتبار سے یہ تمام راتوں سے افضل قرار پائی۔

۲۔ لیلۃ المیلاد آپ ﷺ کے ظہور کی رات ہے اور لیلۃ القدر آپ ﷺ کو عطا کی گئی تو ظاہر ہے آپ ﷺ کو ملنے والی رات سے آپ ﷺ کی ذات اقدس کے ظہور کی رات افضل ہے۔

۳۔ لیلۃ المیلاد میں ظہور فرمانے والی ہستی کو اللہ کریم نے جو بے حد عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں لیلۃ القدر ان نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہونے کے سبب لیلۃ القدر دوسری عام راتوں سے افضل قرار

پائی تو جس رات کو آپ ﷺ کے وجود مبارک سے شرف مطلق و کامل حاصل ہو وہ یقیناً لیلۃ القدر سے افضل ہے۔

۴۔ لیلۃ القدر کو اپنے اندر پائی جانے والی خصوصیات (مثلاً نزول قرآن) کے سبب فضیلت حاصل ہے اور وہ راجح قول کے مطابق آئندہ سال آنے والی رات میں وہ پہلو موجود نہیں لیکن لیلۃ المیلاد کو ایسی ہستی ﷺ کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے تاقیامت جس کے انور سے ہر فرد مستفید ہو رہا ہے۔

۵۔ لیلۃ القدر کو ملائکہ کے نزول سے فضیلت حاصل ہے لیکن لیلۃ المیلاد کو ظہور نبوی ﷺ سے فضیلت حاصل ہے تو جس ہستی سے لیلۃ المیلاد کو شرف مل رہا ہے وہ لیلۃ القدر کو شرف دینے والی تمام چیزوں سے افضل ہے لہٰذا لیلۃ المیلاد لیلۃ القدر سے افضل ہے۔

۶۔ فضل زائد کو افضیلت کہا جاتا ہے اگرچہ یہ دونوں راتیں فضل میں نزول ملائکہ کی وجہ سے مشترک ہیں لیکن خیر الخلق ﷺ کے ظہور کی وجہ سے لیلۃ میلاد کو فضل زائد حاصل ہے۔

۷۔ لیلۃ القدر کو جیسا کہ ذکر ہو چکا کہ نزول ملائکہ کے سبب فضیلت حاصل ہے وہ یوں کہ وہ محل اعلیٰ سے زمین کی طرف منتقل ہوتے ہیں لیکن لیلۃ المیلاد میں حضور ﷺ اپنے ظہور مبارک اور وجود مقدس کے ساتھ جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ ظہور نبوی ہی یقیناً برتری اور فضیلت کا باعث ہے۔

۸۔ لیلۃ القدر میں عمل کرنے والوں کے سبب اس کو فضیلت حاصل ہے لیکن ان تمام عاملین کو جمع بھی کر دیا جائے تو وہ اس ہستی کے برابر نہیں ہو سکتے جس کے سبب لیلۃ المیلاد کو فضیلت حاصل ہوئی اور نہ ہی ان کے اعمال حضور ﷺ کے کسی عمل کے برابر ہو سکتے ہیں اگرچہ آپ ﷺ نے کوئی بھی عمل لیلۃ القدر کے علاوہ کسی بھی وقت کیا ہے۔

۹۔ لیلۃ القدر کو افضیلت اس لئے ہے کہ یہ امت محمدیہ کو بطور انعام عطا فرمائی گئی لیکن لیلۃ المیلاد میں ایسی ہستی ﷺ کی ولادت ہے کہ جس کی وجہ سے امت کو یہ فضیلت حاصل ہے۔

۱۰۔ لیلۃ القدر کی فضیلت صرف امت محمدیہ کو حاصل ہے حالانکہ لیلۃ المولد کی وجہ سے ساری کائنات کو فضیلت حاصل ہوئی ہے۔ اسی رات میں ایسی ذات ﷺ آئی جس کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا۔

۱۱۔ لیلۃ المیلاد سال کی دیگر راتوں پر ولادت نبوی ﷺ کی وجہ سے افضل ہے کیونکہ اسے لیلۃ مولد النبی ﷺ (حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کی رات) اور لیلۃ القدر کو شرف کی وجہ سے یہ نام دیا گیا جو نسبت خاص لیلۃ میلاد کو حاصل ہے اس طرح کی شرف والی نسبت لیلۃ القدر کو ہرگز حاصل نہیں یعنی لیلۃ المیلاد کو ایسا خصوصی شرف حاصل ہے جو لیلۃ القدر کو حاصل نہیں۔

۱۲۔ لیلۃ القدر کا فائدہ صرف اس میں عمل کرنے والے کو ہی حاصل ہوتا ہے تو اس کا نفع اتنا وسیع نہیں جبکہ لیلۃ المیلاد کا نفع ہر ایک کو حاصل ہے اور جو عام ہو وہ یقیناً دوسرے سے افضل ہے۔

۱۳۔ لیلۃ القدر کی فضیلت کے بارے میں کچھ اختلاف بھی موجود ہے کہ اس کی فضیلت ختم ہو چکی ہے یا باقی ہے (کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ لیلۃ القدر کو اٹھا لیا گیا تھا) لیکن لیلۃ المیلاد کا شرف باقی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

۱۴۔ چونکہ لیلۃ المیلاد میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی اس لیے اسے آپ ﷺ سے خصوصی نسبت ہوئی لہٰذا وہ دیگر تمام اوقات اور زمانوں پر افضل قرار پائے گی جیسا کہ حضور ﷺ کا روضہ اطہر دیگر تمام مقامات سے آپ ﷺ کی نسبت حاصل ہونے کے سبب افضل ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے لہٰذا جو وقت اور زمانہ آپ ﷺ کی ولادت کے لئے متعین کیا گیا وہ تمام اوقات سے افضل

ٹھہرا۔

۱۵۔ لیلۃ القدر آپ ﷺ کے ظہور کی فرع ہے اور فرع اپنے اصل کی قوت کا مقابلہ کہاں کرسکتی ہے؟

۱۶۔ لیلۃ المیلاد میں اللہ تعالیٰ کا فیضان ہر وجود کو عام نصیب ہوا اور ہر شے کے وجود کو آپ ﷺ کے وجودِ مبارک کے ساتھ اتصال کی نسبت مل گئی اور یہ چیز صرف اسی رات کا امتیاز ہے جو لیلۃ القدر کو حاصل نہیں۔

۱۷۔ لیلۃ المولد میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مبارک وجود کے ان اسرار کا اظہار فرمایا جن کے ساتھ سعادت آخروی متعلق ہے حقائق آشکار ہو گئے حق باطل سے ممتاز و ممیز ہو گیا۔ انوار سعادت اور ہدایت کے راستے روشن ہو گئے جنتی اور جہنمی گروہ الگ الگ ہو گئے۔ دین سر بلند ہوا اور کفر حقیر ٹھہرا۔ اس طرح کے غیر محدود اسرار الٰہیہ کا اس رات ظہور ہوا اور یہ بات کسی اور رات کے حصہ میں نہیں آئی جس میں لیلۃ القدر بھی شامل ہے۔

۱۸۔ اگر لیلۃ المیلاد لیلۃ القدر سے افضل نہ ہو تو درج ذیل امور میں سے کوئی ایک شے لازم آئے گی۔

(الف) ملائکہ کا حضور ﷺ سے افضل ہونا۔ (ب) اس میں اور دیگر راتوں میں عمل کا برابر ہونا (ج) لیلۃ القدر میں کیے گئے عمل کا بڑھ جانا۔

۱۹۔ مولد والی ساعت تمام زمانوں اور اوقات پر افضل ہے۔ جب لیلۃ المیلاد کا ایک حصہ لیلۃ القدر سے افضل ہے تو یہ تمام رات لیلۃ القدر سے کیوں افضل نہ ہو۔

۲۰۔ تمام اوقات سے افضل وقت، ولادت نبوی ﷺ کا مبارک وقت ہے اور لیلۃ القدر کو اس وقت میں سے کوئی حصہ حاصل نہیں گویا لیلۃ القدر سب سے افضل نہیں جبکہ یہ افضل ترین وقت ...... لیلۃ المیلاد ...... کو حاصل ہے لہٰذا اس بنیاد پر

بھی ......لیلۃ المیلاد...... ہی لیلۃ القدر سے افضل ہے۔" (ترجمہ از محقق العصر مولانا مفتی محمد خان قادری)

سبحان اللہ! یہ تو مبارک شب ولادت کی برکات ہیں اور ۱۲ ربیع الاول کو جس مقدس ہستی کی ولادت ہوئی اس کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کے خزانوں کی چابیاں عطا فرما دیں۔ ایسی محفل میلاد کے بارے میں حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دُعا کرتے تھے کہ "اے اللہ! میرا کوئی بھی عمل ایسا نہیں جسے آپ کے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں۔ میرے تمام اعمال فسادِ نیت کا شکار ہیں۔ البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل محض آپ ہی کی عنایت سے اس قابل (اور لائق التفات) ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلسِ میلاد کے موقعہ پر کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی و انکساری، محبت و خلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا ہوں۔ اے اللہ! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلاد پاک سے بڑھ کر تیری طرف سے خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لئے اے ارحم الراحمین! مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود و سلام پڑھے اور اس کے ذریعے سے دُعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہوگی۔ (اخبار الاخیار، ۶۲۴، مطبوعہ کراچی)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ "میرے نزدیک میلاد کے لیے اجتماع، تلاوتِ قرآن، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مختلف واقعات اور ولادت کے موقعہ پر ظاہر ہونے والی علامات کا تذکرہ ان مستحسن امور میں سے ہے جن پر ثواب مترتب ہوتا ہے کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر خوشی کا اظہار ہے۔ (حسن المقصد فی عمل المولد فی الحاوی للفتاوی، ۱:۱۸۹، محفل میلاد از مفتی محمد خان قادری: ۱۰۴) مشہور حدیث کے مطابق حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر مامور تھے ایک شب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرور ہو کر ارشاد فرمایا: سل (مانگو)۔ انہوں نے عرض کیا بفقلت اسالک مرافقتک فی الجنۃ (میں جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت مانگتا ہوں)۔ ارشاد فرمایا: اور بھی کچھ مانگ لو! عرض کیا۔ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم بس یہی بہت

کافی ہے۔" اس پر ارشاد فرمایا: "کثرت سجود کے ساتھ اپنی ذات کے حوالے سے میری مدد کرو۔" (مسلم)

اس حدیث پر معروف غیر مقلد عالم دین نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے لکھا ہے کہ "حضور ﷺ نے فرمایا مانگو! اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی جو خیر چاہتے ہو مانگ لو، آپ ﷺ کے فرمان مطلق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی مخصوص شے کے ساتھ مقید نہیں کیونکہ تمام معاملہ آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ میں ہے۔ عطا کریں جس کو جتنا چاہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔" برکۃ المصطفیٰ فی الھند شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "حضور ﷺ کے خصائص اور فضائل سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام خزانوں کی کنجیاں حضور ﷺ کو دیں اور آپ ﷺ کے سپرد کی گئیں اس (حدیث) کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ فارس اور روم کے بادشاہوں کے خزانے صحابہ کے ہاتھ آئے اور اس کا باطنی مطلب یہ ہے کہ اس سے تمام عالم (جہان کی) ہر جنس کے خزانے مراد ہیں اس طرح کہ سب کا رزق حضور ﷺ کے طاقتور ہاتھ کے سپرد کیا اور ظاہر و باطن کی تربیت کی قوت حضور ﷺ کو عطا کی جیسا کہ مفاتح غیب علم الٰہی کے دست قدرت میں ہے (جس کے لیے چاہے کھولے چاہے نہ کھولے) ان مفاتح غیب کو (ذاتی طور پر) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا (اسی طرح) رزق کے خزانوں کی کنجیاں اور اس کی تقسیم سید کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں رکھ دی گئیں حضور ﷺ کا ارشاد ہے میں ہی (ہر شے) تقسیم فرماتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی (ہر شے) عطا فرماتا ہے۔"

فطرت میں ان کی چارہ گری انتہا کی ہے تاثیر ان کے کوچہ میں خاکِ شفا کی ہے

(اشرف میاں برکاتی، انڈیا)

اس وقت ظلم، جبر، ناانصافی، بہتان تراشی، الزام طرازی کی پورے معاشرے پر یلغار ہے ایسی ایسی افواہیں پھیلا دی جاتی ہیں کہ انسان کے وہم و گمان میں بھی کچھ نہیں ہوتا۔ محض غلط فہمی کی بناء پر یا اپنے من پسند اعتقادی تسلط کے قائم کرنے کی غرض سے قسم

قسم کے فتویٰ جڑ دیئے جاتے ہیں عقیدے اور عقیدت پر خشت زنی معمول بنا لیا جاتا ہے حالانکہ ان ظالموں کو یہ معلوم نہیں کہ کفر اور گمراہی کے فتوے اگر بے بنیاد ہوں تو واپس لوٹتے ہیں ایسے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض گزار ہوں۔

اک طرف اعدائے دیں ایک طرف ہیں حاسدین
بندہ ہے تنہا شہا، تم پر کروڑوں درود

پوری ملت و امت جس گرداب میں پھنستی جارہی ہے اور صیہونی و صلیبی اور سامراجی قوتیں باہم منصوبہ بندی کے ساتھ امت مسلمہ پر چڑھ دوڑے ہیں اور مسلم ممالک کی شامت آگئی ہے ایسے میں ضروری ہے کہ جشنِ میلاد کے موقع پر آیئے مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں استغاثہ عرض کریں۔

ہمیں بھی یا رسول اللہ شعور بندگی دے دو — دلِ تاریک کو کچھ اپنے گھر کی روشنی دے دو
سلوک وقت کا مارا ہوا اب کس طرف جائے؟ — اسے بھی اپنے شہرِ امن کی کوئی گلی دے دو
سلیقہ مانگنے کا ہم گنواروں میں کہاں آقا؟ — بس اتنی مانگتے ہیں بھیک میں اپنی خوشی دے دو

جامع مسجد حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا
زیرِ تعمیر ہے

زیرِ اہتمام
انجمن ضیائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (رجسٹرڈ)

زیرِ سرپرستی
حضرت علامہ قاری غلام رسول قصوری صاحب
خطیب جامع مسجد ھذا
بانی ادارہ حنفیہ غوثیہ

اپیل
عوام کی دیرینہ ضرورت اور پُرزور مطالبہ پر مسجد زیرِ تعمیر ہے
اور اب مزید ساڑھے 6 مرلہ کا معاملہ طے ہو چکا ہے اور
31 لاکھ روپے ادا کرنا باقی ہیں
مخیر حضرات سے تعاون کی اپیل ہے
اکاؤنٹ نمبر 3350-8 الائیڈ بینک اعوان ٹاؤن

منجانب
انتظامیہ زیرِ تعمیر جامع مسجد حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا
ادارہ حنفیہ غوثیہ حسن ٹاؤن نزد مین گیٹ اعوان ٹاؤن ملتان روڈ لاہور
0300-8099824
4570695/8880501

دینی وعصری تعلیمات کا مثالی ادارہ

جامعہ قادریہ تعلیم القرآن (ٹرسٹ)

JAMIA QADRIA

Model Colony No. 2,
Walton Road, Lahore Cantt.

ذیلی ادارے

- قادریہ لائبریری
- قادریہ دستکاری سکول
- قادریہ سکول سسٹم
- قادریہ ویلفیئر سوسائٹی
- قادریہ بلڈ ڈونر
- قادریہ کمپیوٹر سنٹر
- قادریہ ریسرچ سیل
- قادریہ انفارمیشن سیل
- قادریہ فری ڈسپنسری
- بزمِ قادریہ

ماڈل کالونی نمبر۲ والٹن روڈ لاہور کینٹ 042-5820942 0333-4278367

پوری ملت اسلامیہ کو

جشنِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ

مبارک ہو

آزاد کشمیر کی سرزمین پر انوار و تجلیات کی بارش

عرس

مرکز انوار ربانیہ سلطان اولیاء منبع الفیوض والبرکات

الملقب حضرت المخدوم السید علی بن عثمان الہجویری

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

سالانہ ختم شریف مائی صاحبہ والدہ ماجدہ الحاج محمد طفیل احمد قادری و برادران

ختم شریف حضرت الحاج بابا فتح محمد قادری ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

بمقام

آستانہ عالیہ ہجویریہ رینٹھہ شریف بھیال کھوئی رٹہ آزاد کشمیر

ہر سال باقاعدگی سے تزک و احتشام اور عقیدت و احترام کیساتھ منعقد کیا جاتا ہے

دل کی انگلیوں سے لکھی جانے والی

ایمان افروز دینی کتب توقیر سادات

کشف الحقائق ، سبیل ہجویری مع تذکرہ سرکار پیری ، سبیل رحمت

سمیت متعدد کتابوں کے مصنف

پیکر علم و عمل

حضرت علامہ الحاج پیر محمد طفیل احمد قادری ہجویری صاحب

سرپرست بزم ہجویریہ برطانیہ

رینٹھہ شریف آزاد کشمیر

رسول اللہ ﷺ کا مقدس عہد شباب

جلال محمود چشتی ایم اے (علیگ)

جوانی اور پھر عرب کی جوانی، طوفان دربغل زمانہ ہوتا تھا۔ جوانی دیوانی مشہور ہے۔ لیکن رسول کریم ﷺ کی جوانی ہوائے مشکبار کا ایک جھونکا اور آفتاب سعادت کی ایک کرن تھی۔ آپ جوان تھے مگر صالح تھے۔ شباب کی امنگوں سے آپ کا سینہ بھی لبریز تھا لیکن شرافت و سعادت کے تقاضے آپ ﷺ کی فطرت میں تھے۔ عرب کے نوجوان میخواری، بادہ نوشی، قمار بازی، زناکاری، فحش گوئی، افسانہ طرازی، جنگ و جدل اور شاعری میں مصروف و مست رہتے تھے اور آپ ﷺ غور و فکر، تجارت و کاروبار اور امن وصلح کے پیکر تھے۔ حضرت ابوطالب کو آپ ﷺ سے بہت محبت تھی لیکن وہ کثیر العمال تھے اس لئے آپ ﷺ کی تربیت کی طرف جتنی توجہ مبذول کرنی چاہیئے تھی مبذول نہ کی جاسکی اور بالآخر آپ ﷺ کا استاد ورہبر اگر کوئی بن سکا تو وہ صرف صحیفہ قدرت تھا۔ خدائے قدوس نے آپ ﷺ کو ایک مفکر دماغ عطا کیا تھا۔ سوچنے کی عادت دی تھی چشم بصیرت وا ہو چکی تھی۔ رسوم بد اور عرب کی لغو اور مشرکانہ صفات و خصائل سے آپ ﷺ کو قطعی نفرت تھی اور آپ ﷺ کی فطرت سلیم آپ ﷺ کو کبھی اس طرف متوجہ نہ ہونے دیتی تھی۔

رسولِ کریم ﷺ کی خصائل حمیدہ

آپ ﷺ کی عادت تھی کہ ہر چیز پر غور فرماتے اور اس کے نتائج پر فکر فرماتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدائے عزوجل کی قدرت کاملہ و تامہ آپ ﷺ کی تربیت و تہذیب میں بے شک تھی۔ مگر بادی النظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کو سلیم فطرت اور صحیح ذوق عطا ہوا تھا اس لئے ظاہری تعلیم و تربیت نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی خداداد ذہانت آپ ﷺ کو نتائج کی تہہ تک پہنچا دیتی تھی اور عواقب امور پر

آپ ﷺ کی نظر جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے ذمائم اخلاق اور مشرکانہ رسوم کے نتائج کا اندازہ اپنی ذہانت سے کر لیا تھا اس لئے آپ ﷺ از خود اپنا دامن اخلاق ذمائم سے بچاتے رہے اور اس پر کوئی داغ نہ آنے دیا، جھوٹ، فریب، ظاہر داری، کبر و رعونت، بغض و حسد، فحش کاری اور لڑائی جھگڑوں سے مجتنب رہے اور کبھی ان ہنگاموں کے قریب بھی نہ گئے جو اخلاق و انسانیت کے لئے جراثیم ہلاکت سے کسی طرح کم نہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دنائتِ اخلاق کا کوئی دھبہ آپ ﷺ کے سفید دامن پر نہ پڑنے پایا اور آپ ﷺ کی جوانی، پاکبازی اور صداقت و شرافت کا مظہر رہی، کردار نہایت شریف، عادات نہایت ستودہ اور خصائل نہایت پاکیزہ ہو گئے۔ قلب مبارک ہمدردی کے جذبات کا مرز بنا ہوا تھا۔ کسی کی مصیبت و ایذا کو دیکھ نہ سکتے تھے اور کسی کے درد کی ہر تڑپ اور کسی کی تکلیف کی ہر کراہ آپ ﷺ کو بے چین کر دیتی تھی، کیونکہ آپ ﷺ میں غم خواری و ہمدردی اور دلسوزی و شیفتگی، رحم و مروت، سیر چشمی و فیاضی، حمایت حق اور مخالفتِ باطل، درگزر و خدمت اور کرم درافت کے بے پناہ احساسات پیدا ہو گئے تھے۔ صدق و دیانت اور پاس وفا کی خوبیاں آپ ﷺ کے اخلاق کا زیور تھیں اور حیاء و پاکدامنی آپ ﷺ کا شعارِ عمل بن گئی تھی۔

غریبوں اور ضعیفوں کے غمگسار

غریبوں کی غمگساری، فلک زدوں کی اعانت، یتیموں کی امداد، بیواؤں کی خدمت، بے کسوں کی دستگیری، بے چاروں کی مدد فرمائی، بیواؤں کی خبر گیری اور درد مندوں کی دادرسی، صداقت، قول وراستی عمل آپ ﷺ کا شیوہ بن گیا۔ یہی وجہ تھی کہ دنیا بھر کی اخلاقی گندگیوں اور غلاظت میں ملوث مشرکین عرب بھی آپ ﷺ کو وقعت و احترام کی نظروں سے دیکھنے لگے اور آپ کی شرافت و عظمت کی سارے مکہ میں عام شہرت ہو گئی۔

قیامِ امن کی مجلس

عرب میں خانہ جنگیوں اور باہمی لڑائیوں کے طوفان برپا تھے، ہر طرف بغض و

عداوت کی آندھیاں اٹھ رہی تھیں اور فتنہ دامن سوزی کے سیلاب اُمڈے چلے آرہے تھے اور کوئی صورت اور کوئی چارہ کار اس تباہی عمل کے انسداد کا نہ تھا۔ آپ ﷺ دیکھتے تھے اور کبیدہ خاطر ہوتے تھے، آخر اس کی ایک تدبیر سوچی اور ایک مجلس میں اکثر قبائل کے سرداروں، قوم کے معززین اور صاحب فہم بزرگوں کو جمع کیا۔ ان کے سامنے ملک کی بدحالی، قوم کی تباہی، وطن کی بدامنی کا خوفناک نقشہ مؤثر ترین انداز میں پیش کیا۔ غرباء پر زبردستوں کے مظالم و شدائد، مسافروں پر ڈاکوؤں اور رہزنوں کی دستبرداری اور راستوں کی عدم بدامنی کے نقصانات واضح کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ مکرمہ میں قیام امن اور نگرانی حقوق کے لئے ایک انجمن قائم ہوگئی۔ بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم میں اس میں شریک ہوئے۔ اس انجمن میں جو مزید ممبر داخل ہوتے گئے اُن سے یہ عہد و اقرار کرایا گیا۔

ہم ملک کی بدامنی دور کرنے کے لئے ہر امکانی سعی کریں گے۔ ہم مسافروں اور راہ گیروں کی حفاظت کریں گے۔ ہم زبردستوں کو زبردستیوں پر ظلم کرنے سے روکیں گے۔ نبوت کا تاج فرقِ مقدس پر آراستہ ہوجانے کے بعد بھی آپ ﷺ اس انجمن کا ذکر خاص ذوق و شغف کے ساتھ کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے "اگر آج بھی کوئی ایسی انجمن بے غرضی کے ساتھ قائم کرے اور مجھے دعوت شرکت دے تو میں سب سے پہلے اس کی شرکت و امداد کے لئے تیار ہو جاؤں گا۔" مفہوم

اس انجمن نے ظلمت کدہ عرب میں امید کی ایک کرن پیدا کر دی تھی اور فی الواقع بنی نوع انسان کے لئے تحفظ جان و مال اور قیام امن کے لئے اس انجمن نے بہت کچھ کیا۔

کعبۂ مقدس کی تعمیر

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات جوانی میں وطن اور قوم کی بہتری کے لئے کیسے مستودہ جذبات کی حامل تھی سرورِ کائنات ﷺ کی عمر ابھی تھوڑی تھی

کہ جب قریش نے کعبہ شریف کی از سرِ نو تعمیر کا عزم کیا۔ کیونکہ اس کی دیواریں سیلاب کے صدمہ سے پھٹ گئی تھی کعبہ مقدس اس وقت بھی مشرکین مکہ میں احترام و تقدس کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے تمام قبائل نے اس میں شرکت کی اور اس شرکت کو بڑا افتخار سمجھا۔ تعمیر تو سب کی امداد و عانت سے مکمل و ختم ہو گئی لیکن جب حجر اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو باہم دگر ایک طوفان اختلاف برپا ہو گیا اس لئے کہ ہر قبیلہ کی خواہش اور آرزو یہی تھی کہ یہ مقدس کام اس کے ہاتھوں انجام پائے۔ چار روز تک یہی جھگڑا ہوتا رہا اور قریب تھا کہ تلواریں میانوں سے نکل کر تڑپنے لگیں اور خون کی ندیاں بہہ جائیں کہ ایک معمر شخص ابوامیہ بن مغیرہ نے کھڑے ہو کر کہا کسی کو ثالث بنا لیا جائے اور سب اس کے فیصلہ پر عمل کریں۔ اس رائے سے سب نے اتفاق ظاہر کیا اور یہ قرار پایا کہ اس وقت کے بعد جو کوئی سب سے پہلے حرم پاک میں آئے وہی "حَکَم" سمجھا جائے۔ بظاہر بالکل اتفاقی امر تھا کہ رسول کریم ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر نظر پڑتے ہی سب طرف سے اطمینان و مسرت کا شور بلند ہوا۔ ھذا الامین رضیناہ کے نعرے لگنے لگے۔ امین آ گئے ہم سب ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔

معاملہ بے حد نازک تھا، فیصلہ کیا جائے تو کیا کیا جائے اور یہ شرف کس کو دیا جائے لیکن اس موقع پر آپ ﷺ نے نہایت فرزانگی، معاملہ فہمی اور عواقب بینی سے کام لیا اور وہ فیصلہ کیا کہ اس وقت تو خیر وہ موقع ہی تھا، آج بھی اس فیصلہ پر غور کر کے بڑے بڑے فضلا حیران اور انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی عقل و دانائی کی تعریف و توصیف پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے گوارہ نہ کیا کہ تنہا اس شرف سے بہرہ مند ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو دعویدار قبائل ہیں ان میں سے ایک ایک سردار منتخب کر لیا جائے۔ (مفہوم) اس انتخاب کے بعد آپ ﷺ نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اس چادر پر رکھ دیا اور سرداروں سے کہا کہ وہ سب مل کر چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر اٹھائیں جب چادر نصب کرنے کے موقع پر برابر آ گئی تو آپ ﷺ نے حجر اسود اٹھا کر نصب فرمایا۔ آپ ﷺ کی حسن تدبیر سے ایک شدید جنگ رک

گئی اور عرب ایک بڑی مصیبت سے بچ گیا۔

شغلِ تجارت

آپ سن چکے ہیں حضرت ابوطالب کثیر العیال تھے اور ان کی زندگی عسرت میں بسر ہوتی تھی اسی لئے آپ ﷺ نے سرگرمی کے ساتھ تجارت کی طرف توجہ شروع کر دی تھی اور آپ ﷺ کو بھی خود شفیق چچا کے ایماء سے یہی صورت بہتر نظر آئی تھی۔ چونکہ آپ ﷺ حسن معاملہ اور صدق وامانت میں مشہور ہو گئے تھے مگر سرمایہ پاس نہ تھا اس لئے منافع میں شرکت کے اصول پر آپ ﷺ نے کاروبار شروع کیا اور لوگ خوشی سے آپ ﷺ کو اس طرح شریک تجارت کرنے لگے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے شام اور یمن کے سفر کئے۔ مکہ کے بہت سے مالدار تاجروں کا مال لے کر آپ ﷺ عرب کے دور دراز مقامات پر تشریف لے جاتے تھے اور کاروبار کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس قابلیت اور ذہانت کے ساتھ کاروباری فرائض انجام دیئے کہ ہر طرف دھوم مچ گئی۔ آپ ﷺ کے دست مبارک سے بکثرت مال فروخت ہوا اور گرانقدر نفع ملا جو آپ ﷺ کے ساتھ شرکت کرتا تھا کثیر نفع حاصل کرتا تھا۔ حسن معاملہ، پاس عہد اور کاروباری قابلیت کی بدولت آپ ﷺ نے تجارت میں اتنی ترقی کی کہ اگر آپ ﷺ کی توجہ اس طرف مبذول رہتی تو ایک وقت آتا کہ آپ ﷺ مکہ کے دولت مند تاجروں میں شمار ہوتے لیکن اللہ جل جلالہٗ کو آپ ﷺ سے اہم ترین کام لینے تھے اس لئے آپ ﷺ کی توجہات دوسری طرف مرکوز ہونی شروع ہو گئیں۔

شادی

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوہ تھیں۔ چالیس سال کی عمر تھی۔ نہایت شریف النفس تھیں اور پاکیزہ اخلاق ہونے کے ساتھ بہت دولت مند تھیں ان کا کاروبار دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے جب ان کا سامانِ تجارت روانہ ہوتا تھا تو صرف ان کا سامانِ تجارت ہی تمام قریش کے سامانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ ان کے

کان میں جو آپ ﷺ کی شہرت پہنچی تو انہوں نے کہلا بھیجا۔ آپ ﷺ میرا مال تجارت لے کر جائیں تو میں جو معاوضہ اوروں کو دیتی ہوں اس سے دوچند آپ ﷺ کو دوں گی۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی کہ آپ ﷺ مکہ معظمہ کی سب سے بڑی تجارتی فرم کے کمیشن ایجنٹ مقرر ہو گئے اور مال لے کر بصریٰ تشریف لے گئے۔

عرب میں یہ عام رواج تھا کہ عورتوں کو بالغہ ہوں یا نابالغہ ہوں اپنی شادی کے متعلق بات چیت کرنے کا کامل اختیار تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے سفر سے واپس ہونے کے تین ماہ بعد آپ ﷺ کو شادی کا پیغام دے دیا ان کے والد کا تو انتقال ہو چکا تھا۔ صرف چچا عمرو بن اسد زندہ تھے اور انہوں نے خود ہی تمام مراحل کئے۔ تمام رؤسا خاندان کو جمع کیا اور پانچ سو طلائی درہم مہر پر نکاح کر لیا۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ میاں بیوی میں زندگی بھر بے حد محبت رہی۔

رسول کریم ﷺ کی عمر اس وقت پچیس سال کی تھی۔ اُم المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے دو شوہروں سے دو صاحبزادے اور ایک صاحب زادی تھیں اور رسول کریم ﷺ کے جس قدر بھی اولاد ہوئی۔ بجز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کے بطن سے ہوئی۔

مراسم شرک سے احتراز

آپ ﷺ منصب نبوت پر فائز ہونے سے پیشتر بھی تمام شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے۔ ایک دفعہ قریش آپ ﷺ کے لئے کھانا لائے اور آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔ کھانے میں ان جانوروں کا گوشت تھا جو کسی بت کے نام پر ذبح کئے گئے تھے۔ آپ ﷺ کو قدرتاً اس سے نفرت و کراہت پیدا ہوئی اور آپ ﷺ نے اسے کھانے سے انکار کر دیا۔ خدائے قدوس نے آپ ﷺ کو عقل مآل اندیش عطا فرمائی تھی۔ آپ ﷺ دیکھتے تھے کہ لوگ خود ہی بتوں کو تراشتے ہیں اور خود ہی وہ انہیں پوجتے ہیں اور غور فرماتے تھے کہ پوجنا تو اسے چاہیئے جس نے تمام کائنات اور مخلوق کو پیدا کیا ہے اس لئے

آپ ﷺ نے اعلانِ نبوت سے پہلے ہی بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی اور اپنے حلقۂ احباب میں ان لوگوں کو جن پر آپ ﷺ کو کلی اعتماد تھا اس سے منع فرمایا کرتے تھے، باطل پرستوں میں بھی حق پرستوں کا وجود ہمیشہ موجود رہا ہے۔اس کلیہ سے یہ عہد تاریخ بھی مستثنیٰ نہیں تھا اور بعثتِ نبوی ﷺ سے پہلے عرب میں عرفانِ رب کی روشنی کس قدر پھیلنی شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ روایت ہے کہ عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحارث، زید بن عمر، القیس بن ساعدہ اور ورقہ بن نوفل نے بت پرستی سے انکار کر دیا تھا۔ ان لوگوں سے آپ ﷺ کی دوستی تھی اور آپ ﷺ سے یہ لوگ ملتے جلتے رہتے تھے۔

حلقۂ احباب

نبوت سے پہلے آپ ﷺ کے جتنے بھی احباب تھے سب کے اخلاق نہایت پاکیزہ تھے، ان کی عادات نہایت پسندیدہ تھیں اور مکہ معظمہ میں انھیں بے حد عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا۔ان میں سے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امتیازی مرتبہ رکھتے تھے۔نبوت سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ برسوں آپ کے شریک صحبت اور دوست رہے تھے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچیرے بھائی جناب حکیم بن حزام جو قریش کے ایک معزز رئیس تھے اُن کا شمار بھی آپ ﷺ کے احباب خاص میں ہوتا تھا۔حرم کا منصب رفادہ انہی کے ہاتھ میں تھا۔دارالندوہ کے متولی بھی یہی تھے۔

ضماد بن ثعلبہ ازدی دورِ جہالت میں حرامی کا پیشہ کرتے تھے یہ بھی آپ ﷺ کے احباب خاص میں شامل تھے ایک دفعہ عہد نبوت میں مکہ معظمہ میں آئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ راستہ میں جا رہے ہیں، پیچھے پیچھے اوباش لوگوں کا غول ہے اور وہ سب آپ ﷺ کو "مجنوں" کہہ رہے تھے، ضماد کو اس واقعہ سے بے حد دُکھ ہوا وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا۔ "محمد (ﷺ)! میں جنوں کا علاج کر سکتا ہوں۔" آپ ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد مؤثر جملے ارشاد فرمائے جنھیں سنتے ہی جناب ضماد رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔

رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ جو لوگ کاروبار میں شریک تھے اور دوستانہ تعلق بھی

رکھتے تھے ان میں سے ایک شخص جناب قیس بن صائب بھی تھے۔ جناب قیس کا بیان ہے۔ شرکاء کے ساتھ آپ ﷺ کا معاملہ نہایت صاف ہوتا تھا اور آپ ﷺ نہایت دیانت داری سے کام کرتے تھے کبھی کسی سے آپ ﷺ کا جھگڑا اور تنازعہ پیش نہ آتا تھا۔

عرب میں افسانہ گوئی کی مجلس کا بھی عام رواج تھا لیکن آپ ﷺ ان میں کبھی شریک نہ ہوتے تھے اور ایک روز شریک ہونا بھی چاہا تو قدرت نے ایسا اتفاق پیدا کر دیا کہ آپ ﷺ شریک نہ ہو سکے اس پوری مدت میں آپ ﷺ کے برتاؤ آپ ﷺ کی شرافت اور آپ ﷺ کے خصائل کے سب معترف رہے۔ شراب کو آپ ﷺ نے کبھ ہاتھ نہیں لگایا اور بیوی بچوں، بزرگوں اور دوستوں میں سے کبھی کسی کو شکوہ کا موقع ہی نہ دیا۔ بزرگوں اور بروں کا ہمیشہ احترام کرتے تھے۔ چھوٹوں پر شفقت کی نگاہ رہتی تھی پڑوسیوں سے انس رکھتے تھے، بیوی سے نہایت محبت اور بچوں سے بے حد شفقت کرتے تھے۔

غارِ حرا کی عبادت

آپ ﷺ کے متعلق کارلائل نے لکھا ہے۔ سفر و حضر میں ہر جگہ آپ ﷺ کے دل میں ہزاروں سوالات پیدا ہوتے تھے کہ "میں کیا ہوں؟" "یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ میں کن چیزوں پر اعتقاد کروں؟" لیکن کوہِ حرا کی چٹانیں ہوں یا کوہِ طور کی سر بفلک چوٹیاں ہوں وہ کھنڈر ہوں یا میدان ہوں کسی نے آپ ﷺ کے سوالات کا جواب نہیں دیا بلکہ چمکتے ہوئے ستارے، برستے ہوئے بادل کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔ آخر آپ ﷺ نے مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک غار میں مراقبہ شروع کر دیا۔ چند دنوں کے لئے کھانے پینے کا سامان لے جاتے تھے اور جب وہ ختم ہو جاتا تھا تو کبھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہنچا دیتی تھیں اور کبھی سامان ختم ہونے پر خود آ کر لے جاتے تھے۔ مہینوں اس مراقبہ کا سلسلہ جاری رہا۔ بخاری کی روایت کے مطابق غارِ حرا میں آپ ﷺ غور و فکر کی عبادت میں مصروف رہتے تھے اور اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ادا ہو رہی تھی، مراقبہ

نبوت کا دیباچہ تھا۔ آخر الامر پہلے آپ ﷺ پر خواب میں اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے جو کچھ خواب میں دیکھتے وہی پیش آجاتا اس کے بعد آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ اور آپ ﷺ پر ہیبت الٰہی کے خوف پیدا ہوا تو آپ ﷺ کی رفیقہ حیات نے آپ ﷺ کو تسکین دی۔ آپ ﷺ غریبوں اور بے کسوں کی مدد کرتے ہیں۔ خدائے قدوس کی جانب سے آپ ﷺ کو کوئی تکلیف ہرگز نہ پہنچے گی۔ ورقہ بن نوفل نے بھی تصدیق کی اور اب وہ وقت آگیا کہ آپ ﷺ نبوت کا اعلان کریں اور تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جس عزم و استقلال اور جس شان و شکوہ کے ساتھ یہ فرائض انجام دیئے ہیں وہ ایک عالم آشکار حقیقت ہے۔ اللھم صل علی محمد و بارك وسلم۔

تعظیم و توقیر

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ہم قرآن کریم نہیں دیکھتے، ہم قرآن حکیم نہیں پڑھتے، سنی سنائی پر یقین کر لیتے ہیں، بہت بھولے ہیں...... جب قرآن کریم میں ہر چیز کا روشن بیان ہے (سورۂ نحل: ۸۹) اور ہر بات کی تفصیل موجود ہے (سورۂ یوسف: ۱۱۱) تو پھر قرآن کریم سے کیوں نہ پوچھا جائے...... اِدھر اُدھر کیوں بھٹکتے رہیں؟ ...... ایک ایک کا منہ کیوں تکتے رہیں؟ ...... کوئی کچھ بتاتا ہے، کوئی کچھ...... دل اُلجھ کر رہ جاتا ہے، دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے...... متاعِ عشق و محبت برباد ہونے لگتی ہے، جب وہ برباد ہوگئی تو پھر کیا رہ گیا؟ ...... ایک خاک کا ڈھیر، ایک بے جان لاشہ...... محبت کی باتیں اتنی مشکل نہیں جو سمجھ میں نہ آسکیں...... دل والا ہو تو بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے...... یہ باتیں دماغ سوزی سے سمجھ میں نہیں آتیں۔

ہے دانشِ برہانی حیرت کی فراوانی

☆☆☆

کسی بھی شخصیت سے جب تک محبت نہ ہو اور اس کی عظمت کا نقش دل میں نہ بیٹھے، اُس کے حضور ادب کا جذبہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا...... اللہ تعالیٰ نے جب محبت کی بات کی تو اپنی اور اپنے حبیب کریم ﷺ کی محبت کا ایک ہی معیار رکھا (سورۂ توبہ: ۲۴)، دو معیار نہ رکھے تاکہ آپ کی قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا...... اپنی جان سے بڑھ کر آپ سے محبت کو ایمان کے لیے شرط اوّل قرار دیا۔ (توبہ: ۱۲) اور اس محبت کو عظیم کے لیے شرط اوّل قرار دیا...... اور تعظیم کو ادب کے لیے شرط اوّل قرار دیا...... فرشتوں کے دل میں حضرت آدم علیہ السلام کا نقش عظمت بیٹھا تو سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے۔

(سورۂ اعراف: ۱۱، سورۂ بقرہ: ۳۴)

برادرانِ یوسف (علیہ السلام) کے دل میں جب حضرت یوسف علیہ السلام کا نقش عظمت بیٹھا تو سب کے سب اُن کے حضور سجدے میں گر پڑے۔ (سورۂ یوسف: ۱۰۰)...... ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو محض ایک بشر اور انسان سمجھا اس لیے تعظیم کے لیے تیار نہ ہوا، ہمیشہ کے لیے مردود و ذلیل ہوا۔ (سورۂ اعراف: ۱۱-۱۳)...... محبت و فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے، یہ انقلاب پیدا نہ ہو تو انجام وہی ہوتا ہے جو ابلیس کا ہوا۔ ہمیں ہر آن اپنے فکر و نظر کی حفاظت کرنی چاہیے...... کوئی مسلمان انبیاء علیہم السلام کو محض ایک انسان اور بشر نہیں سمجھ سکتا کیوں کہ یہ فکر و خیال ابلیس کا ہے، یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کا ہے جس کا بار بار قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔

(سورۂ ابراہیم: ۱۰، انبیاء: ۳، مومنون: ۲۴-۲۳، شعراء: ۱۸۶، یٰسین: ۱۵، ہود: ۲۷)

اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ سے صرف ایک بار جو یہی بات کہلوائی (سورۂ کہف: ۱۱۰) تو اس میں کفار و مشرکین کے خیالِ باطل کی تردید ہے کہ اگر ظاہری صورت میں تم کو بشر نظر آ رہا ہو تو تم یہ نہیں دیکھتے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے تم میں سے کس پر وحی نازل ہوئی؟ تو پھر تم جیسا بشر کیسے ہوا؟

☆☆☆

اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی کریم ﷺ کی محبت کا نقش دلوں میں جمایا پھر آپ کی عظمت کا نقش دلوں میں بٹھایا کہ جب ادب کی باتیں کی جائیں تو یہ باتیں دلوں میں بیٹھتی چلی جائیں...... تعظیم و تکریم کے لیے فرمایا:

۱۔ میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو۔ (سورۂ مائدہ: ۱۲)

۲۔ اس رسول پر ایمان لاؤ اور اس رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔ (سورۂ فتح: ۹)

۳۔ تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں۔ (سورۂ اعراف: ۱۵۷)

ایمان لانے کے بعد ہی تعظیم کا ذکر فرمایا پھر دل و جان سے مدد کرنے کا ذکر فرمایا، پھر آپ کی اطاعت و پیروی کا ذکر فرمایا...... اس کے بعد یہ خوشخبری سنائی کہ ایمان

لانے والے، تعظیم کرنے والے، مدد کرنے والے، اطاعت و پیروی کرنے والے ہی تو بامراد ہیں۔ (ایضاً، ۱۵۷)...... بے شک دونوں جہاں میں سرفرازی کا یہی طریقہ ہے کہ حضور انور ﷺ پر ایمان لایا جائے، آپ کی دل و جان سے تعظیم کی جائے اور اس تعظیم و ادب کو اپنے قول و عمل سے ظاہر کیا جائے...... محبت کی خوشبو پھیلے بغیر نہیں رہتی...... حضور اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی اطاعت کا ذکر فرمایا ہے وہاں نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا بھی ذکر فرمایا ہے...... جہاں اپنے حضور نافرمانی کا ذکر فرمایا ہے وہاں نبی اکرم ﷺ کے حضور بھی نافرمانیوں کا ذکر کیا ہے۔ (سورۂ آل عمران: ۱۳۲، سورۂ نساء: ۱۴)...... اور یہ کہیں نہ فرمایا کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے رسول کی اطاعت کی بلکہ یہ فرما کر آپ کی عظمت کو بڑھایا، ''جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' (سورۂ نساء: ۸۰، آل عمران: ۳۲)...... مقصود و مطلوب آپ کی محبت و اطاعت ہے جس نے آپ سے محبت کی اُس نے اللہ سے محبت کی اور جس نے آپ کی اطاعت کی، اللہ کا محبوب بن گیا۔ (سورۂ آل عمران: ۳۱)...... اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کے آثار اور نشانیوں کی تعظیم کا بھی حکم دیا ہے۔ (سورۂ حج: ۳۲،۲۰) ...... کہ محبوبوں سے نسبت رکھنے والی چیزیں بھی محبوب ہوتی ہیں...... یہی محبت کی فطرت ہے۔

☆☆☆

کسی بھی شخصیت کا نقشِ عظمت دل میں بٹھانے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ اس کی آمد آمد کا ذکر کیا جائے اور اس کا نام نہ بتایا جائے...... اللہ تعالیٰ نے ظہور قدسی سے لاکھوں، کروڑوں سال پہلے انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا اور اُن سے یہ عہدہ لیا کہ جب وہ آنے والا آئے تو سب اُس پر ایمان لائیں اور دل و جان سے اس کی مدد کریں۔ (سورۂ آل عمران: ۸۱) یہ معمولی واقعہ نہیں ایک عظیم واقعہ ہے...... پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ شریف کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو دونوں ہاتھ پھیلائے اس آنے والے کے لیے دُعا فرما رہے تھے۔ (سورۂ بقرہ: ۱۲۹) ...... پھر ظہور قدسی سے تقریباً ۵۷۰ سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عظیم اجتماع سے خطاب فرما رہے ہیں اور

اُس آنے والے رسول کی خبر دے رہے ہیں، ہر امتی کو جس کا انتظار تھا اور جس کے وسیلے سے فتح و نصرت کے لیے دُعائیں مانگی جاتی تھیں۔(سورۂ بقرہ: ۸۹)...... فرمارہے ہیں، میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا۔(سورۂ صف: ۶) یہ رفعِ ذکر کا وہ نظارہ ہے جو سارے عالم کو دکھایا گیا۔(سورۂ قدر: ۳) تا کہ آپ کی شان اور دوبالا ہو جائے...... پھر جس کی آمد آمد کا ذکر کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے اپنی اپنی امتوں میں کیا اور دنیا میں ایک غلغلہ بپا ہوا، اچانک اُس پیکر نوری کی آمد کا اعلان فرمایا گیا۔(سورۂ مائدہ: ۵)...... اور آپ کو ساری مخلوق میں افضل و برگزیدہ بنایا گیا۔(مسلم شریف، باب فضائل النبی ﷺ ترمذی شریف، کتاب التفسیر)...... آپ کی عظمت و شان کے اظہار کے لیے آپ کے آباء کی قسم کھائی۔(سورۂ بلد: ۳)...... آپ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھائی۔ (سورۂ حجر: ۷۲) ...... آپ کے شہر مقدس مکہ معظمہ کی قسم کھائی۔(سورۂ بلد: ۱۔۳)...... آپ کے اخلاق عالیہ کا ذکر فرمایا۔ (سورۂ قلم: ۴)...... آپ کی عادت کریمہ کا ذکر فرمایا۔(سورۂ توبہ: ۱۲۸)...... آپ کے علم و فضل کا ذکر فرمایا۔(سورۂ تکویر: ۲۴، سورۂ نساء: ۱۱۳) ...... آپ کی رحمت عامہ کی شان یہ بتائی کہ سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔ (سورۂ انبیاء: ۱۰۷)...... تبلیغ وارشاد کی شان یہ بتائی کہ آپ کی ذات سارے عالم کے لیے کافی ہے۔(سورۂ سبا: ۲۸) ...... نبوت و رسالت کی شان یہ بتائی کہ اب قیامت تک صرف آپ ہی کا فیض جاری رہے گا، کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا۔(سورۂ احزاب: ۴۰) اور قیامت کے دن عرش کے داہنی جانب صرف اور صرف آپ کی کرسی رکھی جائے گی۔ (ترمذی شریف، کتاب المناقب) یہ ساری باتیں اس لیے کی گئیں تا کہ سننے والوں کے دلوں میں آپ کا نقش عظمت قائم ہو اور کوئی آپ کے ظاہر کو دیکھ کر اپنے جیسا انسان نہ سمجھ بیٹھے اور دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہو...... جس طرح کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ نے سمجھا اور ذلیل و رسوا ہوئے۔(سورۂ ابراہیم: ۴۰) ...... قرآن کریم کا دامن حضور انور ﷺ کے فضائل و کمالات کے موتیوں سے بھرا ہوا ہے، دیکھنے کے لیے نظر چاہیے...... آیئے کچھ اور نظارہ کریں...... اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ خود ہر مسلماں کی رگ جاں

سے قریب ہوا۔ (سورۂ ق: ۱۶)اور تاجدار عالم ﷺ کو ہر مسلماں کی جاں سے قریب کیا۔(سورۂ احزاب: ۶) ......خود فرما رہے ہیں، کوئی مومن ایسا نہیں جس کے ساتھ میں، دنیا و آخرت میں قریب نہیں۔ (بخاری شریف، کتاب الاستقراض، مسلم شریف، کتاب الجمعہ) ......آپ کی شان کیا بیان کی جائے ساری امت پر آپ کو گواہ بنایا گیا۔ (سورۂ حزاب: ۴۵، سورۂ فتح: ۸، سورۂ مزمل: ۱۵)......آپ کو وہ قرآن عطا فرمایا جس میں ہر چیز کا روشن بیان اور تفصیل موجود ہے۔(سورۂ نحل: ۸۹، سورۂ یوسف: ۱۱۱)......آپ کو ہزار مہینوں سے افضل لیلۃ القدر عطا کی گئی۔ (سورۂ قدر: ۳) ......آپ کو "مقامِ محمود" کی بشارت سنائی گئی۔ (سورۂ بنی اسرائیل: ۹۷)......آپ پر درود بھیج کر اُس مسند عظمت پر بٹھایا گیا۔(سورۂ بقرۂ: ۲۴۸) جس کی بلندیوں کا ادراک انسان کے بس کی بات نہیں......آپ ہی کی رضا و خوشنودی کے لیے قبلہ کا رخ بدل دیا گیا(البقرہ:۱۴۴)...... بیشک

تو جدھر ہے اُدھر خدائی ہے

☆☆☆

اللہ کو اپنے محبوبوں سے بڑی محبت ہے...... اُن سے تو محبت ہے ہی، اُن چیزوں سے بھی محبت ہے جن سے محبوبوں کو نسبت ہے......اس رمز محبت کو اچھی طرح سمجھ لیجیے ......دل میں اتار لیجیے۔لکڑی کا وہ صندوق جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کے تبرکات تھے، قرآن حکیم نے اس کو "چَین کا گھر" (سورۂ بقرہ: ۲۴۸) قرار دیا اور فرشتوں نے اسے اٹھایا (سورۂ بقرہ: ۲۴۸) ......حضرت ابراہیم علیہ السلام کے "نشانِ قدم" کو بیت اللہ کے سامنے رکھوایا اور اپنی نشانی قرار دیا۔(سورۂ بقرہ: ۱۲۵، سورۂ آل عمران: ۵۷) ....حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے "نشانِ راہ" کو اپنی نشانی قرار دیا اور اس کے گرد چکر لگانے کی اجازت دی گئی۔ (سورۂ بقرہ:۱۵۲)......حضور انور ﷺ نے انھیں عالی نسبتوں کی وجہ سے دنیا کی ساری مساجد میں سے تین مسجدوں کا انتخاب فرمایا اور دور دراز کا سفر کر کے ان مسجدوں کی زیارت اور ان میں عبادت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (جامع الرضوی، جلد۲، ص۳۱۲، بحوالہ بخاری شریف) ......اس اجازت میں کیا راز تھا؟ ....وہی رازِ محبت

جس کو عقل والے نہیں سمجھ سکتے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے مسجد حرام میں سفر کر کے حاضری کی اس لیے اجازت دی کہ اس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام اور نہ معلوم کتنے ہزاروں، لاکھوں انبیاء و صلحاء امت سے نسبت ہے اور سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ خود حضور انور ﷺ نے اس میں عبادت و ریاضت فرمائی۔ مسجد اقصیٰ میں سفر کر کے حاضری کی اس لیے اجازت دی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیمہ کی جگہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بنیا درکھی پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو تعمیر کرایا۔ (سورۂ سبا: ۲۔۱۳، سورۂ اسراء: ۱، جامع الرضوی: جلد ۲، صفحہ ۲۱۰) اور مسجد نبوی شریف میں سفر کر کے حاضری کی اس لیے اجازت دی کہ اس کی تعمیر میں سرکار دو عالم ﷺ نے حصہ لیا۔ (جامع الرضوی، جلد ۲، صفحہ ۲۱۰، بحوالہ بخاری شریف، سورۂ توبہ: ۱۰۸۔۱۰۹)، اس کو مرکز اسلام بنایا، اسی کے متصل ہی قیام فرمایا آج ازدواج مطہرات کے سارے حجرے بلکہ مدینہ منورہ کا بڑا حصہ مسجد نبوی شریف میں داخل ہو گیا ہے۔ آپ خود اس مسجد شریف میں آرام فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی...... ساری بہاریں نسبتوں کی ہیں...... اللہ اللہ! محبوبوں کی اداؤں کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کا حصہ بنا دیا۔ (سورۂ حج: ۳۲، سورۂ بقرہ: ۱۵۸) اس رمز محبت کو سمجھنے کی کوشش کریں پھر سب باتیں سمجھ میں آتی چلی جائیں گی۔

☆☆☆

جب دل میں کسی کی محبت و عظمت گھر کر جاتی ہے تو اس محبوب کے حضور ادب کے لیے ابھارتی ہے...... محبت خود بخود ادب سکھاتی ہے...... وہ محبوب کی خامیاں تلاش نہیں کرتی...... یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے...... وہ محبوب کی ہر ادا پر جان فدا کرتی ہے...... خامیاں اور برائیاں تلاش کرنا تو دور کی بات ہے وہ محبوب کی برائی سننا بھی پسند نہیں کرتی۔ برائی کرنے والوں سے منہ پھیر لیتی ہے...... پھر کبھی پلٹ کر نہیں دیکھتی...... اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو اپنا محبوب بنایا...... ہمارے لیے نمونہ بنایا۔ (سورۂ احزاب: ۲۱)...... محبت کرنے اور محبت کی باتیں کرنے کا حکم دیا...... ذہنی پراگندی اور پریشاں خیالی کو ہمیشہ کے

لیے ختم کر دیا...... اللہ اکبر! عاشق کو آدابِ محبت سکھا کر جینے کا سلیقہ بتا دیا۔

☆☆☆

۱۔ نام نامی ﷺ کا یہ ادب سکھایا...... خبردار! نام لے لے کر اس طرح نہ پکارو اور نہ بلاؤ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے اور بلاتے ہو۔ (سورۂ نور: ۱۶۷)...... اور خود بھی قرآن کریم میں نام لے کر خطاب نہ فرمایا جس طرح اور انبیوں کے نام لے کر خطاب فرمایا ہے۔

(سورۂ مائدہ: ۴۱، ۶۷، سورۂ انفال: ۶۴، سورۂ ہود: ۴۸، سورۂ بقرہ: ۳۵، سورۂ قصص: ۳۰، سورۂ صفت: ۱۰۴، ۱۰۵)

۲۔ آپ کے خرامِ ناز اور چال کا یہ ادب بتایا کہ نہ بڑھ بڑھ کر باتیں کرو اور نہ چلتے چلتے آگے نکلو۔ (سورۂ حجرات: ۱)

۳۔ دولت کدے میں حاضری کا یہ ادب سکھایا کہ گھر کے باہر سے ہرگز ہرگز آپ کو آواز نہ دو۔ انتظار کرو کہ آپ خود باہر تشریف لے آئیں۔ (سورۂ حجرات: ۴۔۵)

۴۔ ازدواجِ مطہرات کا یہ ادب بتایا کہ کبھی کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ (سورۂ احزاب: ۵۳)

۵۔ دولت کدے پر حاضری کا ادب یہ بتایا کہ بغیر بلائے نہ جاؤ، جب بھی کھانے پر بلائیں تو وقت پر جاؤ۔ یہ نہیں کہ پہلے سے چلے جاؤ اور کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو۔

(سورۂ احزاب: ۵۴)

۶۔ اور دعوت کا ادب یہ سکھایا کہ جب کھانا کھا چکو تو خواہ مخواہ بیٹھے باتیں نہ کرتے رہو کہ اس سے نبی کریم ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے واپس چلے جاؤ۔ (سورۂ احزاب: ۵۳)

۷۔ خلوت کدے میں کوئی خاص بات کرنے کا ادب یہ بتایا کہ اگر تنہائی میں بات کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اللہ کی راہ میں کچھ صدقہ دو (کہ تم ایک بڑے دربار میں حاضر ہو رہے ہو) پھر حاضر ہو کر سرگوشی میں بات کر سکتے ہو۔ (سورۂ مجادلہ: ۱۱۲، ۱۱۳، ۵۸)

۸۔ محفل کا ادب یہ سکھایا کہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ گفتگو فرما رہے ہوں تو خوب

کان لگا کر سنو کہ دوبارہ متوجہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئے کہ یہ بات بھی ادب کے خلاف ہے...... اگر متوجہ کرنا ہو تو انظرنا کہو یعنی ہم پر دوبارہ نظر کرم فرمایئے۔(سورۂ بقرۃ:۱۰۴)

۹۔ بات کرنے کا ادب یہ سکھایا کہ جب آپ سے باتیں کرو تو خبردار آپ کی آواز سے اونچی آواز نہ کرنا اور نہ تڑک کر بولنا ایسا نہ ہو کہ اس بے ادبی کی وجہ سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر تک نہ ہو۔(سورۂ حجرات:۲۔۳)

۱۰۔ مجلس مشاورت کا ادب یہ بتایا کہ نبی کریم ﷺ کسی مسئلے پر گفتگو کے لیے بلائیں اور سب جمع ہوں تو خبردار! بغیر آپ کی اجازت کے کوئی اٹھ کر نہ جائے۔...... اگر کوئی اجازت لینا چاہے جس کو چاہیں آپ اجازت دیں اور جس کو چاہیں اجازت نہ دیں۔(سورۂ نور:۶۲)

۱۱۔ یہ محفل بڑی عالی محفل ہے...... جو لوگ آڑ لے کر چپکے سے چلے جاتے ہیں، اللہ اُن کو دیکھتا ہے، خبردار! ایسا نہ کرو کہ کہیں تم کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور تم پر دردناک عذاب نہ آن پڑے(سورۂ نور:۶۳)...... اللہ اکبر یہ وہ بارگاہِ ادب ہے جہاں آواز اونچی کرنے پر اعمال ضائع ہو رہے ہیں(سورۂ حجرات:۲)...... جہاں محفل سے بلا اجازت چلے جانے پر دردناک عذاب کی وعید سنائی جا رہی ہے...... بے شک۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

۱۲۔ آپ کے فیصلے کا یہ ادب کہ جو فیصلہ فرما دیں، دل سے تسلیم کیا جائے، ذرّہ برابر دل میں غبار نہ رکھا جائے۔(سورۂ نساء:۱۶۵)

۱۳۔ وہ فیصلہ فرما دیں تو کسی کو کوئی اختیار نہیں(سورۂ احزاب:۳۶)...... وہ بے اختیار نہیں اُن کے سامنے ہم بے اختیار ہیں۔

۱۴۔ آپ کے حکم کا یہ ادب کہ جب بلائیں فوراً حاضر ہو جاؤ۔(سورۂ انفال:۲۴)۔ خواہ نماز ہی میں کیوں نہ ہو۔

۱۵۔ حکم کی تعمیل میں ذرا سی سستی پر تین صحابہ کرام کی وہ گرفت ہوئی کہ اُن کی جان

پر بن گئی زمین باوجود وسعت کے تنگ ہوگئی۔(سورۂ توبہ: ۱۱۷) سرکار دو عالم ﷺ نے بولنا کیا بند کیا سب نے بولنا بند کر دیا۔

تو کیا بدل گیا کہ زمانہ بدل گیا!

چالیس دن اسی کرب و اضطراب میں گزر گئے پھر وحی نازل ہوئی، توبہ قبول ہوئی، جان میں جان آئی سرکار دو عالم ﷺ نے گلے لگایا، سب نے گلے لگایا، سب بولنے لگے۔

۱۶۔ ازدواج مطہرات کا یہ ادب کہ اُن کو مومنین کی مائیں قرار دیا (سورۂ احزاب: ۶) اور حضور انور ﷺ کا یہ ادب کہ آپ کو باپ کہنے سے منع کر دیا گیا (سورۂ احزاب: ۴۰) کہ آپ اللہ کے محبوب اور رسول ہیں...... آپ کی شان بہت عالی ہے...... بھائی تو بھائی آپ کو باپ کہنا بھی گستاخی ہے۔

۱۷۔ سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ادب کہ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد ازدواج مطہرات کو مومنین پر حرام کر دیا۔ (سورۂ احزاب: ۵۳) اور فرمایا کہ ان سے کسی کا نکاح کرنا اللہ کے نزدیک بہت بڑی جرأت ہے۔ (ایضاً: ۵۳) وہ زندہ ہیں، وہ پابندہ ہیں۔

۱۸۔ اللہ کے حضور گناہوں کی معافی مانگنے اور توبہ کرنے کا یہ سلیقہ بتایا کہ جب گناہ ہو جائے تو سیدھے ہمارے پاس نہ آؤ، ہمارے محبوب کریم کے پاس جاؤ پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو، توبہ کرو اور آپ بھی اُس کی سفارش فرمائیں تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے۔ (سورۂ نساء: ۶۴)

۱۹۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وسیلے سے آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہوں کی بخشش کا وعدہ فرمایا۔ (سورۂ فتح: ۲) اور دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی...... بیشک آپ رحمت عالم ہیں۔ (سورۂ انبیاء: ۱۰۷)...... آپ کے ہوتے امت پر عذاب ہو ہی نہیں سکتا۔ (سورۂ انفال: ۳۳)

۲۰۔ اللہ تعالیٰ کو حضور انور ﷺ کی جناب میں ذرا سی بھی ایذاء رسانی گوارہ

نہیں...... مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ اس طرح نہ ستانا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کے ماننے والوں نے ستایا تھا۔ (سورۂ احزاب: ۶۹، ۵۲)...... پھر فرمایا کہ جو نبی کریم ﷺ کو اپنے قول عمل سے ایذا دیتے ہیں اُن پر اللہ کی لعنت ہے اور آخرت میں ذلت کا عذاب۔ (سورۂ احزاب: ۵۷)...... اور دردناک عذاب (سورۂ توبہ: ۶۱)...... جب ادنیٰ سی ایذا رسانی پر یہ وعیدیں ہیں تو آپ کی شان میں زباں درازیوں اور گستاخیوں کا کتنا بڑا عذاب ہوگا؟

ایک منافق امام بدنیتی سے حضور انور ﷺ کی شان گھٹانے کے لیے نماز میں ہمیشہ سورۂ عبس پڑھا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابی کو بھیج کر اس منافق امام کا سر قلم کرادیا۔ (تفسیر روح البیان، جلد ۱۰، صفحہ ۳۳۶)

حالانکہ وہ قرآن ہی پڑھا کرتا تھا مگر نیت میں کھوٹ تھا، گردن زدنی قرار دیا گیا...... خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی اور بدنیتی برداشت نہیں کرسکتے تھے، یہ اُس سچی محبت کا تقاضا تھا جس سے اُن کے سینے روشن تھے۔

☆☆☆

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سرکار دو عالم ﷺ سے جیسی محبت کرتے تھے اور آپ کا جیسا ادب اور تعظیم کرتے تھے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی...... حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت مآب ﷺ میں ادب و تعظیم کے جو ایمان افروز مناظر دیکھے اُن کو بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں۔

قسم خدا کی، بادشاہ کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں...... میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں لیکن خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا کہ اُس کے ساتھی اس طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد (ﷺ) کے ساتھی اُن کی تعظیم کرتے ہیں۔ (بخاری شریف، جلد ۱ صفحہ ۳۷۹)

حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ مناظر اُس وقت دیکھے جب وہ مشرف باسلام نہ ہوئے تھے...... وہ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

☆ سرکارِ دو عالم ﷺ کے وضو کا پانی لپکنے کے لیے آپس میں جھپٹتے تھے۔

☆ چہرۂ مبارک کو آنکھ بھر کے نہیں دیکھتے، سر جھکائے بیٹھے رہتے تھے۔

(بخاری شریف، جلد ۱، صفحہ ۳۷۹)

۱۔ ایک مرتبہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضور انور ﷺ کے وضو کا پانی ایک لگن میں لیے باہر آئے تو صحابہ جھپٹ پڑے جس کو پانی کا ایک قطرہ نہ ملا اس نے دوسرے صحابی کی ہاتھ کی تری کو چھو کر اپنے چہرے پر مل لیا۔ (بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف ص: ۷۴)

۲۔ ایک صحابی، سرکارِ دو عالم ﷺ کے سر مبارک کے بال اتار رہے تھے اردگرد گھیرا ڈالے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کھڑے تھے، زمین پر گرنے سے پہلے بالوں کو اپنے ہاتھ پر لے لیتے۔ (مسلم شریف، جلد ۲ صفحہ ۲۵۶)...... اور بطور تبرک محفوظ کر لیتے۔ آج پوری دنیا میں یہ تبرکات محفوظ ہیں۔

۳۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے پاس حضور انور ﷺ کا ایک بال ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ (بخاری شریف، جلد ۱ صفحہ ۲۹)

۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور انور ﷺ کے لکڑی کے پیالے کو جان سے لگا کر رکھا تھا (بخاری شریف جلد ۲، صفحہ ۸۴۲)...... جس کو ایک جاں نثار نے آٹھ لاکھ درہم میں خریدا۔

۵۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُن کی وصیت کے مطابق کفن میں حضور اکرم ﷺ کا کرتا پہنایا گیا۔ آپ کی چادر میں لپیٹا گیا، آپ کا تہبند باندھا گیا...... گلے، منہ اور ان اعضاء پر جو سجدہ کے وقت زمین پر لگتے ہیں حضور انور ﷺ کے موئے مبارک اور تراشہ ناخن اقدس رکھے گئے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف، جلد ۵ صفحہ ۶۲۸)

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو سامنے

نہ تھوکے۔ (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۶۹) ...... کیوں نہ تھوکے؟ کہ اس طرف بیت اللہ ہے......
بیت اللہ سامنے ہو یا نہ ہو، اس کی تعظیم وتکریم ہر مسلمان پر لازم ہے...... ایک صحابی نے
نماز پڑھاتے وقت قبلہ کی طرف تھوک دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے تھوکتے ہوئے دیکھ
لیا...... فرمایا، آئندہ یہ شخص لوگوں کو نماز نہ پڑھائے۔ (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۷۰) ...... اور پھر
اس نے کبھی نماز نہ پڑھائی...... حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شاید سرکار دو عالم
(ﷺ) نے یہ بھی فرمایا...... "تو نے اللہ و رسول کو اذیت دی اور اُن کو ستایا۔ (مشکوٰۃ
شریف، ص۷۰) ...... اپنے کسی قول وعمل سے حضور اکرم ﷺ کو اذیت نہ دیں...... آپ کی
تعظیم وتوقیر مقصودِ حیات ہے، مطلوب پروردگار ہے...... جس کا دل آپ کی محبت اور ادب و
تعظیم سے خالی ہے وہ ایمان سے محروم ہے، یہی قرآن کا فیصلہ ہے...... اپنے ایمان کی
حفاظت کریں...... یہ ایک گوہر بے بہا ہے...... تنہا نہ رہیں، سچوں کے ساتھ رہیں (سورۂ
توبہ: ۱۱۹) ...... سچے وہ ہیں جن کی صحبت میں حضور انور ﷺ کی محبت و الفت اور ادب و
تعظیم پیدا ہو...... جن کی صحبت میں آپ کے سینے محبت رسول علیہ التحیۃ والتسلیم سے خالی
ہونے لگیں اور آپ بے ادب و گستاخ .... لگیں اُن سے اس طرح بچیں جس طرح
انسان درندوں سے بچتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوشیار رہیں...... درندوں سے تو صرف
جان کا خوف ہوتا ہے اور ایسے انسانوں سے ایمان کا خوف ہوتا ہے...... ایمان ہی سب
سے قیمتی متاع ہے...... یہ لٹ گئی تو سب کچھ لٹ گیا......

مولیٰ تعالیٰ ہمارے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی محبت و عظمت کا نقش جمائے
...... آپ کے حضور باادب رکھے، پریشاں خیالیوں اور لب کشائیوں سے محفوظ رکھے
آمین!...... بلاشبہ بامراد ہوا جس نے اس در پر سر جھکایا...... کامیاب ہوا جس نے ادب کا
دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا...... سرفراز ہوا جو آپ کے نقش قدم چلتا رہا۔

۱۷ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ — احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

۳ نومبر ۱۹۹۳ء — کراچی

عشق رسالت مآب ﷺ

خطیب پاکستان مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی

ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عقل اور فہم کی دولت عطا فرمائی ہے وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے اگر حب مصطفےٰ ﷺ ایمان کی روح ہے۔

محمد ﷺ کی غلامی دین حق کی شرط اول ہے اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

شریعت مطہرہ نے ہر مسلمان پر حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کی محبت اس کے تمام خویش و اقارب اعزہ و احباب سے زیادہ لازم کی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ ... لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ

(پ ۱۔ رکوع ۹)

میرے حبیب! فرما دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری عورتیں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر رہتا ہے اور تمہاری پسند کے مکان ان میں سے کوئی چیز بھی اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اتارے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

ارشاد ہوتا ہے۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا

مدینہ والوں اور ان کے گرد دیہات والوں کو یہ لائق نہ تھا کہ رسول اللہ (ﷺ)

يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ — سے پیچھے بیٹھے رہیں اور یہ کہ نہ ان کی جان سے اپنی جان پیاری سمجھیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ انصاری فرماتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَايُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ — تم میں کوئی مومن نہ ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ و اولاد اور سب آدمیوں کے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اور انہیں سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

ثلاث من کن فیه وجدها ولا الایمان ان یکون الله ورسوله احب الیه مما سواهما وان یکون یحب المرء لا یحبه الا لله وان یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار (بخاری صفحہ ۷) — جس میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی لذت وحلاوت پالے گا ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ماسوا سے زیادہ پیارے ہوں۔ دوسری یہ کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے اور تیسری یہ کہ وہ کفر میں لوٹ جانا ایسا برا سمجھے جیسا کہ آگ میں پھینکے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ التستری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تم یدی ولایة الرسول صلی الله علیه وسلم علیه فی جمیع احواله ویدی نفسه فی ملکه لم یزق ملاوة سنة لانه صلی الله علیه وسلم قال لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من نفسه (زرقانی علی المواہب صفحہ ۳۲۱ شرح شفاء القاری صفحہ ۳۲) — جو ہر حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مالک نہ جانے اور اپنی ذات کو ان کی ملکیت میں نہ سمجھے وہ حلاوت سنت سے محروم ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کی جان سے زیادہ

محبوب نہ ہو جاؤں۔

ان دو آیتوں اور تین حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی محبت ماں، باپ واولاد، عزیز واقارب، دوست واحباب، مال و دولت، مسکن، وطن اور اپنی جان غرض کہ ہر چیز کی محبت سے زیادہ ضروری و لازم ہے۔

اور اگر کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت نہ رکھے یا ان کی مخالفت کرے تو خواہ وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو اس سے دوستی و محبت رکھنا جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (قرآن: ۱۵)

اے ایمان والو! باپ اور اپنے بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کو کفر پر پسند نہ کریں اور جو تم میں سے ان سے دوستی رکھے وہ ظالم ہوگا۔

نیز فرمایا:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(قرآن پارہ ۲۸ رکوع ۳)

تو نہ پائے گا انہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر محبت کرتے ہیں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہو یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان نقش ہو چکا ہے اور اللہ نے اپنی طرف کی روح سے ان کی امداد فرمائی اور ان کو داخل کرے گا باغوں میں

جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ ان میں
رہیں گے راضی ہوگیا اللہ ان سے اور وہ
راضی ہو گئے اللہ سے یہی لوگ اللہ کا گروہ
ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔"

ان آیتوں سے صراحۃً ثابت ہوا کہ جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت کریں اور ایمان پر کفر کو پسند کریں تو اگرچہ وہ بہت ہی زیادہ قریبی ہوں ان سے دوستی و محبت رکھنا جائز نہیں بلکہ ظلم ہے اور بے دینی ہے اس مضمون کی متعدد آیتیں اور حدیثیں موجود ہیں۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ ایمان و نجات کا دارومدار حضور سیّد عالم ﷺ کی محبت پر ہے تو جس مومن کے دل میں آپ ﷺ کی محبت کامل ہوگی اس کا ایمان بھی کامل ہوگا ورنہ ناقص اور اگر آپ ﷺ کی محبت مطلقاً نہیں تو وہ قطعاً ایمان سے محروم ہے۔

اس مقام پر یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ تمام اسلامی فرقے حضور پرنور ﷺ کی محبت کے مدعی ہیں۔ محبت ایسی چیز نہیں جو ظاہر ہو۔ اس کا تعلق دل سے ہے اور ظاہر ہے کہ دلوں کا حال ہمیں معلوم نہیں۔ ایسی صورت میں ہم کس گروہ کو حضور ﷺ کا محب قرار دے کر مومن سمجھیں اور کس فرقہ کے دعویٰ محبت کو غلط جان کر اسے ناری قرار دیں۔

اس الجھن کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دین متین اور عقل سلیم کی روشنی میں محبت کا ایسا معیار تلاش کریں جس کے ذریعے حقیقت واقعیہ منکشف ہو جائے اور ہم بخوبی جان لیں کہ اصلی محبت کا حامل کون ہے۔

معیارِ محبت

اس سلسلے میں بعض حضرات کا مسلک تو یہ ہے کہ محبت کا معیار محبوب کی اتباع اور اس کی پیروی ہے کیونکہ محب، محبوب کا مطیع اور تبع ہوتا ہے۔ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ　　میرے حبیب ﷺ! آپ فرما دیجئے کہ

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ط

اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ (پھر) اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔"

آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ محبت کی شرط اتباع و اطاعت ہے۔ لہٰذا جو گروہ عقل سنت اور پابند شریعت ہے وہی رسول اللہ ﷺ کا محب اور صحیح معنی میں مومن ہے۔

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اتباع و اطاعت جسے معیارِ محبت قرار دیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے۔ کیا حضور ﷺ کے اقوالِ مبارکہ و اعمالِ مقدسہ کے مطابق عمل کرنے کا نام اتباع واطاعت ہے یا اس میں کوئی قید بھی ملحوظ ہے۔ اگر مطلق عمل یعنی حضور ﷺ کے ان اعمالِ مقدسہ کی صرف نقل کو اتباع و اطاعت قرار دیا جائے جن کی موافقت شرعاً مطلوب ہے تو وہ منافقین اور دشمنانِ دین حضور ﷺ کے متبع اور اللہ تعالیٰ کے محبوب قرار پائیں گے جو باوجود منافق ہونے کے اور اپنے دل میں حضور ﷺ کی عداوت رکھنے کے نماز، روزہ اور دیگر اعمالِ حسنہ کرتے تھے۔ بلکہ صحیح احادیث میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ ایک بے دین و گمراہ قوم آخر زمانہ میں پیدا ہوگی۔ وہ قرآن و حدیث پڑھے گی۔ مگر قرآن وحدیث ان کے حلق سے نیچے نہ اتریں گے۔

ایسی صورت میں اس ظاہری اتباع و اطاعت اور سنن کریمہ کے نقل کو کیونکر معیارِ محبت اور دلیل ایمان قرار دیا جاسکتا ہے یہ تو نری نقالی ہے جسے کسی صورت میں محمود و مستحسن نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اتباع اطاعت کے معنی پر غور کیا جائے اور صحیح معیارِ محبت تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ فرما کر ہمیں یہ بتایا کہ اتباع رسول ﷺ کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت ہے۔ محبوب کا دشمن کبھی محبوب نہیں ہوسکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے محبوب کا دشمن اللہ تعالیٰ کا محبوب کیونکر ہوسکتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اس آیت مبارکہ میں اتباع معنی کے محبت رسول کے بغیر صرف ان کے سنن کریمہ کو نقل کرنا نہیں بلکہ فَاتَّبِعُوْنِىْ کے معنی یہ ہیں کہ حبیب خدا ﷺ کی محبت کے نشے میں مخمور اور ان کے جذبات

الفت سے مجبور ہو کر بتقاضائے الفت و محبت ان کی اداؤں میں ڈھل جاؤ۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے محبوب و مطلوب ہیں۔ اور جب تم ان کی اتباع کی پیروی کر کے ان کی پیاری پیاری اداؤں کے سانچے میں ڈھل جاؤ گے تو تم بھی محبوب و پیارے ہو جاؤ گے۔ یہ اتباع قطعاً حضور ﷺ کی محبت کی دلیل ہے۔

مگر بات جہاں تھی وہیں رہی، سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ فلاں گروہ یا فلاں شخص حضور ﷺ کی الفت و محبت کے ساتھ ان کی سنن کریمہ پر عمل کر رہا ہے اور فلاں آدمی بغیر محبت کے محض نقالی میں مصروف ہے آیئے اس سوال کا حل اور معیارِ محبت تلاش کریں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ

(مسند امام احمد)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا (کہ انسان کو جب تک کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو) وہ محبت اس کو محبوب کا عیب دیکھنے سے اندھا اور (محبوب کا عیب سننے سے) بہرہ کر دیتی ہے۔

اس مبارک حدیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ محبت کی ناقابل تردید دلیل اور صحیح معیار یہ ہے کہ مدعی محبت کی آنکھ اور کان محبوب کا عیب دیکھنے اور سننے سے پاک ہو۔ عقل سلیم کے نزدیک بھی محبت کا صحیح معیار یہی ہے کیونکہ محبت کا مرکز حسن و جمال ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ محبت والا آنکھ کو محبوب کی ذات میں کوئی عیب نظر آئے اور اگر کسی کو محبوب میں عیوب اور نقائص نظر آتے ہیں تو وہ اپنے دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے، محبت والی آنکھ کو محبوب کا واقعی عیب نظر نہیں آتا اور حضور ﷺ تو بے عیب ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضور رسالت مآب ﷺ کی شان میں عرض کرتے ہیں۔

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِيْ ....
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ خُلِقْتَ

یا رسول اللہ ﷺ! میری آنکھ نے آپ سا حسین و جمیل کوئی نہیں دیکھا کیونکہ

کَمَا تَشَاءُ

آپ علیہ السلام سا حسین و جمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ آپ ﷺ تو ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے۔ آپ ﷺ ایسے پیدا کئے گئے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ چاہتے تھے۔

ثابت ہوا کہ حضور ﷺ بے عیب ہیں اور جسے بے عیب میں عیب نظر آئے اس کا دعویٰ محبت کہاں تک درست ہوگا؟ اسی معیار پر موجود فرق کو پرکھ لیجئے۔ ...... کوئی گروہ خلفائے راشدین اور محبوبین رسول اللہ ﷺ کو کافر و منافق کہہ کر ذاتِ مصطفیٰ ﷺ پر کفر و نفاق کی محبت کا عیب لگا رہا ہے۔ .... کوئی آلِ اطہار کی شان میں گستاخیاں کر کے سرکار دو عالم ﷺ کو اذیت پہنچا رہا ہے کسی نے حضور ﷺ کے کمالِ خاصیت کا انکار کر کے تنقیصِ شانِ نبوت پر کمر باندھی ہے۔ .... کوئی جماعت تاجدار مدینہ ﷺ کی مقدس احادیث کا انکار کر کے سرکار کی توہین و تکذیب میں معروف ہے۔ .... کسی نے آقائے دو عالم ﷺ کے کمالاتِ علمیہ و عملیہ کا انکار کر کے تنقیصِ رسالت کی۔ ....

غرض کہ کیا کیا لکھا جائے۔ معمولی سمجھ رکھنے والا انسان اس حقیقت کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ عقل و شرح سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اہلِ محبت کو محبوب میں کوئی عیب نظر نہیں آتا اور نہ ہی ان کا کان محبوب کا عیب سن سکتا ہے تو جس قوم کو شب و روز یہی وطیرہ ہو کہ قرآن و حدیث اور دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات اقدس میں عیوب و نقائص ثابت کرنے کے درپے ہو۔ وہ کیونکہ سرکار ﷺ کی محبت کے دعوے میں صادق ہو سکتی ہے؟

خدا کی قسم! حضور تو محمد ﷺ ہیں اور محمد ﷺ کے معنی ہی بے عیب ہیں۔ تو جس نے محمد ﷺ کے اندر عیب مانا۔ اس نے محمد ﷺ کو محمد ﷺ ہی نہیں مانا۔ حضور ﷺ کو محمد وہی مانتا ہے جو حضور ﷺ کو بے عیب مانتا ہے۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم

پس ثابت ہوا کہ تمام فرقوں میں وہ فرقہ اپنے دعویٰ محبت میں سچا ہے جو حضور ﷺ کو تمام عیوب و نقائص سے منزہ اور پاک مانتا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کے ذکر پاک،

درود شریف کی فضیلتیں اور برکتیں

ماہ رخ خان قادری (کاونٹری)

حضور سرور کائنات ﷺ نورِ خداوندی ہیں۔ باعثِ تخلیق کائنات ہیں، عرش، کرسی لوح و قلم، جنت، چاند، سورج آپ ہی کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ کی شانِ رفعت کا کیا کہنا۔ خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ رفعنا لك ذکرك۔ روئے زمین پر پانچوں وقت اذان میں خدا کے نام کے ساتھ حضور ﷺ کا اسم مبارک پکارا جاتا ہے۔ خدا کا بے حد و حساب شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے محبوب ﷺ کا امتی پیدا فرمایا ہے۔ خدا ہم سب مسلمانوں کو حضور ﷺ کے اتباع کامل کی توفیق عطا فرمائے۔ حضور ﷺ کے محامد و مناقب کا احصاء انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔

حضور ﷺ کا ذکر مبارک بھی عبادت ہے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرنا عبادت ہے۔ صالحین کا ذکر کرنا گناہوں کے لئے کفارہ ہے اور موت کا ذکر کرنا صدقہ ہے اور قبر کی یاد تم کو جنت تک پہنچا دے گی۔ (جامع صغیر)

حضور ﷺ کے نام مبارک کی برکت سے دوزخ کی آگ سرد ہو جائے گی

روایت ہے کہ قیامت کے دن قرآن کے حافظوں کی ایک جماعت دوزخ میں داخل ہوگی۔ وہ حضور ﷺ کا اسم مبارک فراموش کر چکے ہوں گے، دوزخ کی آگ ان کو سوختہ کر چکی ہوگی۔ آخر بہ امرِ خداوندی جبرئیل علیہ السلام اُن کو حضور ﷺ کا اسم گرامی یاد دلائیں گے۔ حضور ﷺ کے نام مبارک کی برکت سے دوزخ کی آگ سرد ہو جائے گی اور وہ لوگ دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے۔ (مواھب اللدنیا)

حضور ﷺ کا ہم نام جہنم میں داخل نہ ہوگا

حضور ﷺ کا اُمتِ محمدیہ ﷺ کو فرمان ہے کہ اپنا نام محمد یا احمد رکھا کرو۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن دو آدمی دربارِ خداوندی میں پیش ہوں گے۔ حکم ہوگا ان کو جنت میں لے جاؤ یہ حکم سن کر ان کو تعجب ہوگا۔ اور حق تبارک وت عالیٰ سے عرض کریں گے یا الہ العالمین! ہم نے تو کوئی نیک عمل نہیں کیا، پھر ہم کیوں جنت میں بھیجے جارہے ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا، تم جنت میں جاؤ۔ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جس شخص کا نام محمد یا احمد ہوگا اس کو دوزخ میں داخل نہ کروں گا۔ (مواہب)

حضور ﷺ کا اسم مبارک تمام ملاء اعلیٰ میں مرقوم ہے

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے شیث علیہ السلام سے ارشاد فرمایا تھا۔ اے جانِ پدر! تو میرے بعد خلیفہ ہوگا تقویٰ اور عروہ وثقیٰ کو پکڑے رکھنا اور جب خدا کا ذکر کرو تو اس کے ساتھ محمد ﷺ کا ذکر کرنا۔ میں نے حضرت محمد ﷺ کا اسم مبارک عرشِ الٰہی پر لکھا دیکھا ہے۔ ساتوں آسمانوں میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے، جہاں حضور ﷺ کا نامِ مبارک نہ لکھا ہو۔ جنت میں ہر مکان کی ہر منزل پر اور جنت کے درختوں کے تمام پتوں پر سدرۃ المنتہیٰ کے ہر ہر پتے پر اور جنت کی حوروں کی گردنوں پر حضور ﷺ کا اسم مبارک مکتوب ہے۔ فرشتوں کے چہروں پر، دونوں آنکھوں کے درمیان، حضور سرور عالم ﷺ کا اسم مبارک مکتوب ہے۔ آسمان کے فرشتے حضور سرور کائنات ﷺ کے نام مبارک کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ (مواہب)

حضور ﷺ کے نام مبارک کے توسل سے حضرت آدم کی توبہ قبول

علامہ سیوطی نے "فتلقی آدم من ربه کلمات" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن عساکر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے دانہ گندم کھا کر جنت میں لغزش ہوئی تو انہوں نے

عرشِ الٰہی کی طرف منہ کر کے دُعا کی۔ اسئلك بحق محمد اغفرلی (یا اللہ! حضور محمد ﷺ کے توسل سے میری خطا معاف فرما دے) تو حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا محمد! کون ہے تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا الہ العالمین! تو نے مجھے جب پیدا فرمایا تھا تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مرقوم تھا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کی نظر میں حضور محمد مصطفےٰ ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہیں اسی لئے تو آپ کے نام کے ساتھ اُن ﷺ کا نام لکھا ہوا ہے۔ اس پر حق تبارک وتعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ اے آدم! محمد ﷺ تمہاری اولاد میں خاتم النبیین ہوں گے اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔ (مواہب)

حضرت آدم علیہ السلام کی وحشت حضور ﷺ کا نام سن کر دور ہوگئی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر اتارے گئے تو ان کو تنہائی اور دوسرے عالم میں پہنچنے سے سخت وحشت ہوئی تو جبرئیل امین علیہ السلام زمین پر تشریف لائے اور بلند آواز سے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ محمد رسول اللہ یہ کلمات سن کر حضرت آدم علیہ السلام کو تسکین حاصل ہوئی۔ (مواہب)

حضور ﷺ قیامت کے دن براق پر سوار ہونگے

حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن انبیائے کرام چوپاؤں پر سوار ہوں گے اور میں براق پر سوار ہوں گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنت کی ایک اونٹنی پر سوار ہونگے اور میدانِ قیامت میں اذان دیں گے۔ وہ جس وقت اشھد ان محمد رسول اللہ پکاریں گے تو اولین اور آخرین کے تمام مومنین شہادت دیں گے۔ ان محمد رسول اللہ۔ (مواہب)۔

حضور ﷺ کے نام مبارک کے توسل سے مردہ زندہ ہو گیا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک مہاجر نابینا بوڑھیا کا بیٹا انتقال کر گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ تعزیت کے لئے گئے۔ نابینا بوڑھیا نے میت کو چادر اڑھا دی اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے حق سبحانہ سے درخواست کی کہ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے تیرے اور تیرے نبی کی طرف ہجرت کی اسی امید پر کہ تو میری مصیبت کے وقت مدد کرے گا۔ اے خدا! مجھ میں یہ صدمہ برداشت کرنے کی طاقت نہیں مجھ پر رحم فرما، کرم فرما۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دُعا کے خاتمے پر میت کے جسم میں حرکت محسوس ہوئی میں نے چادر کھول کر دیکھا تو وہ جوان زندہ تھا۔ اٹھ بیٹھا اور کچھ دیر بعد ہم نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

لوح محفوظ پر سب سے پہلے کیا لکھا ہوا ہے؟

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں سب سے پہلے یہ تحریر فرمایا ہے۔

انی ان اللّٰہ لا الٰہ الا انا سبقت رحمتی علی غضبی فمن شھد ان لا الٰہ الا انا وان محمد عبدہ ورسولہ خلد الجنۃ

میں بلا شک وشبہ خدا ہوں۔ میرے علاوہ کوئی اور خدا نہیں ہے، میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے جو شخص اس امر کی شہادت دے گا کہ میرے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اس کو جنت عطا کروں گا۔ (فردوس دیلمی)

پتھر پر نام مبارک قدرتی نقش تھا

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کتب سابقہ میں پڑھا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ایک پتھر ملا تھا، جس پر قدرتی چار سطریں مکتوب تھیں، پہلی سطر میں لکھا تھا۔

انا الله لا اله الا انا فاعبدونی — میں ہی خدائے برحق ہوں، میرے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ صرف میری عبادت کرو،

دوسری سطر میں لکھا ہوا تھا۔

انی انا الله لا اله الا انا محمد رسول فطوبی لمن امن ابی — میں خدائے برحق ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد ﷺ میرے رسول ہیں، جو مجھ پر ایمان لائے گا اس کے لئے جنت ہے۔

مسلمانوں کو درود شریف پڑھنے کا حکم

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

ان الله وملائکته یصلون علی النبی یا ایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما — اللہ تعالیٰ اور فرشتے جناب رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے مومنو! تم بھی درود پڑھو۔

حق تبارک و تعالیٰ کا یہ حکم حضور سرور کائنات ﷺ کے انتہائی اعزاز کی دلیل ہے۔ احادیث نبویہ میں درود شریف کے بے شمار فضائل مذکور ہیں۔

درود شریف بارگاہ نبوت میں پیش ہونے سے پہلے دربارِ خداوندی میں

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو درود شریف پر موکل کر رکھا ہے جو درود شریف کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فلاں امتی نے آپ کے لئے صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش کیا ہے۔

درود شریف بارگاہ نبوت میں پہنچانے کے لئے فرشتوں کا انتظام

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو درود شریف پر موکل کر رکھا

ہے جو درود شریف کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فلاں امتی نے آپ کے لئے صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا ہے۔

اہل محبت کا درود حضور ﷺ خود سماعت فرماتے ہیں

جب بھی اہل محبت درود شریف پڑھتے ہیں تو ان کا درود حضور ﷺ خود سماعت فرماتے ہیں پڑھنے والوں کو پہچانتے بھی ہیں۔

حضور ﷺ گنبدِ خضرا میں خود درود وسلام سماعت فرماتے ہیں

حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان (میری قبر پر) درود وسلام عرض کرتا ہے۔ مجھے اس کی آواز پہنچا دی جاتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وفات کے بعد کیسے سماعت فرمائیں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر حرام قرار دیا ہے۔

قبر میں سب سے پہلے حضور ﷺ کے بارے میں سوال ہوگا

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھا کرو۔ قبر میں سب سے پہلے تم سے میرے بارے میں ہی سوال کیا جائے گا۔

(رواہ السخاوی وابن عساکر)

درود وسلام پڑھنے والے پر خدا تعالیٰ بھی درود وسلام بھیجتے ہیں

حضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے مجھے بشارت دی ہے کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو شخص تم پر سلام پڑھے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ (رواہ احمد وحاکم)

درود شریف پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں

حضرت امام حسین علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ درود شریف کثرت سے پڑھا کرو کیونکہ درود شریف پڑھنے سے گناہ معاف ہو

جاتے ہیں۔ (ابن عساکر)

حضور ﷺ کے نام مبارک کے ادب اور تعظیم سے دوزخی جنتی بن گیا

حضرت روہب رضی اللہ عنہ بن منبہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت نافرمان تھا سو سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوگیا۔ لوگوں نے اس کی نعش اٹھا کر کوڑے میں پھینک دی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی، جاؤ اس کو نکالو اور نمازِ جنازہ پڑھو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! بنی اسرائیل شاہد ہیں کہ وہ نہایت بدکار اور نافرمان تھا حق تبارک و تعالیٰ نے خطاب فرمایا۔ ہاں بات تو یہی ہے، مگر اس کی عادت تھی کہ وہ جب توراتِ شریف کو کھولتا تھا اور اس کی نظر جناب محمد مصطفےٰ ﷺ کے نام نامی پر پڑتی تھی تو وہ حضور کے نام مبارک کو بوسہ دیتا تھا، آنکھوں سے لگاتا تھا۔ مجھے اس کی یہ بات پسند آگئی، میں نے اس کو بخش دیا اور جنت میں ۷۰ حوریں عطا فرمائی ہیں۔ (حلیہ ابن نعیم)

یہ سرکار دو عالم ﷺ کے اسم اقدس کے فضائل اور درود شریف پڑھنے کے برکات میں سے چند کا ذکر کیا گیا ہے، مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ان فضائل و برکات پر توجہ دیں اور سرکار دو عالم ﷺ کے اسم اقدس اور درود شریف کی تمام فضیلتیں اور برکتیں حاصل کریں۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

رسول اللہ ﷺ کی

بچوں سے محبت و شفقت

محمد خضر حیات

آنحضرت ﷺ کا سلوک بچوں کے ساتھ انتہائی رحمت و شفقت کا تھا۔ بچوں کے ساتھ آپ ﷺ ہمیشہ مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ چند مستند واقعات پیش کیے جاتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کس طرح بچوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کیا کرتے تھے آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے اس پر آپ نے کس طرح عمل کیا ہے؟

سیرت و حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ راہ میں اگر بچے آپ ﷺ کو نظر آجاتے تو آپ انہیں بھی سلام کرتے تھے اور پیار کرتے تھے۔

ہجرت کے موقع پر جب مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ داخل ہوئے تو انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی میں دروازوں سے نکل کر آپ کے خیر مقدم کے ترانے گا رہی تھیں جب آپ ﷺ نے انہیں دیکھا تو ارشاد فرمایا۔

"بچیو! کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ (مفہوم) سب نے جواباً عرض کیا۔ یقیناً یارسول اللہ" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں۔ (از مفہوم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ "میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ ہوتا ہے کہ دیر میں ختم کروں گا۔ ناگہانی صف سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے اور میں اس خیال سے نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہو رہی ہوگی۔ (مفہوم)۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "میں بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا تھا اور ڈھیلے مار کر کھجوریں گراتا رہتا تھا۔ ایک دن میں یہ شرارت کرتے ہوئے پکڑا گیا اور پکڑ کر لوگ مجھے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں لے گئے۔ آپ نے مجھ سے دریافت کیا۔ تم ڈھیلے کیوں مارتے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ کھجوریں کھانے کے لئے

ڈھیلے مارتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو کھجوریں زمین پر ٹپک جاتی ہیں۔ انہیں اٹھا کر کھا لیا کرو۔ ڈھیلے نہ مارا کرو۔ اور یہ ارشاد فرما کر آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے دُعا دی۔ (سیرت النبی ﷺ ج، ص ۳۸۰)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے اپنے گھر کا قصد کیا۔ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ کسی طرف سے چند لڑکے نکل آئے آپ ﷺ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔ اس رحمت و شفقت کے ساتھ آپ ﷺ بچوں سے پیش آیا کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ عرصۂ دراز تک آپ ﷺ کی خدمت انجام دیتے رہے۔ بہت کم سنی ہی میں آپ ﷺ کی خدمت گزاری حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تھی۔ چونکہ ابھی بہت کم عمر تھے اس لئے ان سے بہت سے کام ہو نہیں سکتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے کسی بھی کام کے نہ ہونے پر کبھی بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے باز پرس نہیں کی، سختی نہیں کی، ڈانٹا نہیں۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کس جذبہ کے ساتھ بچوں سے حسن سلوک کرتے تھے۔ یہ محبت و شفقت کا برتاؤ صرف مسلمان بچوں ہی کے لئے مخصوص نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ "رحمۃ للعالمین" ہیں۔ غیر مسلموں کے بچوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ اسی طرح شفقت و محبت کا برتاؤ فرماتے تھے۔

ایک غزوہ میں چند غیر مسلم بچے جھپیٹ میں آ کر مارے گئے۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نہایت آزردہ ہوئے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (ﷺ)! وہ تو مشرکین کے بچے تھے۔" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ مشرکین کے بچے بھی بچے ہی تھے۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا کی فطرت پر ہی پیدا ہوتی ہے۔ اس طرز عمل سے سرکار دو عالم ﷺ کا بچوں سے حسن سلوک اور ان سے محبت و شفقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ اسوۂ حسنہ آج بھی ہمارے لئے وا.ب العمل اور لائق تقلید ہے۔ اسی طرح ایک ایسا بہترین سماج پیدا ہو سکتا ہے جس میں کسی بھی انسان سے نفرت کا نام و نشان بھی نہ ہوگا۔ انسان سے صرف محبت ہی محبت کا فعل ہوگا اور بس۔

سیدنا محمد ﷺ! عورتوں کے محسن اعظم

محترمہ بیگم ہرمزی قدوائی

یہ بات ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ دورِ جاہلیت کے عرب جب دختر کشی اور قتل اولاد جیسے مہیب گناہوں میں ملوث تھے اور ان گناہوں پر فخر بھی کرتے تھے۔ عرب میں یہ رواج کیوں پڑا تھا؟ اس کی کئی وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔ عرب میں اولاد کی کثرت تھی مگر ان کی پرورش کے قدرتی وسائل بالکل محدود تھے اس کے بڑے حصے کو وادیٔ غیر ذی زرع کہا گیا ہے۔ یہاں کی قدرتی پیداواریں بہت ہی کم تھیں۔ خود حضور رسول مقبول ﷺ کی خوراک میں جن چیزوں کا ذکر ہم پاتے ہیں وہ وہی ہیں جو عام طور پر وہاں کثرت سے پیدا ہوتی تھیں۔ اور عوام کی بنیادی خوراک تھیں یعنی کھجور اور جو۔ جس شخص کے پاس کچھ تھوڑا بہت اثاثہ تھا وہ مویشی بھی پال لیتا تھا اور تجارت میں بھی شریک ہوتا تھا۔ لیکن زراعت اور تجارت سے بھی محدود سطح پر تھیں۔ اوران باتوں کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ لوگوں کے وسائل معیشت وسیع نہ تھے اور دس بارہ اولادوں کا پالنا محال ہو جاتا تھا مرد تو پھر بھی کاروبار حیات میں کارآمد رکن بن سکتے تھے مگر لڑکیاں گھرانہ کا بوجھ ہی ثابت ہوتی تھیں اور دورِ جاہلیت میں ان کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دینے کا گناہ شاید اس وجہ سے بھی پیدا ہوا ہے پھر عرب یہ بھی سوچتے تھے کہ لڑکے تو میدان کارزار میں ہمارے دوش بدوش لڑ سکتے ہیں لڑکیاں کس مرض کی دوا ہیں۔ جنگ و جدال قبائلی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ ہزیمت خوردہ قبیلہ کی لڑکیاں دشمن کے حوالہ کر دی جاتی تھیں جس سے باپ عزت کی پر حرف آتا تھا۔ اگر کوئی اس ذات سے بچنا چاہتا تھا تو زرنقد بطور فدیہ دے کر اپنی لڑکیاں چھڑا لیتا تھا لیکن جو نادار ہوتے تھے وہ تو اپنی لڑکیوں کو دشمن کے حوالہ کرنے ہی پر مجبور تھے ان حالت کو دیکھتے ہوئے لوگوں نے یہی بہتر سمجھا کہ لڑکیوں کو پیدائش کے بعد یا تو زندہ دفن کر دیا جائے یا کسی پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دیا جائے۔

پیدائش سے قبل بیٹا پیدا ہونے کے ارمان ہوتے تھے اور بتوں سے دُعائیں مانگی جاتی تھیں کہ اولاد نرینہ تولد ہو۔ یہ لوگ بت پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور ایک اَن دیکھے خدا کے تصور سے کبھی آشنا نہ ہوئے تھے، اس لئے قدرتی بات تھی کہ اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے پتھروں کو معبود سمجھنے کی لعنت میں گرفتار تھے۔ ان کے ذہن میں فرشتوں کا بھی ایک تصور تھا مگر یہ تصور بھی بہت حقیر تھا۔ وہ انہیں اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے (نعوذ باللہ) اور چونکہ ان کے نزدیک وہ فرقہ اناث سے تھے اس لئے وہ ان کو بھی حقیر مخلوق جانتے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کے معاشرے میں عورت ضرور موجود تھی مگر اسے کوئی معزز و سوقر مقام حاصل نہیں تھا۔ یہ لوگ عورت کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے تھے عورت سے متعلق عشق و محبت کے قصے بھی ان کے ہاں مشہور تھے۔ بعض قصص و حکایت ایسی بھی ملتی ہیں جن سے عورت جنگوں میں جوش دلانے والے ایک وسیلہ کی حیثیت سے بھی نظر آتی ہے مگر یہ سب باتیں خال خال ہیں۔

حضور ﷺ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی مجلس میں آپ تشریف فرما تھے کہ حاضری سے مخاطب ہوئے۔

"کیا تم اس بات پر بیعت نہیں کرتے ہو کہ خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے اور نہ کسی ایسی جان کو جس کا قتل خدا نے حرام قرار دیا ہے ناحق قتل نہ کرو گے۔ تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے اور نہ کسی پر تہمت لگاؤ گے...... (مفہوم)

حضور سرورِ کائنات ﷺ نے اسی موقع پر بھی عہد لیا۔ تم میری نافرمانی نہیں کرو گے۔ جس شخص نے اس عہد کو پورا کیا اس کا اجر خدا کے پاس ہے اور جس شخص نے سوائے گناہِ شرک کے ان میں سے کسی فعل کا ارتکاب کیا اور اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر ہے چاہے وہ معاف کرے چاہے وہ سزا دے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قتل اولاد سے روکا گیا ہے وہ عربوں کی رسم دختر کشی کی طرف ہی اشارہ ہے مگر قتل اولاد کی ایک اور شکل بھی عربوں میں رواج پا گئی

تھی اور سنت کی رسم قبیح تھی۔ ہوتا یہ تھا کہ عرب منتیں مانگتے تھے اور منت پوری ہونے پر اپنے وعدہ کے مطابق قربانی دیا کرتے تھے۔ یہ قربانی اونٹوں کی بھی ہوتی تھی، مال و زر کی بھی ہوتی تھی اور اولاد کی بھی ہوتی تھی لیکن سلام نے اولاد کی قربانی کی ممانعت فرما دی ہے۔

غرض اس وقت کی دنیا ایسی ہی برائیاں اور عذابوں میں گرفتار تھی۔ عرب بالخصوص بہت پسماندہ تھا اس لئے قدرت حق نے اسی سرزمین کو چنا کہ یہاں محسن انسانیت ﷺ کی پیدائش ہو اور جہل دور ہو۔ حضور انور ﷺ کی پیدائش اور بعثت سے منشائے خدا پورا ہوا۔ عربوں پر ہی نہیں پوری انسانیت پر رسول اللہ ﷺ کے احسانات ان گنت اور بے شمار ہیں مگر میں خصوصیت کے ساتھ آپ کے ان احسانات کا ذکر کرنا چاہتی ہوں جو آپ نے طبقہ اناث پر کئے ہیں۔ بلکہ حضور ﷺ تو عورتوں کے لئے آئینۂ رحمت بن کر تشریف لائے تھے۔

مردوں نے عورت کو اپنی ضرورتوں کے لئے ایک کھلونا بنا رکھا تھا اور وہ اسے جس وقت چاہتا تھا توڑ دیتا تھا۔ اس کو نہ ماں باپ کے گھر میں عزت کا مرتبہ حاصل تھا اور نہ شوہر کے گھر میں اس کی کوئی عزت تھی۔ لیکن اللہ رب العزت کے حکم اور حضور ﷺ کے پرتاثیر ارشادات نے عربوں کی اس ذہنیت کی کایا پلٹ دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہو اور وہ اسے زندہ نہ گاڑے، نہ اسے ذلیل خیال کرے اور نہ اولاد نرینہ سے اسے حقیر جانے تو ایسا شخص جنت میں داخل ہوگا۔" (مفہوم ابوداؤد)

اللہ رب العزت کے اس سچے اور عظیم تر رسول ﷺ نے کس طرح لڑکی کی جان بخشی کرائی اور اس کا معاشرت میں درجہ بلند کیا۔

غیر مسلم ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں میں عورتوں کو جاہل رکھا جاتا ہے۔ برا ماننے کی بات نہیں ہم خود ہ فرمان نبوی ﷺ کو بھولے ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ نے تو ہمیں یہ تلقین کی تھی۔ علم حاصل کرنا ہر مومن اور مومنہ پر فرض ہے۔" مگر ہم غیر مسلم معاشرہ میں رہنے کے باعث نہ صرف اس فریضہ سے غافل ہو گئے بلکہ دوسری برائیاں بھی ہمارے معاشرہ میں در آئیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم غیر مسلموں کی طرح اپنی لڑکیوں کو

حقیر سمجھنے لگے۔ یہ تنگ نظری اتنی بڑھی کہ ان کی پیدائش پر کچھ مسلمان بھی ناک بھوں چڑھانے لگے اور انہیں کنبے میں بار سمجھنے لگے۔ اب انہیں زندہ درگور تو نہیں کر سکتے لیکن جو مرتبہ حضور ﷺ کے طفیل لڑکیوں کو ملا تھا وہ ہم انہیں نہیں دیتے۔ موٹا کپڑا پہنایا جاتا ہے اور ایسا ہی کھلا دیا جاتا ہے اور جب لڑکی شادی کے قابل ہوتی ہے تو جلد از جلد اسے سر سے ٹالنے کی کوشش ہوتی ہے بلکہ بے دیکھے بھالے شادیاں کر دی جاتی ہیں اگر اب حالات سدھر گئے ہیں یا بعض کنبوں میں ہماری لڑکیاں بہتر حالت میں آ گئی ہیں تو یہ بڑی ہی اچھی بات ہے مگر ایک عام گفتگو کر رہی ہوں۔

لڑکیوں کو زیورِ تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کی تاکید حضور ﷺ نے بار بار فرمائی ہے مسلم اور ترمذی کی روایت ہے۔ جو شخص لڑکیوں کی پرورش کرے۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں آپ نے اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) تو میں اور وہ اس طرح اکھٹے جنت میں داخل ہونگے۔ (مفہوم)

ایک اور موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ "جس شخص نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بہنوں یا دو بیٹوں کی پرورش کی۔ انہیں پڑھایا، سلیقہ سکھایا، ان کے ساتھ نیک سلوک کیا اور پھر ان کی شادی کر دی تو وہ شخص جنتی ہو گیا۔...... (مفہوم)

ان دونوں ارشادات سے بخوبی ظاہر ہے کہ حضور پُرنور ﷺ کو لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کس قدر عزیز تھی بلکہ آپ نے تو یہاں تک تاکید کی تھی کہ جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں انہیں تربیت و تہذیب سے آراستہ کیا جائے یہ نہیں کہ دو چار ابتدائی کتابیں پڑھا کر تعلیم و تربیت کی انتہا سمجھ لی جائے حضور ﷺ کا ارشاد یہی ہے کہ لڑکیوں کو وہ تعلیم دلواؤ جو ان کے لئے عرصہ حیات میں مفید ثابت ہو سکے اور وہ بہتر مائیں بن کر قوم کو باعزت مقام دلا سکیں۔" (مفہوم)

ہمارے معاشرے میں اب تعلیم کا چرچا عام ہوا ہے تو وہ بھی کاروباری حیثیت سے شروع ہوا ہے۔ میں نے اکثر لوگوں کے یہ الفاظ لڑکیوں سے سنے ہیں۔ یا تو اپنی تعلیم پر روپیہ خرچ کرا لو یا شادی پر خرچ کرا لو۔" حالانکہ یہی مرحلہ ہے جب ہمیں ارشادِ نبوی

ﷺ پر عمل کرنا چاہیے جس میں صراحتاً کہا گیا ہے۔لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ہی ان سے نیک سلوک بھی کرو اور پھر ان کی شادیاں بھی کرو۔ تب ہی آدمی جنت کی نعمتوں کا مستحق اور رضائے الٰہی کو پورا کرنے والا بن سکتا ہے۔ (مفہوم)

شاید اس کے بتلانے کی مجھے ضرورت ہے کہ ''حسن سلوک'' کا مقصد کیا ہے۔لڑکیوں کے ساتھ معاشرہ میں اچھے سلوک کا مقصد یہ ہے کہ حقیقتاً لڑکوں کے برابر ہی انہیں عزت دی جائے۔لڑکوں کے برابر ہی ان کی بھی تعلیم وتربیت کی جائے۔ میں نے بعض گھروں میں یہ برا طریقہ بھی دیکھا ہے کہ مائیں لڑکیوں کے مقابلہ پر لڑکوں کو بہتر غزا دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ''لڑکے تو دنیا کا بوجھ اٹھائیں گے، لڑکیاں کیا لام پر جائیں گی'' مگر اس قدر ذہنیت کی خامی ظاہرہ۔ اگر ہم اپنی بے پرواہی یا عدم مساوات سے اپنی لڑکیوں کو جسمانی اعتبار سے کمزور رکھیں گے تو کیا وہ بہتر اور صحت مند مائیں بن سکیں گی؟ عورتوں کو ذہنی اور جسمانی دونوں طریق پر توانا و صحت مند ہونا ضروری ہے جب تک ہم ایسا نہ کریں گے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کی ناخوشی مول لیں گے۔

ایک اور غلط رجحان جو ہمارے معاشرے میں ابھر رہا ہے وہ یہ ہے کہ لڑکیوں کو اچھی تعلیم اس لئے دی جائے کہ وہ کوئی ملازمت کر کے کچھ کما کر لائیں اور جب وہ وسیلہ معاش تلاش کر لیتی ہیں تو بعض لالچی والدین ان کی شادیاں نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ خود اتنا کماؤ کہ تم اپنی شادی کا بوجھ اٹھا سکو۔ یہ ذہنیت بھی سودے بازی کی ذہنیت ہے اور کوئی صحت مند علامت نہیں ہے اللہ اور رسول ﷺ کی خوشنودی تو اس وقت حاصل ہو سکتی ہے، جب ہم بلا معاوضہ اپنی اولاد کی خدمت کریں، خواہ وہ لڑکا ہو لڑکی؟ یعنی کسی خودغرضی کو دخل نہ ہو، ورنہ معاشرہ میں طرح طرح کی دوسری برائیں جڑ پکڑ لیں گی۔

ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے...... میں اور وہ عورت جس کے رخسار پر سیاہ دھبے پڑ گئے ہوں روزِ جزا ایسے نزدیک ہونگے جیسے انگوٹھے کے پاس کی

دونوں انگلیاں...... (مفہوم)۔

یہاں رخسار پر سیاہ دھبے رکھنے والی عورت سے مراد وہ عورت ہے جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو مگر وہ اپنے یتیم بچوں کی خاطر نکاح ثانی نہ کرے۔ تا آنکہ اس کے رخساروں پر سیاہ داغ پڑ جائیں۔ بعض اوقات بچوں کی خاطر ایسی نفس کشی بھی اجر کی مستحق قرار دی گئی ہے اور حضور ﷺ نے ایسی بے غرض ماؤں کو روزِ جزا اپنے قریب ہونے کی بشارت دی ہے اس روایت سے یہ بھی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ بچوں کی پرواخت میں بے لوث اور بے غرض ہونا چاہیئے۔

اب لڑکیوں کے معاشرتی و قانونی حقوق کی طرف غور کیجئے۔ اسلام سے پہلے لڑکی کو باپ سے کوئی ورثہ نہیں ملتا تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ لڑکی کو معاشرہ میں "بیکار فرد مانا جاتا تھا۔ لہٰذا وہ کسی بھی حق کے لئے موزوں نہ سمجھی جاتی تھی مگر حضور ﷺ نے ہی لڑکیوں کے ورثہ کی نوید بھی سنائی۔ خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا۔

للرجال نصيب مما ترك الوالدان والا قربون ص وللنساء نصيب مما ترك والوالدان والا قربون مما قل منه او كثر نصيبا مفروضا٥

اسلام کا حکم یہ ہے کہ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔ لڑکیوں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصہ خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔

(پارہ ۴: سورۂ نساء: آیت ۷)

اس ارشادِ خداوندی کے بعد عورتوں کا مالی مستقبل مستحکم ہو جاتا ہے ان صریح احکام کی خلاف ورزی خیانت ہے اور اس کی جواب دہی اللہ رب العزت کے حضور میں کرنی ہوگی۔

خود رسول مقبول ﷺ کا عمل اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمایئے۔ ایک دفعہ ایک صحابی حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ربیعہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔

اولاد میں صرف دو لڑکیاں چھوڑیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بھائی نے سارے ترکہ پہ قبضہ کر لیا اور لڑکیوں کو بالکل محروم کر دیا۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیوہ حضور

رسولِ مقبول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس واقع کی شکایت کی۔ اس پر یہ آیت جو نیچے درج ہے نازل ہوئی اور حضور انور ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بھائی کو بلوا کر حکم دیا۔ سعد کی دونوں بیٹیاں کو ترکہ میں سے دو تہائی اور بیوہ کو آٹھواں حصہ ادا کرو، بقیہ خود رکھو۔ (مفہوم، ترمذی وابوداؤد)۔

تمہاری اولاد سے متعلق اللہ تعالیٰ کی یہ تاکیدی حکم ہے کہ ترکے میں شریک کے لئے دولڑکیوں کے برابر حصہ ہے اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو اسے آدھا ترک ملے گا اور (میت کے) ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصے ملے گا۔ بشرطیکہ وہ اپنے پیچھے اولاد بھی چھوڑے۔ اگر اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور وارث ماں باپ ہی ہوں تو ماں کے لئے ایک تہائی۔ اگر (ماں باپ کے ساتھ) بہن بھائی بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہوگا۔

قرآن حکیم نے اس آیت کے مطابق عورتوں کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ بحیثیت بیٹی بھی اور بحیثیت بیوی، بہن اور ماں بھی۔ اب آپ دوسرے دینوں اور ملتوں کی طرف دیکھیں تو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ عورت کے حقوق کے تحفظ کا کیا عالم ہے؟ عورت کو بحیثیت ایک معزز فرد معاشرہ میں کسی مذہب نے اتنی سہولتیں اور حقوق نہیں دیئے ہیں۔

عورت کا نکاح بھی اس کی رضا کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ مرد پر مہر بھی فرض کیا گیا ہے تاکہ لوگ حرمتِ نکاح اور حرمتِ نساء دونوں کی حکمت سے عملاً آگاہ ہوسکیں اور عورت کو ارزاں یا رزل نہ سمجھیں۔ اس باب میں حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ایک واقعہ عرض کرتی ہوں۔

ایک لڑکی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ میرا نکاح کر دیا گیا ہے مگر میں اس نکاح سے ناخوش ہوں۔ اس پر آپ نے اسے یہ اختیار دیا کہ وہ چاہے تو نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ (مفہوم)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی کو اپنے شوہر کے انتخاب کا مجاز قرار دیا

گیا ہے مگر ہم غیر مسلم معاشرہ میں صدیوں تک گھرے رہے ہیں اس لئے ان کی خو بو اور معاشرتی برائیاں بھی ہم میں آ گئی ہیں اور ان ہی طرح ہم بھی عورتوں کے ان صریح حقوق کو بھول گئے ہیں۔

حق مہر کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ مہر وہ رقم ہے جو بطور ہدیہ یا نیک سلوک ہم اپنی منکوحہ کو دیتے ہیں یا اس کی ادائیگی کا اقرار صالح کرتے ہیں۔ خود قرآن حکیم نے اس حق کی ادائیگی کی تاکید کی ہے۔ سورۂ نسا میں ہے کہ واتو النساء (عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ انہیں دے دو) مہر کی رقم کچھ بھی مقرر ہو سکتی ہے مگر شرعی حد ضرور قائم رہنی چاہیے۔ البتہ اس کی ادائیگی یکمشت اور قسط اور دونوں طرح ہو سکتی ہے۔

رقم مہر کے سلسلہ میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا ایک واقعہ یہاں دوہرا دینا بے کل نہ ہوگا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا۔ "لوگو! حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اپنے نکاحوں میں کبھی چالیس اوقیہ یا چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا تھا۔ بلکہ اس سے کم ہی ہوتا تھا۔ اس لئے اگر تم میں سے کوئی اس سے زیادہ مہر مقرر کرے گا تو میں اسے تسلیم نہیں کرونگا اور زائد رقم بیت المال میں داخل کرا دوں گا۔ یہ خطبہ سن کر مجمع میں سے ایک عورت کھڑی ہوگئی اور اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ٹوکا اور کہا امیر المومنین! کیا آپ ہمیں اس حق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم عورتوں کو ملا تھا۔ پھر اس نے سورۂ نساء کی آیت کا حوالہ دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ "اگر مہر میں تم بیوی کو بہت سا مال دے چکے ہو تو وہ اس سے واپس مت لو۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی غلطی محسوس کی اور فرمایا۔ مدینہ کی عورتیں تو عمر رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ فقیہ ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ اگر مستطیع ہے تو زیادہ رقم مہر بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ ایام جاہلیت میں باپ یا ولی مہر کی رقم وصول کرتا تھا مگر یہ عورت کی ملکیت نہ ہوتی تھی۔ اسلام نے یہ حق عورت کو دلوایا ہے۔ وہ اپنی رقم مہر کی پوری طرح مالک اور جس طرح چاہے اسے خرچ کر سکتی ہے اگر زر نقد نہ ملے تو وہ مہر میں جائیداد اور سونا چاندی بھی لے سکتی ہے۔

سیرتِ طیبہ ﷺ اور ہماری سیرت

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

ہمیں اس موضوع پر غور و فکر کی ترغیب اس لئے ہوئی کہ ہماری محکومی کے دور میں ہماری زندگی اس نمونے پر ڈھل گئی تھی کہ زندگی کے تمام تقاضے، خواہ وہ معاشرتی ہوں یا معاشی، سیاسی ہوں یا ثقافتی، تعلیم ہوں یا تبلیغی لادینی (Secular) نظام سے پورے ہوئے ہوتے تھے اور مذہب کی حیثیت ایک نظامِ زندگی کے بجا انفرادی زندگی کے نجی پہلو کی ہوگئی تھی کیونکہ لادینی نظام سے زندگی کے مسائل حل ہونے کی صورت میں زندگی سے عقیدے اور عبادات کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس لئے عقیدہ وہم بن گیا تھا اور عبادات رسوم اور ظواہر میں تبدیلی ہوگئی تھیں۔ اور یوں ہماری زندگی قول اور عمل کے تضاد کا نمونہ بن گئی تھی، جس میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ کیونکہ لادینیت (Secularism) کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کا کوئی دخل معاشرت، معیشت، سیاست اور تعلیم میں نہ ہو۔ معاشرت میں عمرانی وحدت کے شعور کی بنیاد کلمہ طیبہ کے بجائے جغرافیائی، وفاداری یا وطن پرستی بن جائے تو توحید، رسالت، آخرت کا کوئی تعلق اجتماعی زندگی سے باقی نہیں رہتا اور اگر معاشی تخلیق کا عمل جائز و ناجائز کے امتیاز اور اخلاقی احتساب سے بالاتر متصور ہو، جیسا کہ لادینی معیشت کا خاصہ ہے تو معیشت کا تعلق خدا، رسول ﷺ اور آخرت سے باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح سیاسی زندگی میں حکومت اور عوام دونوں کی زندگی میں محرک عمل فرائض کی بجا آوری کے بجائے مطالبۂ حقوق بن گیا ہو تو سیاست بھی لادینی نمونے پر ڈھلنے کے بعد خدا رسول ﷺ اور آخرت سے بے تعلق ہو جاتی ہے اور تعلیم کا مقصد حیات اسلامی کو دوام و استمداد عطا کرنے کے بجائے کسب معاش بن جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ تعلیم کا رشتہ بھی اسلام سے منقطع ہوگیا۔

اندریں صورت ہمارا اسلامیت کا دعویٰ صرف قول اور عمل کا تضاد بن کر رہ جاتا

ہے اور پاکستان بن جانے کے بعد بھی ہم ابھی تک قول و عمل کے تضاد سے اس لئے نہیں نکل سکے کہ تمام سیاسی اور مذہبی قائدین نے گزشتہ سو ڈیڑھ سو سال کے دور میں لادینی ماحول ہی میں آنکھ کھولی اور ہر شخص نے اپنے آپ کو اس میں بے بس محسوس کیا۔

سیرت کیا ہے؟

زندگی میں کوئی تبدیلی نصب العین کے حوالے کے بغیر نہیں لائی جاسکتی۔ اور نصب العین کے بغیر زندگی کو ضبط اور انقیاد کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔ سیرت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ سیرت یا کردار نام ہی پسندیدہ اور ناپسندیدہ کے درمیان امتیاز پر اصرار اور اس اصرار کی قیمت ادا کرنے کا ہے اور پسندیدہ اور ناپسندیدہ کا تعین نصب العین ہی کے حوالے سے ہوسکتا ہے۔ مقصد کا شعور باقی نہ رہے تو بے راہ روی پیدا ہو کر رہے گی۔

اصلاح سیرت کی شرط

ہماری سیرت کے پسندیدہ نمونے پر ڈھلنے کی تین شرطیں ہیں۔ ایک نصب العین یا منتہائے مقصود، جس کے حوالے سے زندگی میں نظم وضبط پیدا ہوگا۔ دوسرے نمونۂ کمال کا پیش نظر رہنا، جو محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے جس کی طرف اس آیۂ پاک میں اشارہ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اور تیسرے ایک ایسے محرک کا مہیا ہونا جو استقامت عطا کرے اور انحراف نہ کرنے دے۔ یہ تینوں شرطیں پوری ہوں تو ناممکن ہے کہ صحیح نمونے پر سیرت کی تشکیل نہ ہوسکے۔

علم اور عمل

جب ہماری نظر اس انقلاب سیرت کی طرف جاتی ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں پیدا ہوا تھا اور ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس اخلاقی انقلاب کا طریقہ کیا تھا اور

"ایمان" جو سیرت کا اہم ترین پہلو ہے، کیسے راسخ ہو سکتا ہے تو ہم اس بناء پر کہ علم بھی ایک قضیہ ہے اور ایمان بھی ایک قضیہ ہے۔ ایمان کو علم کی تمثیل پر محسوس کر کے یہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ ایمان کا تعلق عمل اور اس کے مقصود سے ہے اور علم کا تعلق حقیقت سے ہے۔ اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ علم اور عمل دو بالکل جدا اور مختلف فضائل ہیں۔ علم ادراک حقیقت کا نام ہے اور عمل حصولِ مقصد کا۔ علم کی ابتدا شک سے ہوتی ہے اور عمل کی یقین سے۔ علم کا مسئلہ یہ ہے کہ حقیقت کیا ہے اور عمل کا مسئلہ یہ ہے کہ مقصود کیسے حاصل ہو۔ علم کے مضمرات یہ ہیں کہ ایک طرف ناظر ہو، دوسری طرف منظور ہو۔ ناظر میں سمجھنے کی استعداد ہو اور منظور ایسا ہو جو ناظر کی استعداد سے ادراک میں آسکے اور اس سے بالکل مختلف عمل کے مضمرات یہ ہیں کہ مقصود کا تعین ہو۔ حصولِ مقصد کی راہ میں مزاحمت ہو اور مقصود کو حاصل کرنے والے کی طرف سے اس مزاحمت کی مزاحمت ہو۔ علم کا وظیفہ توجیہ و تعلیل ہے اور عمل کا وظیفہ تخلیقِ نتائج ہے علم کا بنیادی تصور "جبر" ہے اور عمل کا بنیادی تصور "اختیار" ہے۔

علم کی بھی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک انسانی استعداد کا زائیدہ جس کی نشاندہی اس آیت میں کی گئی ہے۔

عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ:۳۱)

دوسرا علم بالوحی، جس کی احتیاج انسانی زندگی میں اس لئے پیدا ہوئی کہ انسانی استعداد کا زائیدہ علم ابھی تک اپنی نشو و نما کے اتمام کو نہیں پہنچا اور انسانی علم احتمالِ خطا سے پاک نہیں ہے۔ اس لئے وہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں کو عطا کیا جاتا رہا۔ اور قرآنی وحی کی صورت میں جو کچھ انسان کی کامیابی کے لئے جاننا ضروری تھا، وہ انسانیت کو عطا کر کے محفوظ کر دیا گیا جس کا مقصد اس مقصود تک انسان کو پہنچانا ہے، جس کے پیش نظر کائنات کی تخلیق ہوئی ہے۔ یہ مقصود خلافت ارضی کے لئے انسان کو تیار کرنا ہے۔ اس کے دو ہی راستے ہیں ایک پیغمبرانہ قیادت کے اتباع کا راستہ، دوسرا انحراف کا، جس کی نشان دہی اس آیت میں کی گئی ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ (النحل:۹)

پیغمبرانہ تعلیمات کے اتباع اور انحراف میں جو تضاد ہے وہ بھی نوعِ انسانی کی نشوونما کا موجب ہے۔

عداوت بھی ارتقاء کا موجب ہے

دشمنی کا داعیہ جس کی طرف بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ میں اشارہ ہے، انسانیت کے ارتقاء کی بنیاد ہے۔اس عداوت سے چار قسم کی دشمنی پیدا ہوتی ہے ایک وہ دشمنی جو کائناتی قانون کی نشوونما کی حیثیت رکھتی ہے۔

جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ (الفرقان:۳۱)

ہم نے ہر پیغمبر کے لئے مجرموں میں سے ایک دشمن پیدا کر دیا جو پیغمبرانہ دعوت میں مزاحمت پیدا کرتا ہے۔ اور اس مزاحمت کی مزاحمت سے نشوونما واقع ہوتی ہے یعنی مقصد کے قریب تر ہوتے جانا میسر آتا ہے اس قانون کی خاصیت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا

اور قانون کا وظیفہ مقصود تک پہنچانا ہے۔ اگر ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق اور تکذیب کے تضاد سے غافل ہو جائیں تو ہم پیغمبرانہ ہدایت سے انحراف کی راہ پر آجاتے ہیں اور اپنی سہل انگاری میں مکذبینِ رسالت سے سازگاری پیدا کرنا چاہتے ہیں اور یوں ہم اس محرک سے دست بردار ہو جاتے ہیں جس میں یہ ضمانت تھی کہ استقامت برقرار رہے اور انحراف نہ کیا جا سکے۔ یہ تضاد پیغمبرانہ انقلاب پر منتج ہوتا ہے۔

تاریخی انقلاب

ایک عداوت جو بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ سے پیدا ہوتی ہے وہ خالص مفاد پرستی کی خاطر منظم ہونے والی جماعتوں کے درمیان عداوت ہے، جن کی تربیت اس تاریخی تجربے سے ہوتی ہے کہ ضبط و انقیاد ہی کی بدولت کامیابی میسر آتی ہے۔ یہ تجربہ طبعی

خواہشات پر غالب آنے میں مددگار ہوتا ہے۔اس عداوت سے تاریخی انقلاب وجود میں آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ کہ کافر یہ گمان نہ کریں کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کو عاجز کر دیں گے کیونکہ مفاد پرستی کی خاطر انحراف کی راہ اختیار کرنے والے بھی اس پر مجبور ہیں کہ وہ اپنی اپنی جماعت کو سیاسی اور معاشی طور پر نشوونما دیں...... اگر پیغمبرانہ رہنمائی کے اتباع کے دعوے دار سیاسی اور معاشی اعتبار سے نشوونما دینے میں انحراف کرنے والوں سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے شکست کھا جائیں تو یہ حق کی شکست نہ ہوگی۔

ایک اور دشمنی جو بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ سے پیدا ہوگئی وہ مفاد پرستی (باطل) اور نفع بخشی (حق) کے ملے جلے رجحانات رکھنے والی جماعت (جیسے پاکستان) اور خالص مفاد پرستانہ میلانات رکھنے والی جماعت (جیسے بھارت) کے درمیان پیدا ہو تو یہ تضاد تاریخی انقلاب پر منتج ہوگا اور جس طرح ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جہاد کے نام پر مفاد پرستی کے لئے جو چیلنج پیدا ہوا اس سے یہ ممکن ہو سکا کہ ہم مفاد پرستی پر غالب آگئے اور بے دریغ اپنی جان دینے کی صورت میں قربانی ہم نے دی تو نصرت الٰہی سے ہم غالب رہے اور جنگ کے دوران ہمارے ہاں جرائم تک بند ہو گئے۔

مفاد پرستی اور نفع بخشی کی صورت میں اصلاح ممکن ہے

اگر مفاد پرستی اور نفع بخشی کے ملے جلے میلانات اور خالص مفاد پرستانہ تضاد کی صورت میں ہمارے مفاد پرستانہ میلانات کی اصلاح ہو سکے، جس کی تدبیر ہمیں قرآن مجید سے اخذ کرنی ہوگی تو یہ تضاد بھی پیغمبرانہ انقلاب پر منتج ہو سکتا ہے۔

دشمنانِ اسلام سے سازگاری اصلاح کو ناممکن بنا دیتی ہے

لیکن اگر ہماری آرزو دشمنانِ اسلام سے سازگاری اور "زندہ رہو، اور زندہ رہنے دو" کی بھیک مانگنا بن گئی ہو اور ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق اور تکذیب کے تضاد سے صرف نظر کر لیں تو اس اسوۂ مبارک کی پیروی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور مفاد پرستی سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس کے پیش نظر لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ

اُسوۂ حَسَنَہ میں توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

اُسوۂ مبارک کی پیروی

محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ مبارک کی پیروی سے ہماری سیرت کی اصلاح اور صحیح نمونے پر اس کے تشکیل پذیر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ہم ایمان کے اس تقاضے کو پورا پورا کریں اور مقصود و بعثت کو اپنا نصب العین بنائیں۔ اس کے نتیجے میں ہمیں ضرور ہر وہ عمل بجا لانا ہوگا جسے اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا گیا تھا اور جسے اسوۂ حسنہ کی حیثیت حاصل ہے یہی محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق ہے جس کے جواب میں ہر دور کا ابوجہل اس فطرت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے کہ اس کی طرف سے تکذیب ابھرے اور یہی تضاد جو ہمارے عمل کو کائناتی قانونِ نشوونما سے سازگار بناتا ہے جس کا حتماً اور یقیناً نتیجہ خیز ہونا ضروری ہے۔

حزب اللہ اور حزب الشیطان

اس کے نتیجہ میں دو جماعتیں حزب اللہ اور حزب الشیطان وجود میں آتی ہیں۔ اور ان کے مابین تضاد ماورائی قانونِ سعادت و شقاوت پر عمل کرنے کے لئے محرک ثابت ہوتا ہے۔ جو جماعت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ کے اتباع میں مفاد پرستی پر غالب آکر زیادہ سے زیادہ افراد کو معاشی نشوونما دینے سے اپنی اخلاقی فضیلت کو وابستہ سمجھے گی وہی انجام کار غالب رہے گی۔

ایمان بالغیب

مقصودِ بعثت کو اپنا نصب العین بنا کر اسے حاصل کرنے کی جدوجہد میں کامیابی کا انحصار اس ایمان پر ہے جس کا مطالبہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران:۱۳۹)	سست نہ بنو، غم نہ کھاؤ، غالب تم ہی ہو گے، اگر تم مومن ہو۔

یہ ایمان، ایمان بالغیب ہے یعنی اس نتیجے پر یقین جو ابھی غیب میں ہے۔ غلبے کی خاطر جہاد ہی نہیں ہر عمل کے لئے یقین و اعتماد ضروری ہے۔ حد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حرام و حلال کے امتیاز سے بے نیاز معیشت کے حامل معاشرے میں ریس کورس کی ٹھیکیداری سے معیشت پیدا کرنا چاہے تو اسے بھی سرمایہ کاری سے پہلے یہ یقین و اعتماد درکار ہے کہ مجھے کامیابی حاصل ہوگی۔ اس کے یقین کی بھی کوئی سنجیدہ اساس ہونی چاہیئے اس کے یقین کی اساس یہ ہوگی کہ جس معاشرے میں کسب حلال کی راہ میں مسدود ہوں اور معیشت غیر یقینی ہو۔ اس کے افراد میں جوئے کا میلان نفسیاتی تقاضے کے طور پر اس وجہ سے ابھرے گا کہ جب کسب معیشت کی راہیں مسدود ہیں تو جوے کی بازی لگا کر ہی قسمت آزمائی کی جائے اس لئے وہ ضرور کامیاب ہوگا۔

ایمان باللہ

مذہبی زندگی میں اوّلین مطالبہ ایمان باللہ میں رسوخ پیدا کرنے کا نہیں ہوسکتا۔ اولین مطالبہ کامیابی کے تعین کا ہو سکتا ہے۔ کامیابی کا تعین جدوجہد سے پہلے ضروری ہے۔ اس کے بغیر جدوجہد نہیں ہوسکتی۔ اس تعین کی بھی کوئی سنجیدہ بنیاد ہونی چاہیئے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ غایتِ بعثت ہی غایت تخلیق اور غایتِ نزولِ قرآن ہے اور کائناتی قانونِ نشوونما اور تاریخی قانونِ تضاد اور ماوراتی قانونِ سعادت و شقاوت باہم گرمربوط ہیں۔

ایمان باللہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ایک ذات اسی کا نظام، اسی کا قانون اور صرف اسی کی طاقت مؤثر ہے اور اس کے مقابلے میں باطل کا کوئی وجود نہیں مگر جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ کے لئے باطل کا یعنی مفاد پرستی کی بنا پر حق (فیض بخشی، فیض رسانی اور نشوونما دینے) کو روکنے کے لئے باطل کا وجود ضروری ہے۔ باطل ہوگا تو مٹے گا۔

اس زندگی میں حق و باطل کی کشمکش کو ایک مشاہداتی حقیقت سمجھ کر اس کشمکش میں

غالب آنے کے لئے ایمان باللہ ضروری ہے تو ایمان باللہ میں رسوخ تجرباتی توثیق و شہادت سے میسر آتا ہے اور ایمان باللہ کا راسخ ہونا ایک جدوجہد کا طلبگار ہے۔ اس کی بھی بنیاد ضروری ہے۔ ایمان باللہ کی بنیاد یہ ہے کہ یہ مابعد الطبیعی مطالبہ کو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت ضروری ہے۔ جبلی داعیات پر غالب آجائے۔ یہ تاریخی تجربہ کہ ضبط و انقباد ہی کی بدولت کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ طبعی خواہشات پر غالب آجائے اور یہ شعوری تقاضا کہ فضائلِ اخلاق کے بغیر کامیابی میسر نہیں آسکتی، نفسیاتی تقاضوں پر غالب آجائے اس تجربی توثیق و شہادت سے گزر کر ہی ایمان باللہ راسخ ہو سکتا ہے۔

اپنی ناکامی کی غلط توجیہ

مگر جب سے ہمیں تاریخی کشمکش میں شکستوں سے دوچار ہونا پڑا ہے ہم نے اپنی ناکامیوں کو خدا کی بے نیازی سے منسوب کیا ہے۔ ہم یاس و ناامیدی کا شکار ہو گئے ہیں اور یہ سمجھنے سے قاصر رہے ہیں کہ ہماری شکست کا سبب یہ تھا کہ ہم بے جان عقائد، مردہ رسوم، فرقہ پرستانہ آرزوؤں اور مفاد پرستانہ گروہ بندیوں کو پیغمبرانہ راہِ حق پرستی سمجھتے رہے اور اس کو نتیجہ خیز بنانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اپنی ناکامیوں سے مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ سے مایوسی میں مبتلا ہو کر بے یقینی کا انداز پیدا کر لیا اور یہ جانا کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہو جائے اور بندے مایوس ہوں تو عبودیت کی نسبت قائم نہیں رہ سکتی۔

قول و عمل کا تضاد

ہماری سیرت کی اصلاح، جس کی بدولت ہم قول و عمل کے تضاد سے پاک ہو سکتے ہیں، صرف ایک ہی طریقے سے ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو اپنے لئے نمونۂ کمال تصور کریں۔ آپ ﷺ کی شخصیت کے دو پہلو ہیں۔ ایک بشری پہلو اور دوسرا مافوق البشری پہلو۔ بشری پہلو پر توجہ مرکوز رکھنے سے اتباع کا ولولہ پیدا ہوتا ہے اور مافوق البشری پہلو کو مدنظر رکھنے سے یہ اعتماد بحال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات احتمالی خطا سے پاک ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (ھود:۱۲)

کہ ہم آپ سے رسولوں کی خبریں اس لئے بیان کرتے ہیں کہ اس سے آپ کا قلب مبارک تسکین پذیر ہو۔

مگر قصص انبیاء علیہم السلام سے قلب کو تسکین صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب ہر قصے سے یہ نتیجہ برآمد ہو کر غلبہ اور کامیابی اصحاب حق ہی کو حاصل ہوگی اور بلا استثناء یہ نتیجہ تب ہی نکالا جاسکتا ہے جب حق و باطل کی کشمکش کے نتائج ناقابلِ شکست قانون سے متعین ہو رہے ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی تاریخی شخصیت

آج محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی شخصیت سے بڑھ کر تاریخی شخصیت ہے اور سیرت کی تشکیل میں شخصیت کا نفوذ سب سے زیادہ فعال مؤثر ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ تک پیغمبرانہ تاریخ کا دور اپنے تمام خصائص کے ساتھ ختم ہو گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبرانہ رہنمائیوں نے ہمیں وہ کیا وراثت سپرد کی ہے، جس کی بنیاد پر یہ اعتماد بحال ہو سکے کہ ہماری زندگی فکر و عمل میں اختلال و زوال کا شکار ہو بھی از سرِ نو اصلاح پذیر ہو سکتی ہے۔

پیغمبرانہ تاریخ کا ورثہ

پیغمبرانہ تاریخ نے میراث کی حیثیت سے ہمیں دو چیزیں عطا کی ہیں:

۱۔ اخلاقی فضائل کا تہذیبی لاشعور جس کے مضمرات کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات:۲۱)

۲۔ آخری پیغمبر ﷺ کے کارنامے جو تاریخی طور پر نہایت تفصیل سے ہمارے پاس موجود ہیں اور قرآن حکیم جو پیغمبرانہ تاریخ کے علمی اور عملی کارناموں کی تاریخ ہے اور پہلے ادوار کی تمام کوششوں سے ہر طرح زیادہ جامع اور باکمال بھی ہے۔

اخلاقی فضائل کے تہذیبی لاشعور کے مضمرات یہ ہیں۔

☆ فجور و تقویٰ کا امتیاز:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشمس: ۸)

☆ باطنی کیفیت کا ادراک:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ (القیامۃ: ۱۴)

☆ ربوبیت کا اقرار:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (الاعراف: ۱۷۲)

☆ امانت کی ذمہ داری کا احساس

لیکن یہ سب کچھ ایک استعداد سے زیادہ نہیں۔ جب تک اس استعداد کو نشو ونما کا موقع نہ ملے، اسے معیاری سانچوں میں نہ ڈھالا جائے، یہ خوابیدہ احساسات بیدار اور متحرک نہ ہو جائیں۔ اس احساس کی عملی دنیا میں کوئی قیمت نہیں۔ یہی استعداد ہے جسے بیدار کرنے اور قوت سے فعل کی طرف لانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوتی رہی۔

سیرت طیبہ اور ہماری اصلاح

ان ہی احساسات کو بیدار کرنے اور ایک زندہ طاقت بنانے کے لئے ہم خاتم المرسلین ﷺ کی سیرت طیبہ سے فیض حاصل کریں تو ہماری سیرت اصلاح پذیر ہو سکتی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ ہم اسوۂ مبارک کی پیروی کریں مگر اسوۂ مبارک کی پیروی تب ہی ہو سکتی ہے جب ہم آپ ﷺ کی بعثت کے مقصد کو اپنا نصب العین بنائیں کیونکہ آپ ﷺ کی پوری زندگی اسی مقصود کو حاصل کرنے کی جدوجہد پر مشتمل ہے۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ سب سے زیادہ ولولہ انگیز اس لئے ہے کہ آپ ﷺ نے انتہائی نامساعد حالات میں جدوجہد فرمائی۔ سیرت یا کردار پسندیدہ اور ناپسندیدہ کے درمیان امتیاز پر اصرار اور اس اصرار کی قیمت ادا کرنے کا نام ہے اور یہ اصرار نصب العین کے حوالے سے پیدا ہوتا ہے تو آپ ﷺ کی سیرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قرآن مشرکینِ عرب کو بعثت سے پہلے کی زندگی کی نسبت یہ چیلنج دے رہا ہے۔

فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (یونس:۱۶) یہ حقیقت ہے کہ میں اعلانِ وحی سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر بسر کر چکا ہوں، کیا تم سمجھتے نہیں۔

بدترین دشمنوں کو یہ چیلنج دیا جا رہا ہے کہ میری عمر کے اعلانِ نبوت کے پہلے کے چالیس سال تمہارے درمیان بسر ہوئے ہیں۔ کیا تم کوئی ایک بات بھی سچائی اور دیانت کے خلاف پیش کر سکتے ہو؟ جب تک اعلانِ نبوت سے پہلے کی زندگی جو آپ ﷺ کی سیرت کے بشری پہلو پر مشتمل ہے، اتنی ہی پاکیزہ اور ایسی ہی عظیم الشان نہ ہوتی جس پر بدترین دشمن بھی حرف گیری نہ کر سکیں، یہ چیلنج نہیں دیا جا سکتا تھا مگر کائناتی قانون نشوونما کے پیش نظر کہ "جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ" پیغمبرانہ دعوت مزاحمت اور مزاحمت کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی اور سنت اللہ یہی ہے اور اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی پیغمبرانہ دعوت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جدوجہد کے کامیاب ہونے کی بنیاد یہی قانونِ تضاد ہے۔

قرآن کی رہنمائی کے تین دور

دورِ نبوت میں قرآن مجید کی رہنمائی کے تین دور ہیں۔ (۱) انفرادی۔ (۲) قومی اور (۳) بین الاقوامی۔ انفرادی سطح پر رہنمائی کی احتیاج اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ انفرادی زندگی انسان کی واقعی فطرت اور مثالی فطرت یعنی بالفعل فطرت اور بالقوہ فطرت کے درمیان تضادات کا مجموعہ ہے، انفرادی رہنمائی کے دور میں قرآن کو مجلسی زندگی اور اخلاقی اقدار پر اصرار ہے۔ اخلاقی فضیلت کا تعلق "انما الاعمال بالنیات" کے حوالے سے صادر شدہ فعل کی اس نیت سے ہے، جو اخلاقی حکم کے اتباع سے متعین ہوتی ہے۔ یہ حیاتِ اجتماعی کے ارتقاء کے شرائط میں انسانی شخصیت کی نشوونما کا دور ہے اور منتہائے مقصود کو حاصل کرنے کی تیاری کا مرحلہ ہے اس دور میں نتیجہ پر توجہ مرکوز ہونے سے مایوسی پیدا ہوتی۔ اس لئے انفرادی سطح پر نتائج سے بے نیاز ہو کر جدوجہد درکار تھی اور اس دور میں ضروری تھا کہ نتائج کو آخرت پر ملتوی کیا جائے، کیونکہ وہ نظام، جس میں نتائج کی

ضمانت ہو انفرادی سطح پر پیدا نہیں ہوسکتا۔

قومی جدوجہد جس صورتِ حال کی اصلاح پر مشتمل ہے، وہ یہ ہے کہ زندگی اطاعت و انحراف کے تضاد سے عبارت ہے جس میں عمرانی اداروں کا عمل خاص طور پر محدود دائرے میں نتائج پیدا کرتا اور عمرانی اداروں کے مضبوط ہونے سے اقدارِ حیات کا تحفظ ہوتا نظر آتا ہے۔

تیسرا دور بین الاقوامی سطح پر غلبے کے لئے جدوجہد کا دور ہے۔ اس دور میں جس صورتِ حال کی اصلاح درپیش ہے، وہ یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر زندگی عداوت وعناد اور اس کے جوابی عمل یعنی جنگ در جنگ کا مظہر ہے۔ زندگی کو خوف وغم سے محفوظ کرنے کے لئے بین الاقوامی سطح پر غلبے کے بغیر زندگی خوف وغم سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اس بعثت کا مقصد دینِ حق کو غالب کرنا ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (التوبۃ:۳۳)

اور پہلے دو ادوار کی حیثیت تیسرے دور کے واسطے تیاری کے دور کی ہے۔ اس صورت میں پہلے دور کے اخلاقی ضابطوں پر عمل کر کے کوئی جماعت جب تک جنگ در جنگ کی صورتِ حال پر قابو نہ پاسکے، کبھی کامیاب نہ ہوسکتی۔

اگر ہم بین الاقوامی زندگی کے اس پہلو سے قطع نظر کر کے کہ وہ عداوت وعناد اور اس کے جوابی عمل یعنی جنگ در جنگ پر مشتمل ہے، صرف اخلاقی اصلاح تک اپنی جدوجہد کو محدود کر دیں، تو ہم کامیاب زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ اگر ہماری اس غفلت سے ہماری زندگی میں مشکلات پیدا ہوں تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اخلاقی جدوجہد کامیاب نہیں، غلط ہوگا۔ کیونکہ یہ طرزِ عمل کتاب کے بعض اجزاء کو قبول کرنے اور بعض کو رد کرنے کے مترادف ہوگا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت

محمد رسول اللہ ﷺ کے ذاتی اوصاف کے بارے میں قرآن مجید کا یہ بیان:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ۴)

آپ ﷺ کی سیرت کا وہ پہلو ہے جو اللہ پاک بیان فرماتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے اہل مکہ کو دعوتِ اسلام پیش کرنی چاہی تو کوہ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قبائلِ قریش کو پکارا: جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا:

"تم بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا......؟"

سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا کہ:

"ہم نے کوئی غلط اور نامناسب بات آپ ﷺ کی زبان سے نہیں سنی۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ آپ صادق اور امین ہیں۔"

یہ گویا مخاطبوں سے اپنی سیرت کے بارے میں اعتراف کرانا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"دیکھو! میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور تم پستی میں، جو میں پہاڑ کے ادھر بھی دیکھ سکتا ہوں اور اُدھر بھی۔ اگر میں یہ کہوں کہ ڈاکوؤں کا ایک مسلح گروہ دور سے چلا آرہا ہے، جو مکہ پر حملہ آور ہوگا تو کیا تم میری اس بات کو باور کرو گے؟"

لوگوں نے کہا:

"بے شک! کیونکہ ہمارے پاس آپ ﷺ جیسے راست باز انسان کو جھٹلانے کی کوئی دلیل نہیں، خصوصاً جبکہ آپ ﷺ ایسے مقام پر کھڑے ہیں، جہاں سے آپ ﷺ دونوں طرف دیکھ سکتے ہیں۔"

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا، یہ سب کچھ سمجھانے کے لئے ایک مثال تھی۔ اب یقین کر لو کہ موت تمہارے سر پر آرہی ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور میں عالم آخرت کو اسی طرح دیکھ رہا ہوں، جس طرح تمہاری دنیا پر نظر ہے۔

سارا مجمع اس دعوت کو سن کر دم بخود ہو گیا۔ قریب تھا کہ لوگ دعوتِ حق کو قبول

کرلیں۔ مگر ابولہب آگے بڑھا اور کہنے لگا۔

"تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں، کیا اسی لئے تم نے ہم سب کو یہاں جمع کیا تھا۔"

(العیاذ باللہ)

اس علی الاعلان دعوتِ دین کا کفار پر یہ اثر پڑا کہ قریش مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور یہ سنت اللہ پوری ہوگئی کہ جب بھی پیغمبر علیہ السلام نے اپنی دعوت پیش کی، امت دعوۃ مخالفت پر آمادہ ہوگئی اور کفر و سلام کے تضاد کا وہ قانون نمایاں ہوگیا۔

دعوتِ اسلام اور اس کی راہ میں مشکلات

چند روز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تمام اہلِ خاندان کی دعوت کا انتظام کیا، کھانے کے بعد آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

"میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی خوبی لے کر آیا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کی طرف بلاؤں۔ پس میں تم سے کہتا ہوں کہ خالص خدا پرستی اختیار کرو۔ بتوں کی پرستش نہ کرو اور اپنے اخلاق و اعمال کی اصلاح کرو۔ اے لوگو! میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ﷺ ہوں۔ میری دعوت حق ہے۔ پس تم میں سے کون ہے، جو میری صدا پر لبیک کہے اور دین حق کی اشاعت میں میرا ساتھ دے۔"

یہ تقریر سن کر سب لوگ خاموش بیٹھے رہے اور مجلس پر ایک سناٹا چھا گیا۔ دفعۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر کہا:

"یا رسول اللہ (ﷺ) اگرچہ میں اس مجلس میں سب سے کم عمر اور ناتجربہ کار ہوں، تاہم میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا۔"

قریش کے لئے یہ حیرت انگیز منظر تھا، وہ آپس میں کہنے لگے کہ:

"ہم کس طرح اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ سکتے ہیں اور جو طریقے صدیوں سے رائج ہیں انہیں کیسے ترک کیا جا سکتا ہے اور کیسے ممکن ہے کہ تنہا ایک شخص انقلاب عظیم برپا کردے گا اور کامیاب ہوگا۔"

غرض مجمع منتشر ہوگیا اور جاہل عربوں میں غیظ و غضب کے جذبات مشتعل ہوئے۔ وہی اہلِ قریش اور اہلِ مکہ، جو کل تک آپ ﷺ کو امین وصادق کہہ کر پکارتے تھے اور آپ ﷺ کا بے حد احترام کرتے تھے، پیغامِ حق سننے کے بعد آپ ﷺ کے جانی دشمن ہو گئے اور آپ ﷺ کو معاذ اللہ ساحر ومجنون کہنے لگے۔

ایک دن جب آپ ﷺ نے خانہ کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا اور بت پرستی کی مذمت کی، اس بات پر قریش میں اشتعال پیدا ہوا اور دفعتۃً ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اور ہر طرف سے دشمنانِ حق آپ پر ٹوٹ پڑے۔ اس موقعہ پر حارث بن ابی ہالہ جو آپ ﷺ کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ آگے بڑھے اور انہوں نے پر جوش مدافعت کی، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ یہ اسلام کی راہ میں بہنے والا پہلا خون تھا۔

کفار قریش رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے رہے لیکن آپ ﷺ نے تمام مظالم نہایت عزم واستقلال سے برداشت کئے۔

ایک روز قریش کے بڑے بڑے سردار ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے اور ہم کو باطل پرست قرار دیتا ہے۔ یا تو تم اس کو منع کرو، یا ہمارے مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ابوطالب نے اس بات کو سن کر رسول اللہ ﷺ کو بلایا اور کہا:

"اے جانِ عم! اپنی جان کو ہلاکت سے محفوظ رکھ اور مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو، جسے میں برداشت نہ کرسکوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے چچا! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لاکر رکھ دیں اور کہیں کہ اسلام کی تبلیغ بند کر دو، تب بھی میں اپنے فرض کو ترک نہیں کرونگا، یہاں تک کہ اللہ اپنے دین کو غالب کر دے یا میں اسی جدوجہد میں ہلاک ہو جاؤں۔"

تب ابوطالب نے پرعزم لہجے میں فرمایا: "اے جانِ عم! جو چاہو کرو میں کبھی تمہیں دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گا۔"

کافروں کا عدمِ تعاون

اس کے بعد کفار قریش نے ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی اور تمام قبائل کے سربرآوردہ لوگوں کو جمع کیا تو ابوجہل نے کہا:

"اے بھائیو! تم دیکھ رہے ہو، اسلام ترقی کر رہا ہے۔ اس کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ جیسے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اب میری رائے یہ ہے کہ خاندانِ بنی ہاشم سے ترکِ تعلق کیا جائے اور پوری مستعدی سے اسلام کی اشاعت کو روکا جائے۔"

اس رائے سے تمام قبائل نے اتفاق کیا اور ایک معاہدہ مرتب کیا جس میں طے پایا کہ کوئی شخص نہ خاندانِ بنی ہاشم سے قرابت کرے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا نہ اُن سے ملے گا، نہ سلام و کلام کرے گا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا، جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے ہمارے حوالے نہ کر دیں۔

یہ معاہدہ نبوت کے ساتویں سال ۶ محرم کو لکھا گیا اور خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں کر دیا گیا۔ ابوطالب کو جب اس معاہدے کا حال معلوم ہوا تو وہ مجبور ہو کر تمام خاندان بنی ہاشم کو لے کر شعبِ ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ یہ ایک احاطہ تھا جو مکہ کے قریب ایک پہاڑ میں واقع تھا اور خاندانِ بنو ہاشم کا موروثی احاطہ تھا۔ طبری اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ تین سال تک بنو ہاشم نے اس احاطے میں زندگی بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ لوگ درختوں کے پتے کھا کھا کر زندہ رہتے اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک اور پیاس کی وجہ سے تڑپتے۔ ان کی مائیں ان کی یہ حالت دیکھ کر گریہ وزاری کرتیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے دل میں رحم ڈالا اور تین سال اس اذیت میں گزرنے کے بعد خود ہی ان کی طرف سے اس معاہدے کو فسق کرنے کی تحریک ہوئی۔

ہشام مخزومی زہیر ابن ابی امیہ، معطم بن عدی اور زمعہ بن اسود نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اور کہا:

"اے اہلِ مکہ! یہ کیا انصاف ہے کہ ہم تو عیش و راحت کی زندگی بسر کریں اور

بنو ہاشم کو آب و دانہ تک نصیب نہ ہو۔ ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ اس ظالمانہ معاہدے کو چاک کر دیا جائے۔"

یہ سن کر ابو جہل نے کہا: "میں ہرگز اس معاہدے کو چاک نہیں کرنے دوں گا۔"

زمعہ بن اسود نے کہا: "ہم اسے ضرور چاک کریں گے، جب یہ معاہدہ ہوا تھا اس وقت بھی اس ظلم کے طرف دار نہیں تھے۔"

غرض معطم ابنِ عدی نے درِ کعبہ سے اتار کر اس معاہدے کو، جسے تین سال کے عرصے میں دیمک چاٹ گئی تھی، چاک کر دیا اور بنو ہاشم سے کہا تم لوگ شعب سے باہر آجاؤ۔ وہ سب باہر آگئے اور اپنے اپنے گھروں میں آباد ہو گئے۔ اسی سال ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد کفار کی ایذا رسانیاں اور بھی بڑھ گئیں۔

طائف کا سفر

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کی طرف سے مایوس ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا رخ کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے سرداروں کو دین کی دعوت پیش کی تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دی اور اوباش اور بازاری لونڈوں کو اُکسایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اڑائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائیں۔ چنانچہ انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنے پتھر برسائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لہولہان ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے خون سے بھر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی بُری طرح زخمی ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے بڑے رنجیدہ ہوئے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قرن الثعالب کے مقام پر پہنچے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا ہے۔

"اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو جن کے مابین طائف اور مکہ ہیں، ملا دوں جس سے یہ لوگ پس جائیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں! میں اُمید کرتا ہوں کہ ان کی نسل سے اللہ تعالیٰ

ایسے لوگ پیدا کرے گا جو خدا پرست ہونگے۔"

معراج کا واقعہ

یہ دور آپ ﷺ کے لئے بہت ہی اذیت کا دور تھا۔ آپ ﷺ کو تسلی دینے کے لئے معراج اسی دور میں ہوئی۔ معراج کا مقصد یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام کے اتباع اور خلاف ورزی سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں، ان کا مشاہدہ بچشم خود کرایا جائے۔

انصار کا قبولِ اسلام

باوجود تمام مشکلات کے آنحضرت ﷺ نہایت عزم و استقلال سے اپنا فرض ادا کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی دُعا کرتے رہے آپ ﷺ حج کے زمانے میں مختلف قبائل میں تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے۔

ایک روز آپ ﷺ عقبہ میں تشریف لے گئے، یہ مقام مکہ سے متصل ہے وہاں آپ ﷺ نے قبیلہ حزرج کے ایک گروہ سے جو مدینے میں رہتا تھا، ملاقات کی اور انہیں اسلام کی تلقین فرمائی اور قرآن مجید کی آیات سنائیں۔ وہ کل چھ افراد تھے، اسی وقت سب نے اسلام قبول کرلیا۔ جب یہ لوگ واپس مدینے پہنچے تو انہوں نے دوسرے لوگوں سے یہ حال بیان کیا، یہاں تک کہ یہ بات مدینے میں پھیل گئی۔ دوسرے سال بارہ اشخاص حج کے موقعہ پر مدینہ منورہ سے آئے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور اسلام سکھانے کے لئے کسی معلم کا مطالبہ کیا، جسے وہ اپنے ساتھ لے جاسکیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اس خدمت پر مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ جب یہ مختصر سا قافلہ مدینے پہنچا تو ہر گوشے میں اسلام کی روشنی چمکنے لگی۔ حضرت مصعب بن امیر رضی اللہ عنہ ایک ایک گھر کا دورہ کرتے، قرآن سناتے، ان کی تبلیغ سے ہر روز نئے آدمی اسلام قبول کرتے، یہاں تک کہ مدینے میں کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں کوئی نہ کوئی مرد یا عورت مسلمان نہ ہو۔

اگلے سال ۷۲ آدمی حج کے زمانے میں آئے اور انہوں نے بمقام عقبہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس موقعہ پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو ابھی اسلام

نہیں لائے تھے، انصار سے کہا:

''محمد (ﷺ) اپنے خاندان میں نہایت محترم و معزز ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں ہم نے ہمیشہ ان کی حمایت کی ہے۔ اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر تم ان کی مدد کے لئے آمادہ ہو اور دشمنوں کے حملوں سے ان کی حفاظت کر سکو تو اقرار کر لو ورنہ جواب دے دو۔''

اس وقت سعد بن زرار انصاری نے کھڑے ہو کر کہا:

''اے بھائیو! تم سمجھتے ہو کہ یہ بیعت کس قدر اہم ہے۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ عرب و عجم سے اعلانِ جنگ ہے، پھر تم اپنے عہد پر قائم نہ رہے تو خدا کی قسم ذلت و خواری کا داغ دنیا اور آخرت میں تمہاری پیشانی پر رہے گا۔ اگر تم اپنے عہد پر قائم رہ سکتے ہو تو ہاتھ بڑھاؤ اور بیعت کر کے دنیا اور آخرت میں سربلند ہو جاؤ۔''

ان جملوں کو سن کر سب نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور جان و مال سے دین حق کی خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ غرض سب نے نہایت خلوص کے ساتھ بیعت کی پھر وہ لوگ مدینے کو واپس چلے گئے۔ آنحضور ﷺ نے اجازت دے دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر گئے صرف آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رہ گئے۔ مفلس، مجبور اور بے استطاعت لوگ عرصے تک نہ جا سکے۔

ہجرت

جب قریش کو انصار کے اسلام لانے اور بیعت کرنے کا حال معلوم ہوا تو غیظ و غضب میں ہاتھ ملنے لگے۔ دار الخلافہ میں سب لوگ جمع ہوئے اور اسلام کی ترقی کو روکنے کے لئے غور کرنے لگے۔ بالآخر ابوجہل کی رائے سے طے پایا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک شخص کو منتخب کیا جائے اور سب مل کر محمد ﷺ پر ایک ساتھ تلواروں سے حملہ کر کے ختم کر دیں۔ اس صورت میں تمام قبائل پر اس خون کی ذمہ داری ہو گئی اور بنو ہاشم تمام قبائل کا

مقابلہ ہرگز نہ کر سکیں گے۔

اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور فیصلہ کیا گیا کہ آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر لیا جائے اور جب رات کے وقت وہ باہر نکلیں تو انہیں قتل کر دیا جائے......!

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس مشورے سے آپ ﷺ کو خبردار کر دیا اور حکم دیا کہ تم مکہ سے ہجرت کر جاؤ۔ قبائل قریش کے ایک ایک منتخب نوجوان نے رسول اللہ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر لٹا دیا کہ تمہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ تلواروں کے سائے میں نہایت بے فکری سے مزے کی نیند سو رہے تھے اور خدا کا رسول ﷺ خدا کی حفاظت میں باہر نکلا اور ان دل کے اندھوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتا ہوا سورۂ یٰسین پڑھتا ہوا صاف نکل گیا۔" (رحمت للعالمین)

وہاں سے آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں اپنے ہمراہ لے کر جبلِ ثور کا راستہ لیا۔ رات کی تاریکی میں اللہ کے رسول ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیدل مسافت طے کی اور جبلِ ثور کی طرف بڑھے، جس کی چڑھائی دشوار تھی اور راستہ سنگلاخ تھا۔ آخر ایک غار میں جا کر پناہ لی، جسے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گرد و غبار سے صاف کر دیا، کفار قریش تعاقب اور تجسس میں غار کے دہانے تک پہنچے، مگر قریش غار کی تنگی اور تاریکی کو دیکھ کر واپس پلٹ گئے۔ خصوصاً جب غار کے دروازے پر انہوں نے مکڑی کا جالا دیکھا تو کہنے لگے، اگر محمد ﷺ اس غار میں جاتے تو مکڑی کا جالا باقی نہ رہ سکتا تھا اُدھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پریشان ہو گئے کہ ہمارے نشانِ قدم دیکھ پائے تو کیا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاتحزن ان اللہ معنا (التوبۃ: ۴۰)

"غم نہ کیجئے، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

قریش واپس چلے گئے چوتھی رات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر سے دو اونٹنیاں آگئیں۔ ایک پر نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سوار ہوئے۔

دوسری پر عبداللہ ابن اریقط اور عامر ابن فہیرہ سوار ہوئے۔ دوسری پر عبداللہ ابن اریقط اور عامر ابن فہیرہ سوار ہوئے، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خادم تھے۔ سراقہ نے ان شتر سواروں کے قافلے کو دیکھ لیا۔ اس نے انعام کے لالچ میں تعاقب شروع کیا۔ سراقہ سر پر خود لگائے، نیزہ تانے، بدن پر ہتھیار سجائے، گھوڑی پر سوار تیزی سے چلا آرہا تھا۔ اس کی نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی۔ اس نے سمجھا میں کامیاب ہوگیا۔ اتنے میں گھوڑی گھٹنوں کے بل گری۔ سراقہ نیچے آیا، گھوڑی کو سنبھالا، سوار ہوا اور پھر چلا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سراقہ کے قریب پہنچنے کی اطلاع کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الٰہی ہمیں اس کے شر سے بچا۔"

ادھر یہ الفاظ زبان مبارک سے ادا ہوئے اُدھر اس کی گھوڑی کے سم زمین میں دھنس گئے اور سراقہ سمجھ گیا کہ حفاظتِ الٰہی پر غالب آنا محال ہے۔ سراقہ نے کہا:

"اگر میری گھوڑی زمین سے نکل آئے تو میں ہرگز آپ کی خدمت میں گستاخی نہ کروں گا اور جو کوئی آپ کے تعاقب میں آئے گا اُسے واپس لے جاؤں گا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی۔

گھوڑی تڑپ کر زمین سے نکل آئی۔ سراقہ کا بیان ہے کہ اس معجزے کو دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار روز قبا میں قیام فرمایا اور ایک مسجد تعمیر فرمائی۔ پھر مدینے کا ارادہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اطلاع مدینے پہنچ چکی تھی۔ تمام شہر ہمہ تن انتظار تھا۔ اہل شہر صبح سے شہر سے باہر نکل کر اپنے مہمان کی تشریف آوری کا انتظار کرتے پھر تھک کر واپس آجاتے جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں داخل ہوئے۔ اس روز بھی لوگ واپس جا چکے تھے۔ ایک یہودی نے قلعے سے دیکھا اور پکارا کہ:

"اے اہل عرب! جس محترم شخص کا تمہیں انتظار تھا وہ آگئے۔"

یہ سن کر ہر شخص بہت مسرور ہوا۔ تمام شہر تکبیروں کی آواز سے گونج اٹھا۔ انصار بڑی بے تابی سے گھروں سے نکل آئے۔ حضور ﷺ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر پہنچے۔ ہر شخص جوشِ عقیدت کے ساتھ سلام کرتا اور ہاتھ پاؤں چومتا۔

میثاقِ مدینہ

مدینے میں آنے کے بعد پہلے آپ ﷺ نے ایک معاہدہ تیار کیا جس میں یہ عہد کیا گیا کہ یہود اور مسلمان آپس میں دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ ان سے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ مدینے پر کوئی حملہ آور ہوا تو مسلمان اور یہودی مل کر مدافعت کریں گے۔

مواخاۃ

ہجرت کے پہلے سال میں اہم ترین واقعہ عہدِ مواخاۃ تھا۔ وہ لوگ جو اسلام کی خاطر اپنا گھر بار، مال و زر، دولت اور ثروت چھوڑ کر مدینے آئے تھے اور انصار کے گھروں میں مقیم تھے، ان کی معاشی، تخلیقی جدوجہد میں تعطل تھا۔ مسجد کی تعمیر ختم ہوگئی تو آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار کو فرمایا اور انصار کی طرف خطاب فرمایا کہ اے انصار یہ مہاجر جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے ہیں تمہارے بھائی ہیں، یہ بے سروسامان اور پریشان ہیں۔ یہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ دست و بازو سے کام کئے بغیر وقت گزاریں اور کوئی کام نہ کریں، لیکن ان کے پاس کوئی سرمایہ اور اثاثہ نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ تم ان کی اعانت کرو۔ اس تقریر کے بعد آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں سے ایک ایک آدمی کو آپس میں بھائی قرار دے دیا اور یوں مواخات کا سلسلہ نسبتی کے برابر قرار دے دیا گیا۔

مومنین کے ساتھ آپ ﷺ کو جو دل سوزی تھی اس کی نشاندہی قرآن مجید ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"تمہاری تکلیف رسول اللہ ﷺ پر گراں ہے اور تمہاری بھی خواہی حرص کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے اور وہ مومنوں کے لئے رؤف اور رحیم ہیں۔

گستاخ رسول کا قتل...... رسول اللہ ﷺ کے مبارک فیصلے

سلمان تاثیر کے مباح الدم اور مرتد ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے

حضور ﷺ نے گستاخی کا ارتکاب کرنے والے تمام بدبختوں کے خون کو رائیگاں قرار دیا ان کے قاتلوں کو بری کیا اور ان کی تحسین فرمائی

تحفظِ ناموس رسالت محاذ کے بانی سربراہ

جامعہ اسلامیہ لاہور کے بانی، کاروانِ اسلام کے سربراہ، مصنف کتب کثیرہ حضرت

محقق العصر مولانا مفتی محمد خان قادری

سے ایک انٹرویو

ملاقات...... ملک محبوب الرسول قادری

حضرت محقق العصر مولانا مفتی محمد خان قادری دامت برکاتہم العالیہ......... علمی دنیا کے روشن آفتاب و ماہتاب کی حیثیت سے ساری دنیا میں جانے پہچانے جاتے ہیں ان کے قلم سے نکلی ڈیڑھ سو کے لگ بھگ علمی و تحقیقی تصنیفات و تالیفات، مقالات، مضامین، عربی کتب کے تراجم، وطن عزیز کے علاوہ دیگر ممالک سے بھی چھپ رہے ہیں دیگر زبانوں میں ان کے تراجم کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ نہایت اہم موضوعات پر ان کے مدلل خطبات اپنی ایک خاص مقبولیت رکھتے ہیں جب بھی اسلام اور پاکستان کے حوالے سے دین اور وطن مخالف قوتوں کی طرف سے کوئی منفی کارروائی کی گئی تو آپ میدان عمل میں اترے اور تحریکی و تنظیمی میدانوں میں بھرپور کام کیا۔ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے لیے جیلوں تک میں آمد و رفت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پولیس گردی، چھاپے اور قید و بند کی صعوبتیں آپ کے حوصلے کو پست نہ کر سکیں تو انہوں نے ہمیشہ اپنے اور پرائے کے تصور کو اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور وطن عزیز پاکستان کی بنیاد پر ہی قائم رکھا اور اس معیار سے ہٹ جانے والے کسی بھی چھوٹے بڑے کی ہرگز پرواہ نہیں کی۔ مرضِ معاصرت میں مبتلا آپ کے حاسدین کی بھی کمی نہیں۔ ماشاء اللہ ان کا قول و عمل قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کرتا ہے آپ نے کریما اور پند نامہ سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک تمام کتب درسیہ اور مختلف مشکل و ادق علوم و فنون

اپنے تلامذہ کو پڑھائے اس وقت تفسیر کبیر کے اردو ترجمہ کی طرف تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ متوجہ ہیں۔ علالتِ طبع کے باوجود اس ترجمہ پر نہایت سرعت سے کام جاری ہے۔ ٹوٹل ۳۲ اجزاء میں سے ۲۴ اجزاء کا ترجمہ تکمیلی مراحل میں ہے جبکہ سات مختلف جلدیں چھپ بھی گئی ہیں۔ ان ہمہ جہت مصروفیات کے باوجود آپ نے اس دور میں اٹھنے والے ایک اہم ترین مسئلہ کی طرف بھی توجہ مرتکز کر رکھی ہے وہ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے حوالے سے ملک ممتاز حسین قادری کے کیس میں بہت سرگرم ہیں اس مقصد کے لئے آپ نے تمام مسالک و مکاتیب فکر کے نامور اور مقتدر علماء، زعما اور لیڈروں کے متعدد اجلاس طلب فرمائے۔ مظاہروں میں شرکت کی قانونی چارہ جوئی کے لئے نقاہت و علالت کے باوجود اسلام آباد کے سفر کئے وہ اس کام کو ایک دینی اور شرعی ذمہ داری اور سب سے اعلیٰ عبادت قرار دیتے ہیں ہم نے اس حوالے سے آپ کا ایک انٹرویو کیا جو ہر سطح کے قارئین کے لئے معلومات افروز ہے اور اس سے راہنما اصول وضع ہوتے ہیں حضرت مفتی صاحب کی اس مفید گفتگو کو ہمارے قارئین چند اقساط میں ملاحظہ فرمائیں گے.........(محبوب قادری)

س: کچھ لوگ گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے قتل کو ماورائے عدالت قرار دیتے ہیں؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اسلامی شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟

ج: اکثر لوگ ممتاز حسین قادری کے عمل کے بارے میں یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ مگر یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ سلمان تاثیر کا عمل کیسا ہے؟ کیا وہ ماورائے عدالت ہے یا نہیں؟ وہ ماورائے قانون ہے یا نہیں؟ کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ سوال پہلے سلمان تاثیر کے بارے میں ہونا چاہیئے کیونکہ سلمان تاثیر نے اس معاملے میں پہل کی جبکہ ممتاز حسین قادری کا فعل اس کا ردعمل ہے اور جب ہم سلمان تاثیر کے عمل و کردار پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے ہر اس قول و عمل کا ارتکاب کیا تھا جو اسے کافر، مرتد اور مباح الدم بنا دیتا ہے۔ مثلاً قرآن پاک کی توہین کرتے ہوئے سلمان تاثیر کہتا ہے کہ میرے لئے اس میں کچھ بھی نہیں۔ قادیانیوں کو غیر مسلم ماننے کے لئے تیار نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کتاب و سنت کی روشنی میں بنائے گئے قانون کو کالا، سخت اور ظالمانہ قرار دیتا ہے بلکہ اس قانون کے مطابق سزا پانے والی مجرمہ آسیہ کے ساتھ جیل میں جا کر بیٹھتا ہے اور اس مجرمہ کی سزا

کو غلط قرار دیتے ہوئے اس کی رہائی کا اعلان کرتا ہے تمام قوانین اور عدالت کے ضابطوں کی توہین کرتے ہوئے پریس کانفرنس کرتا ہے اور اسے بے گناہ قرار دینے کی پوری جدوجہد اور کوشش کرتا ہے۔

س: کیا اس صورت حال میں بھی قانون کو بالا دستی حاصل نہیں ہونی چاہیئے تھی یا کہ اسے از خود قتل کر دیا جاتا......اس حوالے سے آپ کیا فرمائیں گے؟

ج: قانونی چارہ جوئی کی کوشش کی گئی ہمارے ساتھی صاحبزادہ سیّد مختار اشرف رضوی مدعی تھے جبکہ ان کے ساتھ عالمی تنظیم اہلسنت کے سربراہ پیر محمد افضل قادری، صاحبزادہ سید شاہد حسین گردیزی اور دیگر رفقاء شامل تھے۔ تھانہ سول لائن لاہور میں قانونی چارہ جوئی کے لیے گئے جس کا ثبوت آج بھی نمبر..........کے تحت وہاں ریکارڈ میں ہے۔

ہمارے ساتھیوں کو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ گورنر قانون سے بالاتر ہوتا ہے اسے طلب نہیں کیا جاسکتا۔ حکمرانوں کو بھی بار بار مظاہروں اور قراردادوں کے ذریعے توجہ دلائی گئی کہ اس شخص کو گورنر کے عہدہ سے ہٹایا جائے اس پر اس وقت کے اخبارات شاہد ہیں مگر حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی اور حکومت نے اسے، اس کے عہدہ سے برخاست نہیں کیا۔

کچھ لوگ سلمان تاثیر سے اس بات سے رجوع کرنے کو بھی کہتے رہے لیکن اس نے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی۔ بلکہ جواباً وہ کہتا رہا کہ ایسے فتوے میرے جوتے کی نوک پر ہیں ان حالات میں خود ہی غور کر لیجئے کہ ایک باوفا امتی کا فریضہ کیا بنتا ہے؟

س: ان حالات میں از خود فیصلہ کر کے قتل کر دینے والے شخص کے ذمہ شرعاً قصاص یا دیت لازم آتی ہے یا نہیں؟

ج: اگر کوئی شخص مرتد اور مباح الدم ہو جائے اور اس کے از خود قاتل کے بارے میں یہ بات ثابت ہو جائے کہ اس نے واقعتاً مباح الدم شخص ہی کو قتل کیا ہے تو اسلام کے قانون کے مطابق اس پر نہ کوئی قصاص ہوگا اور نہ ہی دیت۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے متعدد فیصلے موجود ہیں جو اسلامک لاء کا حصہ ہیں اور راہنمائی کرتے ہیں۔

س: مثلاً چند فیصلے؟

ج: سب سے پہلے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مثال موجود ہے کہ انہوں نے اسلام کے ایک نام لیوا شخص کو اس لئے از خود قتل کر دیا تھا کہ اس بدبخت نے رسول اللہ ﷺ کا مبارک فیصلہ نہ مانا تھا پھر جب اس مقتول کے ورثا دیت اور قصاص کے مطالبہ کے ساتھ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اس شخص کو قتل کر دینا درست ہے ان پر نہ تو کوئی قصاص ہے اور نہ ہی دیت۔ کیونکہ وہ شخص آپ ﷺ کا فیصلہ نہ مان کر مباح الدم ہو چکا تھا۔ واضح رہے کہ اس وقت وہ شخص بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا تھا تو پھر اس تناظر میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

فلا وربك لايؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لايجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليما (پارہ ۵، سورۃ النساء، ۶۵)

تو اے محبوب ﷺ! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے فیصلوں کا مقام بھی ذہن نشین رہنا چاہئے یہ آیت مبارکہ یہ بتا رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے خلاف دل میں تنگی محسوس کرنا بھی اسلام سے خارج کر دیتا ہے یعنی مسلمان کے لئے فرض ہے کہ وہ اپنے ظاہر اور باطن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کو صحیح جانے، مانے اور ان کے خلاف کسی طرح کے قول و عمل کا اظہار نہ کرے۔ اب اگر کوئی شخص قرآن و سنت کے فیصلوں کے خلاف اظہار کرتا ہے جیسا کہ سلمان تاثیر نے کیا ہے تو وہ شخص دائرہ اسلام سے فارغ ہو جاتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر مسلمان یہ مان چکا ہوتا ہے اور یہ عہد کر چکا ہوتا ہے کہ میری جان، مال اور ہر شے کا مالک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہے۔ اب دوسرے تو کجا میری اپنی ذات کے فیصلے بھی میرے ہاتھ میں نہیں رہے بلکہ میرے ذاتی فیصلوں کا اختیار بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے اور اس کی تصریح خود باری تعالیٰ نے قرآن مجید (پارہ ۲۲۔ سورۃ الاحزاب:

۳۶) میں فرمادی ہے۔

وما كان لمؤمن ولا مومنة اذا قضى الله ورسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضللا مبينا

(پارہ۲۲۔سورۃ الاحزاب:۳۶)

اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار ہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا، وہ بے شک صریح گمراہی بہکا۔

اور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

والذي نفسي بيده لا يومن احدكم حتى يكون هو تبعا لماجئته به

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات اور تمنائیں میری تعلیمات کے تابع نہ ہو جائیں۔

س: بعض لوگ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کی سند پر یہ فنی اعتراض کرتے ہیں کہ ابن لہیعہ ضعیف راوی ہے جس کی وجہ سے یہ واقعہ قابلِ استدلال نہیں ہے اس حوالے سے آپ کیا ارشاد فرمائیں گے؟

ج: یہ بھی ایک جاہلانہ مغالطہ ہے یہ واقعہ ابن لہیعہ کے ضعیف طریقہ کے علاوہ ابومغیرہ اور شعیب بن شعیب کی صحیح سند سے بھی منقول ہے اور دوسری بات یہ ذہن نشین رہے کہ محدثین لکھتے ہیں کہ جب ابن وہب، ابن لہیعہ سے روایت کرے تو وہ روایت قابل استدلال ہوتی ہے مذکورہ روایت ابن وہب سے مروی ہے تو اس کے بعد اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر مفسرین کی طرح حافظ ابن کثیر جیسے محقق نے بھی یہی شانِ نزول نقل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر ابن کثیر کے محقق عبدالرزاق مہدی نے اس پر یہ نوٹ لکھا کہ

هذا مرسل وفيه ابن لهيعه لاكن ابن وهب سمع منه قبل الاختلاط

یہ روایت مرسل ہے اس میں ابن لہیعہ ہے لیکن ان سے ابن وہب نے اختلاط

عارض ہونے سے پہلے پڑھا۔

تفسیر ابن کثیر، مع تحقیق ج ۲: ۳۱۸

واضح رہنا چاہیئے کہ حافظ ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر، مع تحقیق ج ۲: ۳۱۸ میں یہی واقعہ امام ابن دحیم کی تفسیر کے حوالے سے اسے شعیب بن شعیب سے بھی نقل کیا ہے۔

اس حوالے سے مزید تفصیلات ہمارے قارئین اس انٹرویو کے اگلے حصوں میں ملاحظہ کریں گے۔

س: اس کے علاوہ کوئی اور واقعہ یا حوالہ، جو اس موقف کی تائید کرے؟

ج: یہ واقعہ جو میں نے ابھی بیان کیا اس کے بارے میں یہ ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ یہ فیصلہ وحی الٰہی کی روشنی میں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اسی فیصلہ کا حکم دیا کہ اگر کوئی شخص از خود کسی بھی مباح الدم شخص کو قتل کر دے تو اس پر نہ کوئی قصاص ہے اور نہ ہی دیت۔ اسی حکم کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی ظاہری حیات میں ایسے ہی حالات اور افراد کے بارے میں متعدد فیصلے بھی فرمائے۔ مثلاً حضرت عمیر بن امیہ نے اپنی بہن کو سرورِ عالم ﷺ کی گستاخی پر قتل کیا جب رسول پاک ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنی بہن کو قتل کیا ہے؟ تو عرض کیا، جی ہاں، فرمایا، کیوں؟ عرض کیا۔

انہا کانت توذینی فیک — اس نے مجھے آپ ﷺ کی ذات کے بارے میں اذیت پہنچائی۔

آپ ﷺ نے ان کے بیٹوں کو بلا کر بتایا۔

واھدر دمہا قالو سمعًا و طاعۃً

اور آپ ﷺ نے اس عورت کے خون کو رایگاں قرار دیا۔

اس عورت کے بیٹوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ ﷺ کے فیصلے کو منظور اور قبول کرتے ہیں۔ ایک اور فیصلہ بھی سنیں۔

اسما بنت مروان نے آپ ﷺ کی گستاخی کا ارتکاب کرتی اور ہجو یہ اشعار کہتی حضرت عمیر بن عدی خطمی تک جب اُن کے گستاخانہ اشعار پہنچے تو انہوں نے اس کے قتل

کی نذر مان لی کہ اگر میں غزوہ بدر سے بخیریت واپس لوٹا تو اسے ضرور قتل کروں گا ایک رات انہوں نے اس عورت کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ پر مطلع فرما دیا۔ قتل کرنے کے بعد حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ تم نے آخر کار اسے قتل کر دیا؟ عرض کیا حضور ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔ ایسا ہی ہوا۔ رسالت مآب ﷺ اپنے اردگرد صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

اذا احببتم ان تنظروا الی رجل نصر الله ورسوله بالغیب فانظروا الی عمیر بن عدی

اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا چاہتے ہو جس نے پس پشت از خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔

ایک اور روایت بھی سنیں مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودیہ نے رسالت مآب ﷺ کی گستاخی کی۔

فخنقها رجل حتی ماتت فابطل رسول الله دمها

ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ کے مار دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس بدبخت مقتولہ کا خون باطل قرار دیا۔

اس طرح کے اور بھی متعدد واقعات صحیح احادیث میں موجود ہیں اور ان تمام واقعات میں ازخود ان صحابہ نے اپنے آپ یہ فیصلے کئے گستاخوں کو قتل کیا ان تمام افراد کی سرکار دو عالم ﷺ نے تحسین فرمائی اور بدبخت مقتولوں کے خون کو رائیگاں قرار دیا یعنی نہ ہی ان کا کوئی قصاص، خون بہا یا دیت رکھی بلکہ جب بھی کوئی آدمی اس بارے میں گفتگو کرنے کی کوشش کرتا تو اس کو منع فرماتے یا نظر انداز فرما دیتے کہ یہ معاملہ ہی غیر اہم ہے اس پر بات ہی نہ کی جائے۔

س: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسے شخص کی توبہ قبول ہے؟

ج: اس سلسلہ میں سب سے پہلے بات تو ذہن میں رہنی چاہیئے کہ زیر بحث سلمان تاثیر کا مسئلہ قبل از توبہ کا ہے اس شخص کے مباح الدم اور مرتد ہونے پر تو پوری امت کا

اتفاق ہے اور یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ اس کے کچھ ساتھیوں نے رجوع کی طرف اس کی توجہ دلائی مگر اس نے اسے قبول ہی نہیں کیا۔ رہا آپ کا سوال تو آپ نے ابھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے متعدد فیصلے سنے ہیں ان میں سے کسی ایک فیصلے میں بھی کوئی یہ نشان دہی کر سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے یہ کہا ہو کہ تم اس گستاخ کو توبہ کا کہتے۔ تم نے ان کو قبل از توبہ کیوں قتل کیا؟ اگر صحابہ کا یہ اقدام غلط ہوتا تو آپ ﷺ آئندہ کے لیے امت کو پالیسی ہی عطا فرما دیتے کہ آئندہ اگر کسی شخص سے اس طرح کا قول و عمل سرزد ہو جائے تو پہلے اس سے توبہ کا مطالبہ کرنا نہ مانے تو قتل کرنا ورنہ چھوڑ دینا جبکہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ اگر ساری کائنات میں کسی کے مطالعہ میں ایسی کوئی بات ہو تو وہ میدان میں آئے۔

اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر ایسے سنگین معاملے کو معمولی تو قرار دیا نہیں جا سکتا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایسے معاملے میں نسیان طاری نہیں ہو سکتا۔ مثلاً حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قتل غیرت کے بارے میں پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر کو پائے تو کیا وہ غیرت کی بنیاد پر اسے قتل کر سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: سعد! شریعت کسی ایسے عمل کی اجازت نہیں دیتی۔ میرا اللہ سب سے زیادہ غیرت مند ہے اور اس کے بعد سب سے زیادہ غیرت مند محمد ﷺ ہے مقصد یہ ہے کہ اگر اس چیز کی اجازت ہوتی تو شریعت ضرور بیان کر دیتی۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس کی اجازت نہیں دے رہے تو ثابت ہوا کہ کسی بھی غیرت کے نام پر ایسے عمل کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

غور کریں جو پیغمبر اتنے باریک اور نازک معاملات کو سامنے رکھ کر قتل کی اجازت نہیں دے رہے کیا گستاخی کے معاملہ پر یہ تلقین نہیں کر سکتے تھے اور امت کو یہ پالیسی نہیں دے سکتے تھے کہ جب تک ان سے توبہ کا مطالبہ نہ کرلو اس سے پہلے انہیں ہرگز قتل نہ کرنا لیکن آپ ﷺ نے ہر موقع پر از خود فیصلہ کرنے والے کی تحسین فرمائی اور بدبخت گستاخوں کے خون کو رائیگاں قرار دیا نیز قاتل کو بری قرار دیا۔ یہ چیز ہر مسلمان پر واضح کر دیتی ہے کہ توبہ کا مسئلہ دیگر مرتدین کے لئے تو ہو سکتا ہے لیکن ایسے مرتد خاص کے

لئے دنیا میں توبہ کا کوئی راستہ نہیں۔

☆☆☆

س: گذشتہ گفتگو میں آپ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ مزید تفصیلاً گفتگو آئندہ کریں گے؟ اس حوالے سے کچھ فرمائیں؟

ج: اس حوالے سے محمد عمار خان ناصر نے شدید تنقید کی ہے ان کا سب سے پہلا جملہ یہ ہے کہ "...... ہمارے معاشرے میں پیشہ ور غیر محتاط واعظین نے جن بے اصل کہانیوں کو مسلسل بیان کر کے زبانِ زد عام کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک منافق کو قتل کرنے کا واقعہ بھی ہے......" حوالہ کے لئے ان کی کتاب "براہین" صفحہ ۵۵۹ دیکھا جا سکتا ہے۔ بندہ تو یہ جملے پڑھ کر حیران اور ششدر رہ گیا کیونکہ امت کے مسلمہ آئمہ، مفسرین اور محققین نے یہ واقعہ اپنی اپنی کتب میں بلا نکیر و اعتراض نقل کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ امام ابو منصور محمد ماتریدی حنفی (ت:۳۳۳ھ) سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۰ کا شانِ نزول اسی واقعہ کو قرار دیتے ہیں اس کا حوالہ "تاویلات اھل السنة" کی پہلی جلد کے صفحہ ۴۴۶ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد المعروف امام ابن ابی حاتم (ت۔۳۲۷ھ) نے بھی واقعہ سند کے ساتھ اپنی تفسیر قرآن العظیم کی تیسری جلد کے صفحہ ۹۹۴ پر ذکر کیا ہے۔

۳۔ امام سلیمان بن احمد طبرانی (ت:۳۶۰ھ) نے امام کلبی کے حوالہ سے یہی واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ میرا فیصلہ ان لوگوں کے بارے میں اسی طرح ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کرتے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضرت جبرئیل امین نے آ کر یہ اعلان کیا۔

ان عمر فرق بين الحق والباطل فسمي الفاروق — حضرت عمر رضی اللہ عنہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں اسی لئے ان کا نام فاروق رکھ دیا گیا ہے۔

یہ حوالہ تفسیر الکبیر جلد نمبر ۲ کے صفحہ ۲۵۶ پر موجود ہے۔

۴۔ امام ابواللیث سمرقندی (ت:۴۰۰ھ) نے اسی سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۰ کا شانِ نزول یہی بیان کیا ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دونوں کی گفتگو سنی تو فرمایا کہ یہاں بیٹھو۔

ثم دخل البیت و خرج بالسیف وقتل المنافق فنزلت آلایۃ	پھر گھر میں داخل ہوئے تلوار لے کر باہر آئے اور منافق کو قتل کر دیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

یہ تفسیر بحر العلوم جلد ا صفحہ ۳۳۹ پر موجود ہے۔

۵۔ امام ابواسحاق احمد الثعلبی (ت:۴۲۷ھ) نے امام کلبی از ابوصالح از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی واقعہ نقل کیا ہے جس میں یہ بھی موجود ہے کہ حضرت جبرئیل امین نے آکر یہ اعلان کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل میں فرق کیا اس لئے ان کا نام فاروق رکھ دیا گیا۔اس کا حوالہ الکشف والبیان کی جلد ۳ کے صفحہ ۳۳۷ پر موجود ہے۔

۶۔ امام ابوالحسن علی بن محمد ماوردی (ت:۴۵۰ھ) نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۲ فکیف اذا اصابتھم مصیبۃ کے تحت فرماتے ہیں کہ اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں دو اقوال ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو نہ ماننے والے منافق کو قتل کیا تو اس کے منافقین بھائی اس کے خون کا مطالبہ کرنے لگے اس کا حوالہ تفسیر الماوردی کی پہلی جلد کے صفحہ نمبر ۵۰۲ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

۷۔ امام محی السنہ محمد الحسین بن مسعود البغوی (ت:۵۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ جب منافق کے کہنے پر وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو یہودی نے آپ کو سارا واقعہ سنا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے پوچھا کہ کیا یہ معاملہ اسی طرح ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا تم دونوں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔

فدخل عمر البیت واخذ السیف واشتمل علیہ ثم خرج فضرب بہ المنافق حتی برد	حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر داخل ہوئے تلوار لی اور پھر نکلے منافق کو ایسی تلوار ماری حتیٰ کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔

اس کے حوالے کے لئے تفسیر معالم التنزیل جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۴۴۶ دیکھی

جا سکتی ہے۔

۸۔ امام جار اللہ زمخشری (ت:۵۲۸ھ) نے تو شانِ نزول صرف یہی بیان کیا ہے حوالہ کے لیے الکشاف جلد ا صفحہ ۵۲۵ دیکھا جائے۔

۹۔ امام قاضی ابو محمد عبدالحق بن عطیہ اندلسی (ت:۵۴۶ھ) نے لکھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس منافق کو وہیں ٹھنڈا کر کے فرمایا۔

هذا حكمي في من لم يرض بحكم رسول الله صلى الله عليه وسلم — اس شخص کے بارے میں یہ میرا فیصلہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے راضی نہ ہو۔

"تفسیر المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز" کی جلد دوم کے صفحہ ۷۲ پر اس کا ریفرنس موجود ہے۔

۱۰۔ امام عبدالرحمٰن بن علی بن جوزی (ت:۵۹۷ھ) نے اسی واقعہ کو ابو صالح کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق کو تلوار کے ساتھ وہیں ٹھنڈا کر دیا اس کا حوالہ "زاد المسیر" کی جلد ۲ کے صفحہ نمبر ۱۷ پر موجود ہے۔

۱۱۔ امام فخر الدین رازی (ت:۶۰۶ھ) نے کثیر مفسرین سے اس آیت کا شانِ نزول یہی واقعہ بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ منافق کے رشتہ دار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو ردّ کیا تھا تو اسی وقت حضرت جبرئیل امین علیہ السلام آ گئے اور کہا کہ یہ فاروق ہیں انہوں نے حق و باطل کے درمیان فرق کیا۔ اس حوالے کے لئے تفسیر کبیر جزو ۱۰ کے صفحہ نمبر ۱۲۰ کو ملاحظہ کیا جائے۔

۱۲۔ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی (ت:۶۷۱ھ) نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی واقعہ نقل کیا کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو تلوار سے اڑا دیا تو یہ آیت نازل ہوئی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقعہ پر ارشاد فرمایا "انت الفاروق" اور سیدنا جبرئیل نے نازل ہو کر کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل میں فرق کیا ہے اس لئے ان کا نام "فاروق" ہے اسی بارے میں یہ تمام آیات "ویسلموا تسلیما" تک نازل ہوئی ہیں۔ تفسیر الجامع لاحکام القرآن کی جلد ۵ کے صفحہ ۲۵۴ پر اس کا حوالہ بھی ملاحظہ

کیا جاسکتا ہے۔

۱۳۔ امام قاضی بیضاوی (ت:۶۸۵ھ) نے بھی سورۃ النساء کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق کا سر اڑاتے ہوئے فرمایا کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلوں کو نہ مانے اس کا فیصلہ اسی طرح کیا جائے گا۔ اس پر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کیا۔ اس کے حوالہ کے لئے تفسیر بیضاوی کی جلد ۲ کے صفحہ ۲۰۷ کو دیکھا جاسکتا ہے۔

۱۴۔ امام علاء الدین علی بن محمد المعروف خازن (ت:۷۲۵ھ) نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے سورۃ النساء آیت نمبر ۶۰ کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے یہی بات کہی، سارا واقعہ لکھا ہے اور کہا ہے کہ اسی موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق قرار دیا۔ تفسیر لباب التاویل کی پہلی جلد کے صفحہ ۳۹۲ پر اس کا حوالہ موجود ہے۔

۱۵۔ امام نظام الدین حسن نیشا پوری (ت:۷۲۸ھ) نے بھی اکثر مفسرین سے یہی شانِ نزول امام کلبی از ابو صالح از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کیا یہ تفسیر غرائب القرآن کی جلد دوم کے صفحہ ۴۳۶ پر موجود ہے۔

۱۶۔ امام ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی (ت:۷۴۵ھ) لکھتے ہیں کہ منافق نے کہا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں۔ یہودی نے وہاں جا کر بتایا کہ تمہارے رسول ﷺ نے یہ فیصلہ دیا ہے اور یہ شخص اس فیصلے پر راضی نہیں پھر۔

فاقر المنافق بذلك عند عمر ، فقتله عمر	اب منافق نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں اس بات کا اقرار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اڑا دیا۔

یہ حوالہ "البحر المحیط" کی جلد ۳ اور صفحہ ۲۹۲ پر موجود ہے۔

۱۷۔ امام ابو حفص عمر بن عادل حنبلی (ت:۸۸۰ھ) سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۰ کے شانِ نزول کے بارے میں امام کلبی از ابو صالح از حضرت ابن عباس یہی واقعہ نقل کرتے ہیں۔ اللباب فی علوم الکتاب جلد ششم کے صفحہ نمبر ۴۵۴ پر موجود ہے۔

۱۸۔ امام جلال الدین السیوطی (ت: ۹۱۱ھ) نے امام ابن ابی حاتم، شیخ حکیم ترمذی، ابن مردویہ اور حافظ دحیم کی تفاسیر کے حوالے سے اسی سورۃ النساء کے تفسیر میں یہی واقعہ نقل کیا ہے حوالہ الدر المنثور کی جلد نمبر ۲ کے صفحہ نمبر ۵۸۵ پر دیکھیں۔

۱۹۔ امام خلیب شربینی (ت: ۹۷۷ھ) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تفصیلی واقعہ نقل کیا ہے اور بتایا کہ یہی واقعہ اس آیت کا شانِ نزول ہے، حوالہ کے لئے السراج المنیر کی پہلی جلد صفحہ ۳۸ دیکھ لی جائے۔

۲۰۔ امام سیّد محمود آلوسی (ت: ۱۲۷۰ھ) نے یہی واقعہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۰ کے تحت نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ اسی موقع پر سیدنا جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام "فاروق" رکھا۔ حوالہ کے لئے امام آلوسی کی تفسیر روح المعانی کی جلد نمبر ۵ میں صفحہ نمبر ۸۹ دیکھا جاسکتا ہے۔

الغرض بقول امام فخر الدین رازی کثیر مفسرین اور امام نظام الدین نیشا پوری اکثر مفسرین نے اسی واقعہ کو اس آیت کا شانِ نزول قرار دیا ہے جیسا کہ پہلے ان کے حوالہ جات پیش کئے جاچکے ہیں۔ تمام مفسرین، محدثین اور اہل سیر مفسرین نے یہ واقعہ مختصر یا تفصیل کے ساتھ نقل کیا اور اس سے مسائل کا استنباط کیا۔ بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لے کر آج تک یہ واقعہ تمام اصحابِ علم بیان کرتے ہیں۔ اب عمار صاحب سے ہم یہ سوال پوچھیں گے کہ کیا یہ اپنے اپنے دور کے مسلمہ اہل علم اور محققین نہیں۔ انہیں کوئی بھی صاحبِ عقل شخص پیشہ ور کیسے قرار دے گا؟

اب عمار ناصر کا یہ لکھنا کہ............"............تاریخ اور تفسیر کی معروف اور قدیم کتابوں میں اس کا کہیں ذکر تک نہیں......"......(براھین: ۵۶۱)

اس کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟ کیا صحابہ اور تابعین سے بھی زیادہ کوئی قدیم ہو سکتا ہے؟ جبکہ یہ واقعہ تو صحابہ اور تابعین کا بیان فرمودہ ہے اور مفسرین نے انہی کے حوالے سے اپنی کتابوں میں اسے درج کیا ہے۔ کیا امام ابو منصور ماتریدی (ت: ۳۳۳)، امام ابن ابی حاتم (ت: ۳۲۷) متقدمین میں شامل نہیں؟

س: یہ صاحب کون ہیں؟ عمار ناصر...... جن کے جواب میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا؟

ج: ان کے بارے میں مجھے کوئی خاص معلومات تو نہیں۔ بس یہ جانتا ہوں کہ یہ صاحب دیوبندی عالم سرفراز گکھڑوی کے پوتے اور مولانا زاہد الراشدی کے بیٹے ہیں اور اسے اصل فیضان تو غامدی کی صحبت سے ملا ہے۔ جاوید احمد غامدی کا اصل موقف یہی ہے جسے انہوں نے احناف کے کاندھے پر رکھ کر اپنے تیئں چلانے کی کوشش کی اور انہوں نے اس مسئلہ پر کتاب "ناموس رسالت کا مسئلہ" لکھ کر غامدی کے موقف کو تقویت دی ہے۔ اس کا رد بھی ہم مستقل طور پر لکھ رہے ہیں جبکہ ہمارے ساتھی علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری نے اس کا رد الگ سے لکھ دیا ہے واضح رہے کہ عمار ناصر کے ہم مسلک اہل علم نے بھی ان کی رائے کو ہرگز قبول نہیں کیا۔

س: حافظ ابن کثیر (ت:۷۷۶ھ) کے متعلق سنا ہے کہ انہوں نے اس واقعہ پر جرح کی ہے اور انہوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ واقعہ غریبٌ جداً ہے تو کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اس سے استدلال درست نہیں؟ آپ کیا فرمائیں گے؟

ج: امام ابن کثیر نے غریبٌ جداً کہا ہے ضعیفٌ جداً نہیں کہا ہے ان دونوں اصطلاحات میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس کی مزید تحقیق کے لئے ہم شیخ سرفراز گکھڑوی کا حوالہ اس لئے پیش کیے دیتے ہیں کہ عمار ناصر صاحب کے لئے اپنے دادا کی بات ماننا شاید زیادہ آسان ہو۔ شیخ سرفراز گکھڑوی نے ارشاد نبوی ﷺ من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید اعلمته کے بارے میں شیخ ابن قیم کے اسی تبصرہ غریبٌ جداً کے حوالے سے لکھا ہے۔

اعتراض:

"ممکن ہے کوئی صاحب یہ کہہ دیں کہ حافظ ابن القیمؒ نے اس روایت کو غریبٌ جداً کہا ہے تو پھر اس سے احتجاج و استدلال کیسا؟ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ غریب حدیثیں مت لکھا کرو کیونکہ وہ منکر ہوتی ہیں اور اکثر ضعیف راویوں سے مروی ہوتی ہیں اور امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ شر العلم الغریب کہ بُرا علم

غریب حدیثوں کا ہوتا ہے اور امام عبدالرزاق ؒ فرماتے ہیں کہ ہم غریب الحدیث کو بہتر سمجھتے تھے مگر وہ بدتر نکلی اور امام ابو یوسف ؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص غریب الحدیث طلب کرتا ہے تو وہ جھوٹ کا مرتکب ہے۔ (محصلہ تدریب الراوی صفحہ ۳۷۶ طبع مصر)

الجواب:

یہاں دو باتیں ہیں ایک فن غریب الحدیث اور دوسری کسی حدیث کا غریب ہونا اور محدثین کرام ؒ کے نزدیک ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ایک متن حدیث سے متعلق ہے اور دوسری بالعموم سند سے، امام ابن الصلاح بتیسویں نوع میں معرفت غریب الحدیث کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وھو عبارة عما وقع فی متون الاحادیث من الالفاظ الغامضة البعیدة من الفھم لقلة استعما لھا ھذا فن مھم یقبح جھله باھل الحدیث خاصة ثم باھل العلم عامة والخوض فیه لیس بالھین الخ (مقدمۃ ابن الصلاح صفحہ ۲۴۵)

غریب الحدیث وہ فن ہے جس میں متون احادیث میں ایسے الفاظ سے بحث کی جاتی ہے جو نہایت مشکل اور فہم سے بعید ہوتے ہیں کیونکہ وہ قلیل الاستعمال ہوتے ہیں اور یہ اہم فن ہے محدثین کا اس سے جاہل رہنا خصوصاً اور دیگر اہل علم کا عموماً قبیح ترین فعل ہے مگر اس میں دخل دینا بھی آسان کام نہیں ہے۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

غریب الحدیث ھو ما وقع فی متن الحدیث من لفظة غامضة بعیدة من الفھم لقلة استعمالھا وھو فن مھم والخوض فیه صعب فلیتحر خائضه الخ (تقریب النواوی مع تدریب الراوی صفحہ ۳۷۸ طبع مصر)

غریب الحدیث اس کو کہتے ہیں کہ متن حدیث میں کوئی مشکل اور بعید از فہم لفظ واقع ہو کیونکہ اس کا استعمال کم ہوا ہے اور یہ اہم فن ہے اور اس میں خوض اور دخل دینا بہت مشکل ہے سو اس میں خوض کرنے والے کو محنت اور کوشش کرنی چاہیے۔

چونکہ یہ فن بڑا مشکل ہے اور ہر کہہ و مہ کی اس تک رسائی نہیں ہو سکتی اس لیے حضرت امام مالکؒ، امام عبدالرزاقؒ اور امام ابو یوسفؒ وغیرہ نے اس میں دخل دینے سے منع کیا ہے تاکہ نااہل لوگ اس میں دخل دینے پر جری نہ ہو جائیں اور ایسے غریب اور مشکل الفاظ صحیح حدیثوں میں بھی اکثر آ جاتے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس حدیث پر لفظ غریب بولا گیا وہ صحت کے معیار ہی سے گر گئی اور ضعیف ہو گئی جیسا کہ نہایت ہی سطحی قسم کے لوگوں نے سوء فہم سے یہ سمجھ رکھا ہے اور من صلی عند قبری الحدیث اس معنی میں غریب نہیں ہے کیونکہ اس کے متن میں کوئی ایسا لفظ واقع نہیں جو بعید از فہم اور مشکل ہو پھر اس حدیث کو غریب الحدیث کی مد میں لے جانا اور پھر اس کو ضعیف قرار دینا اہل علم کی شان سے بالکل بعید ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ہاں البتہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے جن غرائب کا ذکر کیا ہے وہ ایسی غریب حدیثیں ہیں جن کی سند میں کوئی راوی متفرد ہو اور ایسی احادیث کے لکھنے سے انہوں نے منع فرمایا ہے اور وجہ یہ بیان کی کہ وہ اکثر ضعیف راویوں سے مروی ہوتی ہیں اور منکر ہوتی ہیں، اکثر غرائب بڑے شوق سے مناکیر اور ضعفاء سے مروی ہوں یہ دعویٰ ہم نے کب کیا ہے کہ ہر غریب حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے بھی یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ تمام غرائب منکر اور ضعیف ہوتی ہیں، ان کا دعویٰ بھی تو یہی ہے کہ ان میں اکثر ضعیف ہوتی ہیں ہاں ان میں صحیح بھی ہیں اور لفظ عامتھا اس کا واضح قرینہ ہے۔

امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ:

ثم ان الغریب ینقسم الی صحیح کالافراد المخرجة فی الصحیح والی غیر صحیح و ذلك هو الغالب علی الغرائب اھ

پھر غریب کی دو قسمیں ہیں ایک صحیح جیسے ان متفرد راویوں کی حدیثیں جن کی صحیح میں تخریج کی گئی ہے اور دوسری غیر صحیح اور غرائب پر یہی غالب ہے۔

(مقدمہ ۲۴۴)

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ تمام غرائب غیر صحیح نہیں ہیں بلکہ ان میں صحیح

بھی ہیں اور امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ:

وینقسم الی صحیح وغیرہ وھو الغالب اھ — کہ غریب کی دو قسمیں ہیں ایک صحیح اور دوسری غیر صحیح اور غالب یہی ہے۔

(تقریب النواوی صفحہ ۳۷۶)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ غریب حدیثیں صحیح بھی ہوتی ہیں اور امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ بخاری کی پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات غریب ہے فان اسنادہ متصف بالغرابۃ الخ (مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۲۴۵) اس کی سند غرابت سے متصف ہے۔

تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ ضعیف ہے؟ اور بخاری اور مسلم میں متعدد روایتیں اس لحاظ سے غریب ہیں کہ ان میں کہیں راوی متفرد ہوتا ہے مگر ہیں وہ صحیح اور ترمذی شریف میں متعدد مقامات پر آتا ہے۔ ھذا حدیث حسن غریب حسن صحیح غریب (مزید تشریح شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۳۵ اور توجیہ النظر صفحہ ۶۱ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں) اگر غرابت صحت کے منافی ہوتی تو یہ حسن اور صحیح کے ساتھ کیسے جمع ہو گئی؟ محض غریب غریب کہہ کر پوری امت مسلمہ کی مخالفت کر کے اس جید اور صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینا کوئی دینی اور علمی خدمت نہیں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:

ان الغرابۃ لاتنا فی الصحۃ ویجوزان یکون الحدیث صحیحاً غریباً — بلاشک غرابت صحت کے منافی نہیں ہے اور جائز ہے کہ حدیث صحیح غریب ہو۔

(مقدمہ مشکوٰۃ صفحہ ۶ طبع اصح المطابع دہلی)

اور مؤلف ندائے حق صفحہ ۱۸۴ میں لکھتے ہیں کہ اور نری وحدت راوی مضر نہیں اور نہ یہ جرح ہے۔ وحدۃ الراوی لیس بجرح عندنا (فواتح الرحموت ج ۱ صفحہ ۴۳۵)

الغرض اس روایت پر اصول حدیث کے رُو سے کوئی ایسا اعتراض وارد نہیں ہوا جو اس کی صحت اور اس کے قابل احتجاج ہونے پر اثر انداز ہو یہی وجہ ہے کہ ساری امت اس کے مفہوم پر متفق ہے۔"

☆☆☆

س: عمار خان ناصر نے لکھا کہ...... "امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر آیت کے شانِ نزول سے متعلق تمام اقوال و روایات کا احاطہ کرتے ہیں لیکن انہوں نے اس واقعہ کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیر نے بھی اس کو غریبٌ جداً کہا ہے۔اصول حدیث کی رو سے ایسے معروف واقعات کی روایت میں خبرِ واحد معتبر نہیں ہوتی۔" ......اس حوالے سے آپ کیا فرمائیں گے؟

ج: ھذا غریبٌ جداً پر گفتگو تو پہلے ہو چکی۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ امام ابن جریر طبری نے اس واقعہ کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ یہ بات نہایت ہی قلتِ مطالعہ اور تسامح ہے امام ابن جریر طبری نے یہ واقعہ اگرچہ تفصیلاً بیان نہیں کیا۔ لیکن اختصاراً انہوں نے اس واقعہ کو صرف بیان ہی نہیں کیا بلکہ اس واقعہ اور شانِ نزول کو "اولیٰ بالصواب" قرار دیا ہے۔

انہوں نے اس کا ابتدائی حصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت نمبر ۶۰ کے تحت یوں ذکر کیا ہے۔

عن ابن عباس قوله: (یریدون أن یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به) والطاغوت: رجل من الیهود کان یقال له کعب بن اشرف وکانوا اذا ما دعوا الی ما انزل الله والی الرسول لیحکم بینهم قالوا: بل نحا کمکم الی کعب فذلك قوله: (یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت) الایة

(جامع البیان جلد ۴ صفحہ ۲۱۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ ارشادِ الٰہی (یریدون أن یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به) اور طاغوت یہود میں سے ایک شخص تھا جسے کعب بن اشرف کہا جاتا ہے جب انہیں ان چیزوں کی طرف دعوت دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ تعلیمات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تاکہ ان کے درمیان وہ فیصلہ کریں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم معاملہ کو فیصلہ کے لئے کعب بن اشرف کی طرف لے جاتے ہیں اور (یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت) یہی سے مراد ہے۔

اس سے اگلی روایت حضرت مجاہد سے نقل کی کہ ارشاد الٰہی (الم ترا الی الذین یزعموان انھم آمنوا بما انزل الیك و ما انزل من قبلك) کی تفسیر میں انہوں نے کہا کہ ایک منافق اور ایک یہودی کے مابین تنازعہ ہوا۔ منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں یہودی نے کہا کہ نبی ﷺ کی طرف چلتے ہیں۔ ایک روایت میں حضرت مجاہد سے یہودی کے الفاظ یہ ہیں۔

انھب الی محمد (ﷺ) کہ ہم محمد (ﷺ) کی طرف چلتے ہیں۔

(جامع البیان:۴_۲۱۳)

اگرچہ انہوں نے شانِ نزول کے طور پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا پانی والا واقعہ بھی بیان کیا ہے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ منافق اور یہودی کے واقعہ کو شان نزول قرار دینا بہتر اور درست ہے کیونکہ ارشاد الٰہی فلا وربك...... اسی واقعہ کے سیاق میں ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان الفاظ الم ترا الی الذین سے دی ہے اور ایسی کوئی دلیل نہیں جو اس واقعہ کے انقطاع پر دلیل بن سکے۔ تو کسی واقعہ کو دوسرے واقعہ کے ساتھ لاحق کرنا ہوتا ہے جبکہ اس کے انقطاع پر دلیل نہ ہو اولیٰ ان کے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

قال ابوجعفر: وھذا القول اعنی قول من قال: عنی به المتحکمان الی الطاغوت اللذان وصف الله شانھما فی قوله: (الم ترا الی الذین یزعمون انھم امنوا بما انزل الیك وما انزل من قبلك) اولی بالصواب، لان قوله: (فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم) فی سیاق قصة الذین ابتدأ الله الخبر عنھم بقوله: (الم ترالی الذین یزعمون انھم امنوا بما انزل الیك) ولا دلالة تدل علی انقطاع

ابوجعفر کہتا ہے کہ یہ قول میری مراد ان لوگوں کا قول ہے کہ جنہوں نے یہ مراد لیا کہ انہوں نے طاغوت کی عدالت کی طرف یہ معاملہ لے جانے کے لئے کہا۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ آپ کے نازل کردہ پر ایمان لائے اور وہ جو آپ ﷺ سے پہلے نازل کیا گیا۔ یہ قول صواب بہتر ہے۔ کیونکہ ارشاد الٰہی اور ہر گز نہیں تیرے رب کی قسم! وہ ایمان دار

قصتهم ، فالحاق بعض ذلك ببعض ما لم تأت دلالة على انقطاعه اولى
(جامع البیان:۴۔۳۲۰)

نہیں حتیٰ کہ وہ آپ ﷺ کو فیصل مانے جو اُن کا آپس میں اختلاف ہوا۔" یہ اس واقعہ کے سیاق میں ہے جس کی ابتدا بطور خبر اللہ تعالیٰ نے یوں کی۔ کیا تم نہیں دیکھتے ان لوگوں کی طرف، جو گمان کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے جو تم پر نازل کیا گیا اور کوئی دلیل ایسی نہیں جو بتائے کہ ان کے واقعہ میں انقطاع ہوا ہے تو بعض کو بعض کے ساتھ ملحق کر دینا اولیٰ ہوتا ہے جب تک انقطاع پر کوئی دلیل نہ ہو۔"

اس کے بعد امام طبری کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ سوائے قلت مطالعہ کے اور کچھ نہیں۔ آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ امام طبری نے اسے اختصاراً بیان کیا ہے تفصیلاً بیان نہیں کیا۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے اس واقعہ کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔

اس پر ہم اہل علم کی تصریحات ذکر کیے دیتے ہیں جنہوں نے یہ واضح کیا کہ امام طبری نے اس واقعہ کو اختصاراً بیان کیا ہے اگرچہ تفصیلاً بیان نہیں کیا۔

امام جلال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی (ت:۷۶۲ھ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تفصیلی واقعہ متعدد مفسرین اور محدثین سے نقل کر کے امام طبری کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

وأما الطبری فانه اختصره ولم یذكر فیه قصة عمر بل ذكر صدر الحدیث فقط عن ابن عباس
(تخریج الاحادیث والآثار، ۱۔۳۳۰)

یعنی امام طبری نے اسے مختصراً بیان کیا اور اس میں قصہ عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ حدیث کا ابتدائی حصہ حضرت ابن عباس سے بیان کیا۔

۲۔ امام ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں اسی مسئلہ پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے اور متعدد آئمہ اور محدثین سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں لکھا ہے کہ منافقین میں سے ایک شخص اور یہودی کے درمیان جھگڑا ہوا۔ یہودی نے کہا کہ چلو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس فیصلہ کرواتے ہیں۔ منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ پھر انہوں نے یہ واقعہ ذکر کیا اور اسی واقعہ کا حصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق کو قتل کر دیا۔ اور یہ ان آیات کے نزول کا سبب بنا اور عمر رضی اللہ عنہ کا نام فاروق رکھا گیا۔ یہ سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن طریق مجاہد سے یہ قوی ہو جاتی ہے اور اختلاف واقعہ نقصان نہیں دیتا کیونکہ تعدد کا امکان موجود ہے۔ یہ مزید لکھتے ہیں کہ امام طبری نے اسے اپنی تفسیر میں راجح قرار دیا ہے اور اپنی کتاب تہذیب الآثار میں انہوں نے اہل تاویل سے بیان کیا کہ ان آیات کا سبب نزول یہی واقعہ ہے تاکہ تمام آیات کا نظم سبب واحد کے تحت آجائے اور لکھا تاکہ ان کے درمیان ایسی شے نہ آجائے جو ان کے خلاف کا تقاضا کرے پھر فرمایا کہ اس سے کوئی مانع نہیں کہ حضرت زبیر اور ان کے مخالف کا واقعہ درمیانی مدت میں ہوا ہو اور عمومِ آیت اسے بھی شامل ہو حافظ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں:

وجزم مجاهد والشعبي بأن الاية انما نزلت فيه الاية التي قبلها وهي قوله تعالى الم ترالى الذين يزعمون انهم آمنوا بما انزل اليك وما انزل من قبلك يريدون ان يتحاكموا الى الطاغوت الاية فروى اسحق بن راهويه في تفسيره باسناد صحيح عن الشعبي قال كان بين رجل من اليهود ورجل من المنافقين خصومة فدعا اليهودي المنافق الى النبي صلی اللہ علیہ وسلم لانه علم انه لا

حضرت مجاہد اور شعبی نے جزم کا اظہار کیا ہے کہ یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی ہے جن کے حق میں پہلی آیتیں آئی ہیں اور وہ یہ ارشاد گرامی ہے۔ الم ترالی الذین یزعمون انهم آمنوا بما انزل الیك وما انزل من قبلك یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت الایة امام اسحاق بن راھویہ نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ امام شعبی سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی اور منافق کے درمیان جھگڑا

يقبل الرشوة ودعا المنافق اليهودي الى
حكامهم لانه علم انهم ياخذونها
فانزل الله هذا الآيات الى قوله
ويسلموا تسليما وأخرجه ابن حاتم من
طريق ابن ابي نجيح عن مجاهد نحوة
وروى الطبري باسناد صحيح عن ابن
عباس ان ابي حاكم اليهود يومئذ
كان أبا برزة الاسلمي قبل أن يسلم و
يصحب ورويناه باسناد آخر صحيح الى
مجاهد أنه كعب بن الاشرف وقد
روى الكلبي في تفسيرة عن ابي صالح
عن ابي عباس قال نزلت هذه الاية في
رجل من المنافقين كان بينه وبين
يهودي خصومة فقال اليهودي انطلق
بنا الى محمد و قال المنافق بل نأتي
كعب بن الاشرف فذكر القصة وفيه
ان عمر قتل المنافق وأن ذلك سبب
نزول هذه الايات وتسمية عمر
الفاروق وهذا الاسناد وان كان ضعيفًا
لكن تقوى بطريق مجاهد ولا يضرة
الاختلاف لامكان التعدد وافاد
الواحدي باسناد صحيح عن سعيد عن
قتادة أن اسم الانصاري المذكور
قيس ورجح الطبري في تفسيرة وعزاه

ہوا یہودی نے منافق کو نبی کریم ﷺ کی
بارگاہ میں فیصلے کی دعوت دی اس لئے کہ وہ
جانتا تھا کہ آپ ﷺ رشوت نہیں لیتے
منافق نے یہودی کو اپنے حکام کی طرف
دعوت دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ رشوت
لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات یسلموا
تسلیما تک نازل کیں۔ امام ابن ابی
حاتم نے ابن ابی نجیح کی سند سے حضرت
مجاہد سے اسی طرح نقل کیا۔ امام طبری
نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ یہودی حاکم اس وقت
ابو برزہ اسلمی تھے یہ ان کے اسلام لانے
اور صحابی بننے سے پہلے کا واقعہ ہے
حضرت مجاہد تک ایک اور صحیح سند سے
کعب بن اشرف کا نام بھی ہے امام کلبی
نے اپنی تفسیر میں ابوصالح سے انہوں نے
حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ یہ آیت
مبارکہ منافق اور اس یہودی کے بارے
میں نازل ہوئی جن میں جھگڑا ہوا۔
یہودی نے کہا کہ محمد (ﷺ) کے پاس
چلو۔ منافق نے کہا کہ بلکہ ہم کعب بن
اشرف کے پاس چلتے ہیں پھر انہوں نے
واقعہ ذکر کیا اور اسی میں ہے کہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے منافق کو قتل کر دیا اور یہی ان

الی اهل التاویل فی تهذیبه ان سبب نزولها هذه القصة لیتسق نظام الایات کلها فی سبب واحد قال ولم یعرض بینها ما یقتضی خلاف ذلك ثم قال ولا مانع ان تکون قصة الزبیر و خصمه وقعت فی أثناء ذلك فیتناولها عموم الایة۔ والله اعلم

(فتح الباری: ۵۔۲۹)

آیات کے نزول اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام 'فاروق' کا سبب نہیں۔ یہ سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن حضرت مجاہد کے طریق سے اسے قوت حاصل ہو جاتی ہے اور تعدد کے امکان کی وجہ سے اختلاف معتبر نہیں رہتا۔ امام واحدی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سعید اور انہوں نے قتادہ سے مذکور انصاری کا نام قیس ذکر کیا ہے امام طبری نے اپنی تفسیر میں اسے ترجیح دی ہے اور اپنی کتاب تہذیب الآثار میں اہل تاویل کی طرف سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا سبب نزول یہی واقعہ ہے تاکہ تمام آیات کا ایک ہی سبب کے تحت نظم قائم رہے۔ اور کہا کہ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہ آجائے جو اس کے مخالف ہو پھر لکھا کہ اس سے کوئی مانع نہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے مخالف کا واقعہ اس اثنا میں پیش آیا ہو تو اسے بھی آیت کا عموم شامل ہے۔ واللہ اعلم

حافظ ابن حجر نے امام طبری کی تھذیب الاثار کا حوالہ دیا ہے کتاب کی اصل عبارت یہ ہے۔ امام طبری مسند زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے تحت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا پانی والا واقعہ ذکر کرتے ہیں اور کچھ اہل علم کی طرف سے اس مذکورہ واقعہ پر تیسرا اعتراض یوں بیان کرتے ہیں کہ اہل تاویل نے اس آیت کو اس واقعہ پر محمول کیا ہے کہ منافق اور یہودی

کا جھگڑا ہوا۔ یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ کی طرف اور منافقین نے کعب بن اشرف کی طرف رجوع کی دعوت دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں اور اہل علم کہتے ہیں کہ ان اہل تاویل کا یہ قول صحت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ یہ دونوں کے ذکر کے سیاق میں ہے اور ان کے واقعہ کے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں جو روایت کو ان کے علاوہ کی طرف پھیر دے۔ اس کے بعد انہوں نے اس واقعہ پر متعدد روایات امام شعبی اور حضرت مجاہد سے نقل کیں یہ ان کے الفاظ پڑھیں۔

والثالثة: ان اهل التاويل انما وجهوا تاويل هذا الاية الى انه عنى بها المنافق الذى خاصم اليهودى الذى دعاه الى رسول الله ﷺ ودعاه المنافق الى كعب بن الاشرف او الى الكاهن من جهينة اللذين انزل الله تبارك و تعالى فيهما: الم ترا الى الذين يزعمون انهم امنوا بما انزل اليك وما انزل من قبلك يدون ان يتحاكموا الى الطغوت وقد امروا ان يكفر وا به (النساء: ٦٠) قالوا: وقولهم ذلك اقرب الى الصحة لان ذلك فى سياق ذكرهماولم يعترض من قصتهما شى يوجب صرف الخبر عنهما الى غيرهما

تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ اہل تاویل نے اس آیت کی تاویل کرتے ہوئے مراد وہ منافق لیا ہے جسے یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دعوت دی اور منافق نے کعب بن اشرف یا قبیلہ جہینہ کے کاہن کی طرف دعوت دی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل کیا۔ الم ترا الى الذين يزعمون انهم امنوا بما انزل اليك وما انزل من قبلك يدون ان يتحاكموا الى الطغوت وقدا مروا ان يكفر وا به (النساء: ٦٠) اور ان کا کہنا یہ ہے کہ ان کا یہ قول صحت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ یہ ان دونوں کے ذکر کے سیاق میں ہے اور ان دونوں کے واقعہ میں کوئی شے عارض نہیں ہوئی جو اس خبر کو ان دونوں کے غیر کی طرف پھیرنے کا سبب ہے۔

حافظ ابن حجر ہی اپنی کتاب "العجاب" میں انہی آیات کے شانِ نزول کے بارے میں امام ابن ابی حاتم سے یہی واقعہ نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کے قول کو تقویت حاصل ہے جو کہتے ہیں کہ یہ تمام آیات ان کے حق میں نازل کی گئیں جو مقدمہ کاہن کے پاس لے جانا چاہتے تھے اور اسی پر امام طبری نے جزم کا اظہار کیا اور اسی کو قوی قرار دیا ہے ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وفیہ تقویۃ لقول من قال: ان الایات کلھا انزلت فی حق المتخاصمین الی الکھاھن کما تقدم، وبھذا جزم الطبری وقولہ بان الزبیر لم یجزم بان الایۃ نزلت فی قصۃ بل اوردہ ظنًا قلت: لکن تقدم فی حدیث ام سلمۃ الجزم بذلہ ویحتمل ان تکون قصۃ الزبیر وقعت فی اثناء ذلك فتنا ولھا عموم الایۃ واللہ اعلم

(العجائب فی بیان الاسباب ج۲۔ صفحہ۹۰۹)

اس میں ان کے قول کی تقویت ہے جو کہتے ہیں کہ یہ تمام آیات ان کے حق میں نازل ہوئیں جو کاہن کی طرف اپنا معاملہ لے کر گئے جیسا کہ پیچھے گزرا...... امام طبری نے اسی پر جزم کیا اور اسے قوی قرار دیتے ہوئے کہا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بطور جزم یہ بیان نہیں کیا کہ یہ آیت ان کے واقعہ میں نازل کی گئی ہے بلکہ انہوں نے یہ بات بطور ظن کہی۔ میرے نزدیک حضرت ام سلمہ کی حدیث میں اس بارے میں جزم کا ذکر ہوا ہے ممکن ہے کہ یہ حضرت زبیر کا واقعہ اسی اثنا میں پیش آیا ہو تو عمومِ آیت اسے بھی شامل ہے۔ واللہ اعلم

واضح رہے کہ امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو واقعہ اختصاراً بیان کیا اسے امام ابوالحسن بن احمد واحدی (ت:۴۶۸ھ) نے حضرت ابن عباس سے ہی بڑی تفصیل کے ساتھ پورا واقعہ بیان کیا اور اس میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہ بیان کیا۔

فقال عمر للمنافق: اكذلك؟ قال: نعم، فقال لهما: رويدا حتى اخرج اليكما فدخل عمر واخذ السيف فاشتمل عليه ثم خرج اليهما وضرب به المنافق حتى برد وقال: هكذا اقضى لمن لم يرض بقضاء الله وقضاء رسوله وهرب اليهودي ونزلت هذه الاية وقال جبريل عليه السلام: ان عمر فرق بين الحق والباطل فسمى الفاروق

(اسباب النزول۔۹۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے پوچھا۔ معاملہ اسی طرح ہے اس نے کہا۔ ہاں! فرمایا: دونوں ٹھہرو، میں تمہاری طرف واپس آتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تلوار لی اور دونوں کی طرف نکلے۔ منافق کو تلوار ماری یہاں تک کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہوگیا اور فرمایا میں اسی طرح ان کا فیصلہ کروں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو نہ مانے۔ یہودی بھاگ گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کردیا اس لئے ان کا نام "فاروق" ہے۔

ان آئمہ اور محدثین کی عبارات سے یہ فوائد واضح طور پر سامنے آتے ہیں مثلاً

۱۔ اس واقعہ کو مختصراً امام طبری نے بھی شانِ نزول کے طور پر بیان کیا ہے۔

۲۔ اسی واقعہ کو شانِ نزول کے طور پر امام طبری سمیت آئمہ ترجیح دیتے ہوئے صواب قرار دیتے ہیں۔

۳۔ امام ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ

وفيه ان عمر قتل المنافق وان ذالك سبب نزول هذه الايات والتسمية عمر الفاروق

(فتح الباری: ج ۵۔۲۹)

کہ اسی کا حصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق کو قتل کیا اور یہی ان آیات کے نزول کا سبب ہے اور اسی سبب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام فاروق

اسی بات کی تصریح امام جمال الدین زیلعی نے بھی یوں کی۔

بل ذکر صدر الحدیث فقط عن ابن عباس — بلکہ امام طبری نے اس حدیث کا فقط ابتدائی حصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا۔ (تخریج الاحادیث والاثار، ۱۔۳۳۰)

۴۔ حافظ ابن حجر کی یہ تصریح بھی سامنے آگئی کہ اگر مذکورہ واقعہ کی سند میں کچھ ضعف بھی ہے تو حضرت مجاہد کی سند سے اسے تقویت حاصل ہوگئی ہے لہٰذا اس کے ضعف کا ازالہ ہو جاتا ہے اور اس سے استدلال کرنا درست ہے۔

۵۔ ان اہل علم کی تصریحات یہ بتاتی ہیں کہ اگر ان آیات کا شانِ نزول مذکورہ واقعہ کو قرار دیا جائے تو یہ نظم آیات کے زیادہ مناسب ہے۔

۶۔ ان میں یہ بھی تصریح ہے کہ اصل شانِ نزول کا واقعہ یہی ہے البتہ درمیان میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ہوا اور اس آیت کا عموم اسے بھی شامل ہے۔

ہمارے ان حوالہ جات، تصریحات اور دلائل کے بعد بھی اگر کوئی اپنی انا کی تسکین کے لئے یہ کہے کہ ...... "ہمارے معاشرے میں پیشہ ور اور غیر محتاط واعظین نے جن اصل کہانیوں کو مسلسل بیان کر کر کے زبان زدِ عام کر دیا ہے، ان میں سے ایک سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک منافق کو قتل کرنے کا واقعہ بھی ہے۔ (براہین صفحہ ۲۵۲) تو اسے سوائے ضد اور ہٹ دھرمی کے کیا کہا جاسکتا ہے؟

س: فریق مخالف عبداللہ بن لھیعۃ کو ایک ضعیف راوی قرار دیتے ہیں آپ ان کے حوالے سے کچھ کہیں گے؟

ج: عمار ناصر نے ابن لھیعۃ پر صرف الفاظ جرح ہی نقل کیے ہیں اور الفاظ تعدیل کا ذکر کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا۔ حالانکہ جو جو ان پر جرح کی گئی ہے اہل علم نے اس کا جواب بھی دیا ہے مثلاً اگر یہ کہا گیا کہ ان کی کتب جل گئی تھیں اور آخری عمر میں وہ اختلاط اور سوء حفظ کا شکار ہو گئے تھے تو اس کے جواب میں آئمہ نے یہ تصریح کی ہے کہ اول تو ان کی کتب جلی نہیں تھیں ان کے گھر میں آگ ضرور لگی لیکن ان کی کتب محفوظ رہیں۔ کچھ اہل علم کی تحقیق یہ ہے کہ ان کی کچھ کتب جلی تھیں مگر اصول بچ گئے تھے۔ پھر اکثر اہل علم نے

یہ بات واضح کی جن میں دورِ جدید میں مخالفین کا مسلمہ محقق ناصر الدین البانی بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ اگر ابن لھیعۃ سے تین عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن وہب اور عبداللہ بن ابوعبدالرحمٰن المقری اگر روایت کریں تو ان کی روایت مسلمہ ہوگی کیونکہ وہ اصول میں تحقیق کے بعد روایت کرتے ہیں۔ ہم نے اسی لئے پہلے واضح کیا تھا کہ مذکورہ واقعہ ابن لھیعۃ سے عبداللہ بن وہب نے نقل کیا ہے۔

پھر اہل علم نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے کیونکہ جب راوی مختلف فیہ ہو کہ کچھ اہل علم اسے ضعیف اور کچھ ثقہ قرار دیں تو وہ راوی محدثین کے نزدیک حسن الحدیث کہلاتا ہے۔ اسی لئے جن لوگوں نے عبداللہ بن لھیعۃ کو ضعیف قرار دیا ہے انہوں نے بھی اس کی حدیث کو قابل استدلال اور حسن قرار دیا ہے پھر صحاح ستہ کے تمام مصنفین نے اس شخص سے روایت لی ہے جو ان کے مقام کو واضح کرتی ہے لہٰذا مذکورہ واقعہ کے راوی عبداللہ بن لھیعۃ میں اس قدر ضعف نہیں ہے کہ اس کی احادیث کو قابل استدلال ہی نہ سمجھا جائے۔

جس راوی سے امام مالک جیسے لوگ روایت لیں اور اسے اخبرنی الثقۃ کہیں تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم لوگ اس راوی کی روایت کو بے دھڑک بے بنیاد قرار دے دیں واضح رہے کہ اس طرح حق بات کو دبایا نہیں جاسکتا۔

آج کی نشست میں آخری بات یہ ہے کہ عظیم محقق حسن مظفر الرزو نے "الامام المحدث عبداللہ بن لھیعۃ" کے نام سے مستقل کتاب لکھی ہے۔ دارالجلیل بیروت نے (۱۴۱۶ھ۔ ۱۹۹۶ء) میں شائع کیا ہے بڑے سائز کی اس ایمان افروز کتاب کے ۳۱۴ صفحات ہیں جسے آپ یک ہو اس کتاب کا مطالعہ کرے تا کہ تشفی اور اطمینان حاصل ہو۔ اس میں سے کچھ تصریحات اور الفاظ تعدیل ہم بھی ذکر کردیتے ہیں۔

☆☆☆

جیسا کہ ہم پہلے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں واضح کر چکے ہیں کہ آپ ابن لھیعۃ کو ثقہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جب امام مالک یہ فرمائیں کہ ہمیں ثقہ نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا، تو اہل علم نے اس ثقہ سے مراد عمرو بن

حارث یا ابن لیھعہ مراد لیا ہے مثلاً موطا امام مالک میں باب "ماکیرہ أن ینبذ جمعیًا" کے تحت:

حدثنی عن مالك عن الثقة عنده عن بکیر بن عبدالله بن الاشج عن عبد الرحمن الخ	مجھے امام مالک سے اور انہوں نے اپنے نزدیک ثقہ سے انہوں نے بکیر بن عبداللہ بن اشج اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن جناب انصاری سے انہوں نے حضرت ابوقتادہ انصاری سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور اور منقہ کا شیرہ اجتماعی طور پر پینے سے منع کیا۔

اس میں مالك عن الثقه عنده کی تشریح کرتے شارحینِ مؤطا نے لکھا ہے کہ اس سے مراد مخرمہ بن بکیر یا ابن لیھعہ ہیں بلکہ آگے یہ تصریح کی ہے کہ اسے ولید بن مسلم نے عبداللہ بن لیھعہ سے اور انہوں نے بکیر سے نقل کیا ہے۔ شارح مؤطا امام محمد بن عبدالباقی مالکی (ت:۱۱۲۲ھ) کی عبارت ملاحظہ کیجئے۔

(مالك عن الثقة عنده) قیل هو مخرمة بن بکیراو ابن لهیعة فقد رواه الولید بن مسلم عن عبدالله بن لهیعة (عن بکیر)	(امام مالک نے اپنے ہاں ثقہ سے بیان کیا) ثقہ سے مراد مخرمہ بن بکیر یا ابن لیھعہ ہیں اسے ولید بن مسلم نے عبداللہ بن لیھعہ سے اور انہوں نے بکیر سے روایت کیا ہے۔

(شرح الزرقانی:۴:۲۰۷)

مؤطا کے دوسرے شارح امام جلال الدین سیوطی (ت:۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

(مالك عن الثقه عنده) رواه الولید بن اسلم عن مالك عن عبدالله بن لهیعة عن بکیر	(امام مالک نے اپنے ہاں ثقہ سے اور انہوں نے بکیر سے نقل کیا) اسے ولید بن اسلم نے مالک سے اور انہوں نے عبداللہ بن لیھعہ سے اور انہوں نے بکیر سے نقل کیا ہے۔

(تنویر الحوالک:۳:۵۶)

الغرض آپ نے دیکھا کہ امام مالک، ابن لہیعہ کو ثقہ کہہ رہے ہیں اور موطا کے شارحین بھی انہیں ثقات میں ہی شمار کر رہے ہیں۔

امام احمد بن حنبل (ت:۲۴۲ھ) ان کو مصر کا سب سے بڑا محدث اور ضبط و اتقان میں بے مثل مانتے ہیں۔

من كان مثل ابن لهيعة بمصر في كثرة حديثه وضبطه واتقانه

مصر میں کثرتِ حدیث اور حدیث کے ضبط و اتقان میں ابن لہیعہ جیسا اور کون ہو سکتا ہے۔

(میزان الاعتدال:۴، ۱۶۸)

امام ابوداؤد نے امام احمد بن حنبل کے حوالے سے لکھا ہے۔

ما كان محدث مصر الا ابن لهيعة

مصر میں محدث صرف ابن لہیعہ ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۳۷۵)

شیخ زید بن حباب کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری (ت:۱۶۱ھ) نے فرمایا کہ:

سمعت احمد يقول ما كان محدث مصر الا ابن لهيعة

(سیر اعلام النبلاء، ۸:۱۳)

ایک اور جگہ پر انہوں نے ہی فرمایا کہ میں نے ایک حج صرف اس لئے کیا کہ میری ملاقات ابن لہیعہ سے ہو جائے۔ (رفع الامر جلد ا صفحہ ۲۹۰)

عثمان بن صالح سہمی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں قاضی مصر ابراہیم بن اسحاق نے بتایا کہ میں امام لیث کا ایک خط لے کر امام مالک کے پاس پہنچا۔

فجعل مالك يسألني عن ابن لهيعة وأخبره ، فيقول: أليس يذكر الحج؟ فسبق الى قلبي انه يريد مشافهته والسماع منه

امام مالک نے مجھ سے ابن لہیعہ کے بارے میں پوچھنا شروع کیا اور کہا کہ بتاؤ کہ وہ حج کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں۔ تو میرے دل میں یہ بات گئی کہ امام مالک ان سے ملاقات اور ان سے حدیث لینا چاہتے ہیں۔

حضرت قتیبہ بن سعید کہتے ہیں کہ جب حضرت ابن لھیعہ کا وصال ہوا تو ابن لیث بن سعد (ت:۱۷۵ھ) نے فرمایا کہ:

ما خلف مثلہٗ — انہوں نے اپنے بعد اپنی مثال نہیں چھوڑی۔ (تذکرۃ الحفاظ:۱،۲۳۹)

شیخ ابوطاہر بن حزہ کہتے ہیں کہ میں نے امام عبداللہ بن وہب (ت:۱۹۷ھ) کو فرماتے ہوئے سنا کہ

حدثنی واللہ الصادق البار عبداللہ بن لھیعۃ — اللہ کی قسم مجھے سچے، صالح عبداللہ ابن لیھعہ نے حدیث بیان کی۔

الشیخ ابوطاہر کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پہلے ابن وہب کو کبھی قسم اٹھاتے نہیں دیکھا۔ (الکامل فی الضعفاء)

امام محمد بن یحییٰ بن حسان بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد یحییٰ (ت:۲۰۸ھ) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ

ما رأیت احفظ من ابن لھیعۃ بعد ھشیم — میں نے ھشیم کے بعد ابن لھیعہ سے بڑھ کر صاحبِ حفظ نہیں دیکھا۔

شیخ احمد بن صالح (ت:۲۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ:

کان ابن لھیعۃ صحیح الکتاب طلاباً للعلم — ابن لیھعہ کتاب کے اعتبار سے صحیح ہیں اور علم کے لئے خوب طلب رکھنے والے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ،۱:۲۳۸)

س: متعدد اہل علم تو اس راوی کو ضعیف قرار دیتے ہیں کیا پھر بھی اس کی روایت قابلِ قبول ہوگی؟

ج: اولاً تو اہل علم نے اس قدر اس راوی کو ضعیف نہیں کہا کہ اس کی روایت ہی کو مسترد کر دیا جائے۔ اصطلاحاً یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان کی روایت کو موضوع کسی نے قرار نہیں دیا البتہ ان کی روایت کو لوگوں نے ضعیف قرار دیا ہے مگر جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل جیسے لوگ ان سے روایت لیتے ہیں اور انہیں ثقہ

قرار دیتے ہیں اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ امام بخاری سمیت تمام محدثین نے ان سے روایت لی ہے اور اگر کچھ لوگ اسے ضعیف کہتے بھی ہیں تو انہوں نے یہ تصریح کر دی ہے کہ جب یہ چار عبادلہ ان سے روایت لیں تو ضعیف نہیں بلکہ صحیح مانی جائے گی اور ان چار عبادلہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن یزید المقری، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی۔

اس پر محدثین کی متعدد تصریحات موجود ہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ کئے دیتا ہوں۔

۱۔ امام ابن حبان لکھتے ہیں کہ ابن لہیعہ کی ولادت کا سال ۹۶ھ اور سن وصال ۱۷۴ھ ہے یہ نہایت صالح آدمی تھے۔ ضعفاء سے تدلیس کرتے پھر ان کی کتب جل گئی تھیں۔ ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ:

سماع من سمع منه قبل احتراق كتبه مثل العبادلة : عبدالله بن وهب وابن المبارك وعبدالله بن يزيد المقرئ وعبدالله بن مسلمة القعنبي فسماعهم صحيح

ابن لہیعہ سے جن لوگوں کا سماع ان کی کتب جلنے سے پہلے ہے مثلاً یہ چار عبادلہ عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن یزید المقری اور عبداللہ بن مسلمہ قعنبی۔ تو ان لوگوں کا سماع درست ہے۔

(میزان الاعتدال:۴، ۱۷۳)

۲۔ ہم دیگر اہل علم کے بجائے شیخ ناصر الدین البانی کی متعدد تصریحات اس پر ذکر کر دیتے ہیں کہ انہوں نے بھی کئی مقامات پر یہ لکھا ہے کہ اگرچہ ابن لہیعہ ضعیف ہے لیکن عبادلہ کی روایت اس سے صحیح ہوتی ہے۔

۱۔ ابن لهيعة وان كان ضعيفاً، فان رواية العبادلة الثلاثة عنه صحيحة، كما نص على ذالك غير واحد من الائمة

ابن لہیعہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن ان سے تین عبادلہ کی روایت صحیح ہے جیسے اس پر متعدد آئمہ نے تصریح کی ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ ۲:۴۲۴)

۲۔ دوسرے مقام پر موصوف ابن لیہعہ سے مروی روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کی وجہ یہی بیان کرتے ہیں کہ یہ روایت ابن لیہعہ سے اس لئے صحیح ہے کہ اسے ان سے عبادلہ نے روایت کیا ہے۔

قلت: ورجاله ثقات لان ابن لهيعة صحيح الحديث اذا روى عنه العبادلة: عبدالله بن وهب وعبدالله بن المبارك وعبدالله بن يزيد المقرى وهذا الحديث من رواية الاولين عنه (سلسلہ احادیثِ الضعیفہ: ۸، ۱۹۹)

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں کیونکہ ابن لیہعہ صحیح الحدیث ہوتا ہے جب ان سے یہ عبادلہ روایت کریں، عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن یزید مقری اور یہ حدیث ابن لیہعہ سے پہلے دونوں روایت کرنے والے ہیں۔

۳۔ انہوں نے متعدد مقامات پر یہ بھی تصریح کی ہے کہ ابن لیہعہ اگرچہ ضعیف ہے مگر جب ان سے عبداللہ بن وہب روایت کریں تو ان کی حدیث صحیح ہوتی ہے۔

فهو ضعيف ، وان تبعه المناوى: فانه من رواية عبدالله بن وهب عنه كما رأيته وحديثه عنه صحيح كما نبه على ذلك غير ما واحد من الحفاظ (سلسلہ احادیث الضعیفہ، القسم اول صفحہ ۲۸۶)

یہ ضعیف ہے اگرچہ ان کی اتباع مناوی نے کی ہے کیونکہ اسے روایت ابن لیہعہ سے عبداللہ بن وہب نے کیا ہے جیسا کہ سند تمہارے سامنے ہے اور ان کی روایت ابن لیہعہ سے صحیح ہوتی ہے جیسے اس پر متعدد حافظینِ حدیث نے تنبیہ کی ہے۔

۴۔ ایک اور مقام پر اس بارے میں گفتگو کرتے ہوئے حدیث میں اضطراب ابن لیہعہ سے روایت کرنے والوں سے ہے نہ کہ خود ان سے۔

لاننا نقول: هذا مردود لانهم جميعا ثقات و فيهم عبدالله بن وهب

کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ بات مردود ہے کیونکہ یہ تمام راوی ثقہ ہیں اور ان میں

وعبدالله بن المبارك وهما ممن سمعا من ابن لهيعة قبل احتراق كتبه فذلك يدل على أن الاضطراب معه
(سلسلہ احادیث ضعیفہ ۲، ۲۲۶)

عبداللہ بن وہب اور عبداللہ بن مبارک ہیں اور وہ دونوں ان میں سے ہیں جنہوں نے ابن لھیعہ سے ان کی کتب جلنے سے پہلے پڑھا ہے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ اضطراب انہی سے ہے۔

واضح رہے کہ زیر بحث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قتل گستاخ واقعہ ابن لھیعہ سے روایت کرنے والے حضرت عبداللہ بن وہب ہی ہیں اور آپ سن چکے ہیں کہ جب ابن لھیعہ سے عبادلہ روایت کریں تو وہ ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہوتی ہے جب مذکورہ روایت ان عبادلہ میں سے حضرت عبداللہ بن وہب سے ہی مروی ہے تو پھر اس کو کس طرح کوئی شخص ضعیف کہہ سکتا ہے۔

جب ابن لھیعہ کے بارے میں یہ اُصول سامنے آگیا کہ عبادلہ سے ان کی روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے گا اب زیر بحث واقعہ کی روایت کو بھی صحیح ہی تسلیم کرنا ہوگا ورنہ کتب حدیث میں سینکڑوں روایات سے ہاتھ دھونا پڑھ جائے گا جو کسی طرح بھی امت کو قبول نہیں۔

س: کتب جلنے والا اصل معاملہ کیا ہے؟ کچھ فرمائیے؟

ج: جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ابن لھیعہ کتب جل گئی تھیں تو اس بارے میں بھی متعدد اہل علم نے تصریح کی ہے کہ یہ بھی ان کے خلاف پراپیگنڈہ ہے ورنہ ان کی کتب جلی نہیں تھی اس پر چند تصریحات ملاحظہ کر لیجئے۔

امام ابراہیم بن طھمان کہتے ہیں کہ مجھے اہل مصر نے بتایا کہ

ما احترق لابن لهيعة كتاب قط

ابن لھیعہ کی کتب ہرگز نہیں جلیں۔

(الجرح والتعدیل: ۱۴۴)

شیخ سعید ابی مریم کہتے ہیں کہ:

لم تحترق كتب ابن لهيعة ولا كتاب
(تہذیب الاکمال: ۷۸)

ابن لھیعہ کی کتب نہیں جلیں اور نہ کوئی اور کتاب۔

شیخ محمد بن یحییٰ بن حسان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ابن لھیعہ کی کتب جل گئی تھیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ:

ماغاب له كتاب — ان کی کوئی کتاب ان سے غائب نہیں ہوئی۔

امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں۔

لم تحترق كتبه — ابن لھیعہ کی کتب نہیں جلیں۔

(الضعفاء الکبیر: ۲، ۳۴۶)

اصول کا نہ جلنا:

کچھ اہل علم نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ ابن لھیعہ کی بعض کتب تو جل گئی تھیں مگر اُصول بچ گئے تھے نہیں جلے تھے شیخ عثمان بن صالح سہمی کہتے ہیں کہ:

احترقت دار ابن لهيعة و كتبه وسلمت اصوله — ابن لھیعہ کا گھر اور کتب جلیں لیکن ان کے اصول محفوظ رہے۔

(الضعفا الکبیر: ۲، ۲۹۴)

شیخ اسحاق بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ:

ما احترقت اصوله انما احترق بعض ما كان يقرأ منه — ان کے اصول نہیں جلے بعض وہ چیزیں جلیں جس سے وہ پڑھا کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ۸: ۲۱)

اب یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ ان کی کچھ کتب تو جل گئی تھیں لیکن اصول محفوظ رہے تھے تو جب کوئی بھی ان کے اصولوں سے روایت کرے گا تو وہ روایت مقبول ہوگی اور عبادلہ کی روایات کو یہی مقام حاصل ہے۔

مقصودِ کائنات

علامہ حافظ محمد ایوب دہلوی قدس اللہ سرہٗ

میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔ یہ اعوذ جو ہے یہ عوذ سے مشتق ہے۔ اس کے معنی چمٹنے اور فریاد کرنے کے ہیں۔ اعوذ کے یہ معنی ہوئے کہ میں چمٹتا ہوں یا فریاد کرتا ہوں، دونوں معنی لگتے ہیں۔ چمٹنا تو وہ ہے کہ نابالغ بچہ جب ڈر جاتا ہے کسی بُری شے سے وہ باپ کو، استاد کو یا کسی بڑے کو جا کر چمٹ جاتا ہے، اور جو بڑا ہوتا ہے بالغ ہوتا ہے وہ فریاد کرتا ہے کہ اس کے شر سے مجھے بچاؤ۔ دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

اللہ سے میں چمٹتا ہوں یا فریاد کرتا ہوں۔ کس سے؟ شیطانِ مردود سے؟ شیطان تو اس قابل نہیں ہے کہ اس سے پناہ مانگی جائے یا اس سے ڈرا جائے، یا وہ کوئی بُری چیز نہیں ہے کیونکہ وہ بہت عرصہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ رہا اس لیے بذاتہٖ وہ بُری چیز نہیں تھا بلکہ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ میں شر کا لفظ محذوف ہے۔ مِنْ شَرِّ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ یعنی شیطان کے شر سے۔ جو شر اس سے بعد میں ظاہر ہوا اس شر سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ نفسِ شیطان میں کوئی خرابی نہیں ہے اس لیے کہ جس قدرت سے شیطان بنا ہے یہ وہی قدرت ہے جس نے ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام بنے ہیں۔ ایک ہی قدرت کے دونوں نتیجے ہیں۔ جہاں تک قدرت کا تعلق ہے دونوں کے دونوں ہی ایک قدرت سے بنے ہیں اس لیے اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ خرابی اس کے شر میں ہے اور وہ شر کیا ہے؟

جس وقت یہ حکم ہوا وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (البقرہ: ۳۴) اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو آدم کو فَسَجَدُوْٓا پس سب نے سجدہ کیا، اِلَّآ اِبْلِيْسَ بجز ابلیس کے لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ (الاعراف: ۱۱) وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (الاعراف: ۱۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھے کس چیز نے منع کیا سجدہ کرنے سے میرے امر کے بعد قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ

نَارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (الاعراف:۱۲) شیطان نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں یہ کہا کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ یہ اور یہ مقدمہ یہاں محذوف ہے کہ آگ بہتر ہے مٹی سے اور بہتر سے جو چیز بنائی جائے گی وہ بہتر ہو گی اس شے سے جو بدتر سے بنائی جائے گی۔ چونکہ میں آگ سے بنا ہوں اور آدم مٹی سے بنا ہے اس لیے میں آدم سے بہتر ہوں۔ یہ مقدمہ یہاں مذکور نہیں ہے مطلب یہ ہوا اس کا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ کہا کہ کوئی شے مانع نہیں ہے۔ پھر تا کس وجہ سے تو نے سجدہ نہیں کیا۔

شیطان نے کہا در حقیقت یہ امر جو ہوا ہے یہ لاقانونی ہے، خلاف قانون ہے، قاعدہ تو یہ تھا کہ میں بہتر تھا، مجھ کو سجدہ کرایا جاتا۔ یہ بدتر تھا یہ ساجد ہوتا اور اس نے اپنے بہتر ہونے کی یہ دلیل دی کہ میرا مادّہ اس کے مادّے سے بہتر ہے۔ چونکہ یہ دلیل غلط تھی کہ اس نے استدلال کیا اپنے مادّہ کی خوبی سے اپنی خوبی پر۔ یہ ہے اس کی شیطنت، یہ ہے اس کا شر۔

اللہ نے جواب دیا کوئی شے مانع نہیں ہے۔ دقت اس میں کیا تھی؟ اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ یہ جتنے محاسن ہیں اور حسن ہیں یہ سب اشیاء کی صفتیں ہیں۔ فلاں شے اچھی ہے فلاں شے بُری ہے۔ چیزوں کی اچھائی اور بُرائی۔ اچھے اور بُروں کی خصلتوں کی صفت ہے۔ اور یہ جتنے واقعات ہیں، جتنے حقائق ہیں یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے افعال ہیں۔ اللہ ان کا فاعل ہے اور یہ آیات جو ہیں الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ سے وَالنَّاس تک یہ اللہ تعالیٰ کے اقوال ہیں۔ یہ زمین اور آسمان، سورج، چاند وغیرہ یہ سب اشیاء ہیں۔ یہ سب اس کے افعال ہیں۔ تو شیطان نے قولِ الٰہی کو فعلِ الٰہی کے تابع کر دیا کہ جو فعل اچھا ہو اُس کے ماتحت حکم اور قول ہونا چاہیئے۔ یہاں معاملہ اُلٹا ہو گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کر۔ اس حکم کو اس نے مانا نہیں اور یہ کہا کہ چونکہ یہ حکم بے قاعدہ ہے۔ قاعدہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ جو اچھی چیز ہے اسے سجدہ کیا جائے اور جو بُری چیز ہے وہ سجدہ کرنے والوں میں ہو۔ یہ بات شیطان نے بیان کی تو اس نے کیا کیا؟ اُس نے یہ کیا

کہ قولِ الٰہی کو فعلِ الٰہی کے تابع کر دیا۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کا قول تھا کہ آدم کو سجدہ کرو، اُس حکم کو اس نے تابع کر دیا حقائق کے، واقعات کے جو فعلِ الٰہی ہیں۔ اسی غلطی کا نام شیطنت ہے وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ (البقرہ: ۳۴) یوں وہ کافروں میں سے ہوا۔ پہلے وہ ملائکہ میں شامل تھا، سجدہ کے حکم میں بھی شامل رہا۔ جنت میں بھی شامل رہا اور جو ملائکہ کی حالت تھی وہ اس کی بھی حالت تھی۔ اس کی شیطنت اور اس کا شر یہ ہوا کہ اس نے قول (امر) الٰہی کو فعلِ الٰہی کے تابع کر دیا۔ یہ غلطی ہوئی ہے اس سے اور یہی غلطی تمام حکماء کو اور تمام عقلاء کو اس نے سکھائی ہے جس سے فلسفہ بنا ہے۔ درحقیقت فلسفیت جو ہے اصل میں شیطنت ہے کیونکہ یہ جتنے بھی احکامِ علوم ہیں یہ عقل کے ماتحت ہیں۔ عقل کے ماتحت ہونے کے معنی ہی ہیں کہ واقعات کے ماتحت۔ واقعات کیا ہیں؟ یہ افعالِ الٰہی ہیں جن کے تابع قولِ الٰہی کو کر دیا۔ یہی تعلیم اُس نے اپنے تمام متبعین کو دی ہے۔ جتنے بھی مذاہب باطلہ ہیں سب اسی سے بنے ہیں۔ کوئی باطل مذہب ایسا نہیں ہے کہ شیطان کے ان خیالات سے بچا ہوا ہو بلکہ انہی سے بنا ہے۔

اب آپ غور کریں اور اس کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس میں غلطی کیا ہے۔ یہاں اس نے گفتگو استدلال میں نہیں کی۔ اس کے مقدمات جو تھے وہ سب مشکوک ہیں۔ اگر ان کو حق تسلیم کر لیا جائے تب بھی وہ غلط ہیں۔ پہلی بات اس نے یہ کہی ہے کہ مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا، دوسری یہ کہ آگ بہتر ہے مٹی سے۔

یہ مقدمہ یہاں مذکور نہیں ہے، یہ مقدمہ مشکوک ہے اور غلط ہے۔ اُس نے اس پر استدلال کیا کہ آگ کا جز الطبعی جو ہے وہ اوپر ہے، خفیف ہے، ہلکی چیز ہے۔ مٹی مرکز میں ہے بھاری چیز ہے۔ خفیف ثقیل اور بھاری چیز سے افضل ہوتی ہے۔ یہ دونوں مقدمے مشکوک ہیں صحیح نہیں ہیں۔ قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ (الحج: ۷۲) آپ کہہ دیجیے میں تم کو ایک چیز اس سے بُری بتاؤں! وہ آگ ہے۔ اللہ نے آگ کو فرمایا کہ بدترین چیز ہے، اُس نے آگ کو بہتر سمجھا، ان تمام مقدمات میں گفتگو نہیں کی جا رہی ہے۔ یہ اگر صحیح بھی ہوں تب بھی یہ استدلال جو ہے غلط ہے۔ کیا خرابی ہے اس کے

اندر؟ یہ خرابی ہے کہ اس نے قولِ الٰہی کو فعلِ الٰہی کے تابع کر دیا۔ یہ غلطی ہوئی ہے کہ اس کے نزدیک فعل کے تابع قول ہونا چاہیئے یعنی حسن و قبح کے تحت احکام ہونے چاہیں۔ نماز میں حسن ہے تو اس کے ماتحت حکم ہونا چاہیے نماز پڑھو، جھوٹ بولنے میں عیب ہے، نقص ہے، اس کے ماتحت حکم ہونا چاہیئے جھوٹ نہ بولو۔ یہ بات نہیں ہے کسی خوبی کی بنا پر نماز کا حکم نہیں ہوا ہے، کسی برائی کی بنا پر جھوٹ کی ممانعت نہیں ہوئی۔ کسی حسن کے ماتحت کوئی امر نہیں ہوا ہے اور کسی قباحت کے ماتحت کوئی نہی اور ممانعت نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ اگر ایسا ہوگا تو قدرتِ الٰہیہ یعنی حکم الٰہی جو ہے وہ تابع ہو جائے گا مادّہ کے، اور یہ نقصِ عظیم ہے، قدرت کے منافی ہے۔ اس لیے ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ قادرِ مطلق ہے، جو چاہے حکم دے۔ پس جو حکم دے دے وہ اچھا ہے، جس شے کا حکم دے وہ اچھی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ جو اچھی شے ہے اس کا حکم دے۔ جس شے کو منع کرے وہ بُری ہے۔ جیسے چوری ہے، جھوٹ ہے وغیرہ وغیرہ یہ جتنی چیزیں ہیں ان کی بڑائی کی بنا پر ممانعت نہیں ہے بلکہ بعض جگہ یہ چیزیں جو ہیں حسن قرار دے دی ہیں۔ جھوٹ کی برائی کی بنا پر جھوٹ کی ممانعت نہیں ہے بلکہ جھوٹ کی ممانعت کی بنا پر جھوٹ کی برائی ہے۔ جیسے اگر نبی ﷺ کو دشمن گھیر لے، کسی مکان میں وہ جا کر چھپ جائیں اور لوگ سچ بول دیں کہ ہمارے یہاں نبی علیہ السلام چھپے ہوئے ہیں۔ دشمن اگر گرفتار کر لیں تو ایسا صادق القول شخص جو ہے وہ فرعون اور بوجہل سے بھی بدتر ہے، جو سچ بول کے نبی علیہ السلام کو پکڑوا دے۔ اس سے پتہ چل گیا کہ خود جھوٹ میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ منع نہ کرتا تو کوئی بات نہ تھی۔ اس کے منع کرنے سے بُرا ہوا۔ کسی چیز میں بھی کوئی خرابی نہ تھی جس شے کا نام اس نے خراب رکھ دیا وہ خراب ہوگئی، جس کا نام اچھا رکھ دیا وہ اچھی ہوگئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کوئی بات سچی اور حق اور اچھی نہیں کہتا، اللہ تعالیٰ اور نہ رسول اللہ ﷺ سمجھ گئے آپ۔ اللہ تعالیٰ جو بات کہتا ہے اس کے کہتے ہی وہ سچ ہو جاتی ہے، وہ سچ نہیں کہتا۔ پہلے سے کوئی شے سچی نہیں ہوا کرتی جس کے تحت اس کا قول ہو بلکہ قَوْلُهُ الْحَقُّ (اس کا قول ہی حق ہے، سچ ہے) ادھر اس نے کہہ دیا ہو جا، بس وہ ہو جاتی ہے۔ اس نے لکڑی کو کہہ دیا کہ اژدھا بن جا،

اژدھا بن گئی۔ یہ واقعہ کے خلاف بات ہوئی۔ اس نے آگ کو کہا ٹھنڈی ہو جا، وہ ٹھنڈی ہوگئی۔ جو بات وہ کہتا ہے وہ قطعی سچی ہے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ سچی بات پہلے سے ہو اور اس کے ماتحت اس کا قول ہو بلکہ قَوْلُهُ الْحَقِّ اس کا قول ہی حق ہے یہی حال رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ دونوں ایک ہی لائنیں ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا جو قول ہے، یہ نہیں ہے کہ پہلے سے کچھ سچ کچھ حقانیت موجود ہو اس میں سے اٹھا کر وہ پیش کر دیتے ہیں۔ نہیں بلکہ جو وہ پیش کر دیتے ہیں وہ حق ہو جاتا ہے۔ ادھر کہا اور اُدھر وہ حق بنا۔

سچ اس کو کہتے ہیں جو واقعہ کے مطابق ہو۔ اس مطابقت کا نام سچ ہے، اور وہ بات سچ کہلاتی ہے۔ واقعہ کسے کہتے ہیں؟ یہ اشیاء، یہ کائنات، یہی حقائق ہیں۔ حقائق کا واقعہ کے مطابق ہونا، اس مطابقت ہی کا نام سچ ہے۔ گویا، سچ واقعات کے تابع ہو گیا۔ تو یہ ہمارے یہاں رائج ہے، مکلفین میں، انسانوں میں، ملائکہ میں، جنوں میں، مخلوقات میں۔ خدا کے ہاں یہ رائج نہیں ہے کہ اس کا قول جو ہے وہ واقعات کے تابع ہو، بلکہ واقعات اس کے قول کے تابع ہوتے ہیں۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰسین) اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو بنانا چاہتا ہے، شیئیت اور حقیقت دینی چاہتا ہے وہ کہہ دیتا ہے اس شے سے کہ ہو۔ مجرد اس کے کہتے ہی کہ ہو، وہ ہو جاتی ہے۔ تو واقعیت ہمیشہ اس کے قول کے تابع رہی ہے۔ اس کا قول کبھی واقعہ کے تابع نہیں رہا۔

شیطان اس اصول کو نہیں سمجھا کہ افعال ہمیشہ قول "کن" کے تابع رہے ہیں۔ اس کا قول جو ہے وہ کیسے واقعات کے تابع رہے گا۔ واقعات اور حقائق کتنے ہی حسن ہوں، کتنے ہی حسین ہوں، ہمیشہ وہ تابع رہے ہیں اس کے قول کے۔ اس کا قول تابع نہیں رہا۔ قول علت ہے مخلوقات کی، یعنی قول "کن" جو ہے وہ مخلوقات کی علت ہے، وہ مقدم ہے واقعات سے۔ اس لیے مقدم مؤخر کے تابع نہیں ہو سکتا مؤخر مقدم کے تابع ہوگا۔ فعل مؤخر ہے قول مقدم ہے۔ شیطان اس بات کو نہیں سمجھا ہزاروں برس ہو گئے، اتنی مدت میں اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ یہی ناسمجھی کی باتیں تمام حکماء اور عقلاء کو اس نے سکھائیں

اور جو اس علم سے اچھی طرح واقف نہیں تھے اُن پر ان کی دھونس جم گئی، وہ تمام ان سے دبنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کچھ نہیں جانتے۔ میں نے آپ کو بتا دیا کہ شیطنیت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ شیطنیت اور فلسفہ ایک ہی چیز ہے، اور فلسفہ کے جو تفصیلی علوم ہیں ان سب کے متعلق ہماری پوری رائے یہ ہے اور ہمیں اس کا تجربہ ہے، اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو حق ہو۔ سب دھوکہ اور گمراہی ہے، اور وہی شیطنیت ہے۔

خدا نے کہا کہ جب میں نے حکم دیا تو میرے امر کے بعد کون مانع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جس شے کو امر کیا ہے وہ خود امتثالِ امر میں مشغول ہے۔ ہر شے کو حکم دیا، ہر شے امتثالِ امر میں مشغول ہے۔ ہر شے سے وہ کہہ رہا ہو کہ ہو "کن" خطاب کر رہا ہے، ہر شے خطاب کے سننے میں اور واقعیت کے حاصل کرنے میں مشغول ہے۔ اس خطاب کا سننا ہی واقعیت ہے۔ اس واقعیت کے حاصل کرنے میں سب مشغول ہیں۔ وہ اپنے آپ سے تو مدافعت کر نہیں سکتیں وہ دوسرے کی کیا مدافعت کریں گی، وہ کیا مانع ہوں گی۔ اس نے کہا مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (اعراف:۱۲) جب میں نے حکم دے دیا تو کون مانع ہو سکتا ہے۔ یہ جتنی چیزیں ہیں یہ خود امتثالِ امر کر رہی ہیں، یہ اپنے آپ کو نہیں روک سکتیں تجھے کیا روکیں گی۔ تو یہ شیطان کا شر ہے، اپنی رائے کے تابع ہونا جیسا کہ عوام فرمادیا کرتے ہیں کہ ہم بھی ایک رائے رکھتے ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ کچھ تھوڑا سا شرِ شیطنیت کا ان کے قلب کے اندر ہے جو شخص یہ کہے کہ میں رائے رکھتا ہوں اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الفرقان:۴۳) بھلا دیکھا تو نے اس شخص کو کہ جس نے اپنی رائے کو اپنا معبود بنا رکھا ہے، اپنی ہوا کو، اپنی خواہش کو۔ رائے جو ہے معبودِ باطل ہے، جھوٹی چیز ہے۔ انبیاء علیہم السلام اسی چیز کی تبلیغ کرنے آئے ہیں۔ اعمال بعد کی چیز ہے۔ سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ معبودِ برحق ایک ہی ہے اور یہ جو معبودِ برحق ہے 'رائے' دراصل بڑا بت یہی ہے۔ انسان پتھر کے بت کو بڑی جلدی سمجھ لیتا ہے کہ یہ اس قابل نہیں کہ شریکِ باری تعالیٰ ہو۔ اصل میں جو جھگڑا کرنے والی چیز ہے وہ "رائے" ہے کہ "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ مجھے اس سے اختلاف ہے، ایسا کیوں کہا؟"

اس نے کہا قَالَ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ م (المنٰفقون:۱) جو بھی منافق تیرے پاس آئے کہنے لگے، ہم شاہد ہیں اس بات کے کہ البتہ تو اس وقت اللہ کا رسول ہے۔ یہ بات صحیح کہی انہوں نے۔ (آپ ﷺ) تھے رسول۔ حق بات تھی یہ۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ط (المنٰفقون:۱) اللہ نے تصدیق کر دی کہ تو اللہ کا رسول ہے۔ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (المنٰفقون:۱) خدا اس بات کا شاہد ہے کہ یہ منافق جو بات کہہ رہے ہیں جھوٹے ہیں۔ ان کو سچ کو میں تسلیم نہیں کرتا اور میں نے ان کی سچ کا نام جھوٹ رکھا۔ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس:۹۰) جب فرعون غرق ہونے لگا کہنے لگا کہ میں ایمان لایا اس معبود پر اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور جو بنی اسرائیل کا معبود ہے۔ یہ بات سچی کہی تھی اس نے۔ ایمان صحیح لایا تھا وہ لیکن اللہ نے کہا میں تسلیم نہیں کرتا ایمان کو۔ تو اگر وہ ایمان کو تسلیم نہیں کرے وہ ایمان نہیں۔ ایمان وہ ہے جسے وہ تسلیم کرے۔ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (یٰسین:۵۲) یہی تو ہے وہ دن جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور تمام رسول سچے تھے۔ اب قبروں سے اٹھ کر کافر یہ کہیں گے یہ بات قطعی سچی ہے لیکن یہ کہتے ہی سیدھے جہنم میں چلے جائیں گے۔ جہنم جو ہے وہ دارالمصدقین ہوگیا۔ گویا اس نے کہا میں ان کی تصدیق کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ جو میری تصدیق کرتے ہیں۔ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (مؤمن:۸۵) یہ جب میرا عذاب دیکھ لیں گے تو ان کا ایمان ان کو نفع نہیں دے گا۔ ایمان وہ ہے جسے میں ایمان کہوں۔ فسق وہ ہے جسے میں فسق کہوں، کذب وہ ہے جسے میں کذب کہوں جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ (یوسف:۷۰) یوسف علیہ السلام نے ایک برتن اپنے بھائی کے سامان میں چھپا دیا تھا۔ یہ کذب نہیں بلکہ بہتان ہے۔ کذب سے بھی بدتر فعل ہے۔ خود فعل کرنا اور بھائیوں کی طرف منسوب کرنا، سخت بہتان ہوا نا؟ جو انہوں نے بھائیوں پر لگایا یہ کذب کا بھی باوا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا۔ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ (یوسف:۷۶) یہ مکر کرنا کہ ہم نے یوسف کو سکھایا تھا۔ وہاں فعلِ نبوت ہوا۔ بس جس کو میں سچ کہہ دوں وہ سچ

ہے، جسے میں کذب کہہ دوں وہ کذب ہے۔ منافق بھی تصدیق کر رہے ہیں تو وہ کہہ رہا ہے تم جھوٹے ہو۔ نبی بہتان کا فعل کر رہے ہیں تو وہ کہتا ہے میری مہربانی ہے کہ میں نے یہ مکر اس کو سکھا دیا۔ تو اللہ جو چاہے سو کہے اور جو چاہے سو کرے۔ اس بات کو شیطان نہیں سمجھا۔ کیونکہ وہ خدا ہی کیا رہا جو کسی ضابطہ کے ماتحت ہو گیا۔ ضابطہ جب گھیر لے گا تو مضبوط و مجبور بن جائے گا۔ وہ محصور ہو جائے گا۔ وہ حاصر ہے تمام مخلوقات کو وہ خود گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی شے اس کو نہیں گھیر سکتی۔ شیطان اس کو گھیرے میں لانا چاہتا تھا، یہ شیطنیت ہے۔

یہ محفلِ میلاد شریف ہے لیکن چونکہ پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعریف کرنا مقصود تھی اس لیے ہم نے خداوند تعالیٰ کی تعریف کرنا شروع کی اور وہ بغیر اعوذ اور بسم اللہ کے ہو نہیں سکتی تھی۔ اس لیے میں نے اعوذ باللہ کے متعلق کچھ بیان کر دیا۔ اب بسم اللہ کے متعلق بیان کرتا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اس کے معنی ہیں: اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے۔ یہ اس کا ترجمہ ہے۔ یہ فقرہ پورا نہیں ہے۔ شروع، آغاز، ابتدا اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے ہے۔ ابتدا محذوف ہے یہاں۔ میں ابتدا کرتا ہوں اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے یا میں شروع کرتا ہوں اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے یا شروع رحمٰن رحیم کے نام سے ہے یا ابتدا اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے ہے۔

اب یہاں غور کرنا چاہیئے کہ ابتدا جو ہے، ہر شے کی ابتدا اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے ہے، اللہ رحمٰن رحیم کی ذات سے ابتدا نہیں ہے۔ جیسے یہ روشنی فرش پر پڑ رہی ہے اس کی ابتدا کس سے ہے؟ سورج سے۔ سورج میں جو روشنی ہے، اس کی ذات سے ہے۔ جونہی اس کی ذات یہاں متحقق ہو گی ویسے ہی یہ روشنی یہاں متحقق ہو جائے گی۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے ابتدا ہوتی تو جس وقت سے اللہ تبارک و تعالیٰ ہے اسی وقت سے یہ ہر شے موجود ہو جاتی۔ ہمارا اور کائنات کا وجود خدا کی ذات سے وابستہ نہیں ہے۔ یاد رکھو یہ انہی دھوکوں میں سے ایک دھوکہ ہے جو شیطان نے دیئے ہیں انہی دھوکوں

میں سے ایک کی یہ قسم ہے۔ جس میں بڑے بڑے جلیل القدر عقلاء مبتلا ہوئے ہیں اساطینِ حکمت، فیثا غورث، سقراط، افلاطون سے جلیل القدر حکماء اور سب اسی گمراہی میں مبتلا ہوئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کا یہ کائنات نتیجہ ہے۔ یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ذات سے ہوگا تو جب سے وہ شے ہوگی جس کا یہ اثر ہے اسی وقت سے یہ اثر ہوگا۔ یہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی شے نہیں تھی، عالم نہیں تھا، تو معلوم ہوگیا کہ خدا کی ذات کا یہ نتیجہ نہیں ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ ابتدا کیسے ہوئی؟ خدا لا ابتدا ہے۔ لا ابتدا سے ابتدا کیسے ہو سکتی ہے۔ مخلوق میں ابتدا کی صلاحیت نہیں، کیونکہ جس جگہ سے آپ شروع کریں گے یہاں اس سے قبل جو ہوگی کوئی شے موجود ہوگی۔ یا اگر معدوم ہوگی تو اس شے کا عدم اس پر مقدم ہوگا۔ کائنات میں سلسلہ کہیں تک لے جائیں، جس جگہ سے وہ شروع ہوگا اس کی ابتدا سے قبل وہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور ہوگی۔ اس لیے اس میں تو قابلیت ہی نہیں ابتداء کی۔ اور خدا میں یوں ابتداء کی قابلیت نہیں کہ وہ لا ابتدا ہے تو اب ابتداء ہو تو کیسے ہو۔ کائنات کا وجود متحقق ہو تو کیسے ہو۔ تو اس نے کہا کہ یہ تدبیر کرو کہ ایک بین بین چیز نکالی جو اسم ہے، جو اس کا اسم مبارک ہے۔ وہ کیا ہے؟ واحد اور احد۔ یہ اس مقدس وحدہٗ لاشریک کا اسم ہے۔ بغیر واحد کے کوئی شے متحقق نہیں ہوسکتی۔ یہ لکڑی جب تک ایک نہ ہولے ہونے کی ہی نہیں۔ یہ ٹوپی جب تک یہ ایک نہ ہو پہلے، اس کا وجود نہیں ہوسکتا، جہان میں کہیں نہیں پائی جاسکتی۔ یعنی بغیر واحدہ کے وہ شے جو ہی نہیں سکتی۔ وجود ہو ہی نہیں سکتا بغیر وحدت کے۔ تو ہر شے کے وجود کو وحدت گھیرے ہوئے ہے۔ گھیرے ہوئے نہیں بلکہ وہ عین ہے اس کا۔ حقیقت ہے اس کی۔ اس واحد کے بغیر وہ شے متحقق نہیں ہونے کی۔ تو ہر شے کی ابتدا اور وجود اور تحقق اسی واحد کے اسم مبارک یعنی واحد سے ہے۔

اور اس جہان میں کہیں بھی حقیقی واحد نہیں ہے۔ اصلی واحد وہی ہے۔ یہ ایک انگلی ہے لیکن یہ حقیقی ایک نہیں ہے (یہ تین پوروں کا مجموعہ ہے) تو اگر انگلی اور ایک دونوں

ایک ہوں تو جو ایک ہے وہ انگلی ہو جائے گا۔ یہ ایک ہے یہ لکڑی، تو یہ ایک لکڑی بھی بن جائے گی۔ تو یہ معلوم ہوا کہ یہ حقیقی واحد نہیں ہے۔ وہ تین ہیں۔ ایک تو ایک اور ایک وہ شے جس کی طرف آپ ایک کا اشارہ کر رہے ہیں یعنی انگلی اور ایک واحد اور انگلی کے درمیان جو علاقہ اور نسبت ہے تو جس شے کو بھی آپ ایک کہیں گے کہ یہ ایک ہے تو درحقیقت وہ تین ہوں گی۔ تو حقیقی واحد یہاں ہے ہی نہیں اور واحد ہونا ضرور چاہیے کیونکہ بغیر واحد کے کثرت ہو ہی نہیں سکتی، تو لابد واحد اس کائنات سے باہر ہے۔ وہی خالق ہے ان تمام کثرتوں کا۔ وہی اس کائنات کا مالک خالق اور رب ہے اسی کے اسم مبارک کی برکت ہے کہ یہ کائنات کا وجود ہو گیا۔ وہ نہ ہوتا تو یہ نہ ہوتی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

اَلْحَمْدُ میں جو جو یہ اَل ہے اس کو لام تعریف کہتے ہیں۔ حمد کے چار معنی ہیں۔ ایک معنی اس جنس کے لیے آتے ہیں۔ ایک معنی عام افراد کے لیے آتے ہیں۔ ایک معنی بعض معین فرد کے لیے آتے ہیں۔ ایک معنی بعض غیر معین فرد کے لیے آتے ہیں۔ حمد کی جنس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ہر ہر حمد کا فرد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ حمد کا فرد معین اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ حمد کا فرد غیر معین اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہ معمولی چیز ہے؟ ایسا اُسے سمجھنا بھی نہیں چاہیئے کیونکہ خدا کی بڑائی اس میں ہے کہ جو حمد ہے وہ اس کے لیے ہے۔ تمام جتنی حمد ہو رہی ہے کل کی کل، اس کے لیے ہے۔ یا حمد کا معین فرد خاص ہو وہ اللہ کے لیے ہے۔ وہ کون سا فرد ہے وہ وہ ہے کہ جو کو وہ خود کہہ رہا ہے وہ اپنی تعریف خود کر رہا ہے۔ وہ حمد ہوئی نا۔ یہ فرد معین ہے یہ اللہ کے لیے اور باقی غیر اللہ جتنی حمدیں کر رہے ہیں وہ سب کچھ بھی اللہ کے لیے خاص ہیں اس نے کہا کہ ہر حیثیت سے حمد اس کے لیے ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے پانچ لفظ بولے ہیں اللّٰہ، رب العلمین، رحمن رحیم، ملك یوم الدین، یہ کہا کہ تمام جہانوں میں تعریف کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی ہیں وہ پانچ طریقہ سے ہو سکتی ہیں۔ یا تو اس شے کی ذات میں کچھ خوبی ہے۔ ذاتی خوبی یعنی کمالات

کی بنا پر تعریف ہوا کرتی ہے۔صورت شکل اچھی ہے، جسم میں توازن ہے، تناسب ہے وغیرہ وغیرہ۔ علم ہے، عملِ صالح ہے، جو بھی نیکیاں، خوبیاں ہیں ذاتی خوبیوں کی بناء پر۔ آپ تعریف کریں گے حافظ ہے، عالم ہے، وغیرہ۔ ذاتی کمالات کی بناء پر تعریف ہوتی ہے۔

یا احسان کی بناء پر تعریف ہوتی ہے۔ آپ کے ساتھ کسی شخص نے کچھ بھلائی کی، اس کی تعریف کی جائے گی۔ بالفعل کسی شخص نے احسان کیا اور فائدہ پہنچ رہا ہے، آپ اس کی تعریف کریں گے۔ یا بالفعل کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا، آئندہ فائدہ پہنچنے کی امید ہے تو آپ ابھی سے اس کی تعریف شروع کر دیں گے۔ بالفعل نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو بھی آپ کرتے ہیں تاکہ اس کے نقصان سے بچیں۔ آئندہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ نقصان پہنچنے کے اندیشے سے آپ تعریف کرتے ہیں۔

تو اس نے کہا کہ اگر تم ذاتی حسن کی بنا پر تعریف کرتے ہو اور تعریف ہونی چاہیے تو میں اللہ ہوں، اور اگر احسان کی بنا پر تعریف ہوا کرتی ہے تو میں رب العالمین ہوں، تمام جہانوں پر احسان کر رہا ہوں۔ بالفعل تمام چیزوں پر میرا احسان ہے۔ اور اگر آئندہ فائدہ اور احسان کی توقع ہے تو میں رحمٰن ہوں، اور اگر بالفعل نقصان سے بچنے کے لیے تعریف کی جاتی ہے تو میں رحیم ہوں، اور اگر آئندہ نقصان سے بچنے کے لیے تعریف کی جاتی ہے تو میں آئندہ کا یعنی روزِ جزا کا مالک ہوں۔ مالکِ یوم الدین۔ بس یہ پانچ ہی طریقے ہو سکتے تھے، اس نے پانچوں نام لے لیے کہ میں ہر حیثیت سے مستحق حمد ہوں۔

اللہ کیا چیز ہے؟ لفظ اللہ عربی زبان میں کس معنی کے لیے بنایا گیا؟ یہ لکڑی ہے آپ لکڑی کا لفظ بولتے ہیں، کرسی کا لفظ بولتے ہیں، آسمان کا لفظ بولتے ہیں۔ اللہ کا لفظ بول کر کیا چیز سمجھی جاتی ہے۔ وہ ایسی شے ہے جس سے دو حقیقتیں متقضی ہیں۔

ایک کا نام حسن ہے، ایک کا نام کمال ہے۔ حسن اور کمال کی جامعیت کا نام اللہ ہے۔ کمال اور حسن، ان دونوں کے مجموعے کا نام اللہ ہے۔ کمال اور حسنِ حقیقی۔ ان دونوں

لفظوں کے معنی سمجھ لیں آپ، حسن کہتے ہیں طبیعت کی مناسبت کو۔ حسین وہ ہے جو آپ کی طبیعت کے مناسب ہے، تناسب اعضاء کی ضرورت نہیں۔ دوسرے کا بچہ کتنا ہی خوبصورت ہو اور اپنا کیسا ہی چیچک زدہ ہو ناک بہہ رہی ہو، مگر طبیعت کے مناسب ہے، اس کو گلے لگا لے گا۔ دوسرے کے خوبصورت بچے کو ڈھیل دے گا کیونکہ دوسرے کے بچے کو طبیعت سے وہ مناسبت نہیں ہے۔

طبیعت کے حقیقی تناسب کے معنی یہ ہیں کہ کسی وقت بھی غیر مناسب نہ ہو۔ وہ اصل حسن ہوا۔ اسی طرح کمال کے معنی میں بڑائی۔ حقیقی بڑائی وہ ہے جس بڑائی میں اضافہ نہ ہو سکے۔ ہر وہ بڑا کہ جس پر اضافہ ہو سکے وہ حقیقی بڑا نہیں۔ حقیقی بڑا وہ ہے جس پر اضافہ نہ ہو سکے۔ اس کے لیے اردو میں کہتے ہیں بڑے سے بڑا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ میں حسن حقیقی ہے یعنی ایسی مناست ہے کہ اس مناسبت میں کسی وقت بھی غیر مناسبت نہیں ہونے کی۔ دیکھئے آپ کے یہاں مناسب چیزیں کیا ہیں؟ کھانا ہے۔ لذیذ کھانا طبیعت کے مناسب ہے۔ پیٹ بھرنے کے بعد اس سے بہتر غذا بھی آجائے گی، نہیں کھانے کے۔ عمدہ لباس، عمدہ مکان، ہر چیز کو آپ دیکھ لیجئے۔ کچھ مدت کے بعد وہ غیر مناسب ہو جاتی ہے۔ سب سے زیادہ مناسب بیٹا ہے۔ بیٹے سے زیادہ کوئی شے مناسب نہیں ہے۔ بیوی ہے، بیٹا ہے، محبوبہ ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ بیوی کو طلاق دے دیتا ہے، بیٹے کو قتل کر دیتا ہے یا عاق کر دیتا ہے۔ ذرا سی تکلیف پاتے ہی بیوی کو چھوڑ دیتا ہے، بیٹے کو چھوڑ دیتا ہے، عشق کو بھول جاتا ہے۔ لیکن یہ دن رات کساد بازاری ہو رہی ہے، لوگوں کو روٹی نہیں مل رہی، طوفان آرہے ہیں۔ محنت کرتے کرتے مارا جارہا ہے۔ ہیضہ پھیل رہا ہے۔ چوبیس گھنٹے بلائیں بھیج رہا ہے، سارے عالم میں دیکھئے اتنی مصیبتیں اللہ تبارک و تعالیٰ نازل فرما رہا ہے۔ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ وہ ہر سال ہمارے اوپر مصیبتیں بھیجتا ہے، چلو اس کے متعلق سب مل کر سازش کریں۔ یہ خیال کبھی نہیں آتا۔ الٹا اسی سے فریاد کر رہا ہے، سمجھتے ہوئے فریاد کر رہا ہے دکھ پہنچتے ہوئے فریاد کر رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس سے زیادہ طبیعت کے مناسب کوئی ذات نہیں ہے۔ (پڑھیں اپنے رب کی تحمید۔

الحمد للہ) ہر وقت جان نکل رہی ہے۔ گلا کٹ رہا ہے، کینسر ہو رہا ہے۔ کسی وقت بھی خدا کو بُرا نہیں کہتا۔ حتیٰ کہ مر جاتا ہے یہ نہیں کہتا کہ کیا ظلم ہو رہا، تو دکھ پہنچنے کے وقت بھی وہ اتنا طبیعت کے مناسب ہے کہ الٹا اسی سے فریاد کر رہا ہے۔ کوئی آپ کو تھپڑ مارے تو آپ کہیں گے کہ ہماری مدد کرنا۔ اس کی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ وہ برابر طمانچے مار رہا ہے، چھڑیاں مار رہا ہے۔ طاعون بھیج رہا ہے، ہیضہ بھیج رہا ہے، کساد بازاری بھیج رہا ہے۔ دنیا بھر کی تکلیفیں نازل کر رہا ہے اور ہر مصیبت کے وقت یہ کہتا ہے کہ تو ارحم الراحمین ہے، ہمارے اوپر رحم کر۔ طبیعت کے مناسب کوئی ذات سوائے اس کے نہیں ہے، لہٰذا حسنِ حقیقی وہی ہے، طبیعت کے مناسب وہی ہے۔ (سبحان اللہ)

کمالِ حقیقی کیا چیز ہے، جو بڑے سے بڑا ہو۔ یہاں کوئی شے اس جہان میں بڑی سے بڑی نہیں ملے گی۔ جو شے ملے گی اس پر اضافہ ہو سکتا ہے، اس پر اور بڑائی ہو سکتی ہے آپ کے خیال میں بڑی سے بڑی شے کیا ہے؟ زیادہ سے زیادہ دیکھیں گے تو وہ آسمان ہے۔ اس سے کوئی بڑی شے نہیں ہے۔ سورج جو زمین سے تقریباً ۱۵۹ گنا ہے جو مہندسین نے تحقیق کی ہے وہ آسمان کے اندر ایک ٹکیہ سا معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت میں بھی بڑا نہیں ہے۔ آپ آسمان کی طرف نظر ڈال کر دیکھیں۔ آپ کی آنکھ سے جو شعاع نکل رہی ہے، جو آسمان کی سطح تک پہنچ رہی ہے، اس کی مسافت کے مقدار کے برابر یہ چھوٹا ہے۔ اگر بڑا ہوتا تو یہاں آنکھ تک آ جاتا۔ تو معلوم ہوا کہ حقیقی بڑے کی صلاحیت ہی اس جہان میں نہیں ہے وہ اس جہان سے باہر ہے، وہ خالق ہے سب بڑے اور چھوٹے کا۔ تو حقیقت میں اللہ وہ ہے کہ جو حسنِ حقیقی ہے اور کمالِ حقیقی ہے۔

اللہ کی تعریف ہم نے پہلے کر دی، اپنے قیاس کے مطابق، اپنے شعور کے مطابق جو لوگ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں وہ اس سے زیادہ بیان کریں گے اور یہ سلسلہ لاانتہا جائے گا کسی جگہ بھی ٹھہر نہیں سکتا۔ اور حقیقی تعریف ہو نہیں سکے گی۔ حقیقی تعریف وہی ہے جو وہ خود کرے کوئی نہیں کر سکتا اس کی تعریف۔

پہلے تمہید آپ کے سامنے یہ بیان کر دوں کہ ایک تو ہے عقل کا علم، جس کو عقلی علم

کہتے ہیں، یعنی وہ علم جو عقل سے حاصل ہو۔ مثلاً یہ مکان ہے آپ کی عقل یہ بتا رہی ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے۔ یہ عقلی چیز ہے۔ یا ذرا سا دھواں آپ دیکھ لیں تو آپ کی عقل یہ بتائے گی کہ یہ دھواں قرینہ ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور شے مقرون ہے جس کا نام آگ ہے ہمیشہ آپ یاد رکھیں کہ عقلی علم کتنا ہی یقینی کیوں نہ ہو وہ حالی علم ہے، بہت کمزور ہوتا ہے کسی شخص کو یہ علم ہو جائے کہ اسے کل یا تین دن کے بعد پھانسی ہوگی۔ اس کے بعد اس کا کھانا پینا بند ہو جائے گا اور بہت پریشانی ہوتی ہے اور آپ لوگوں کو بھی یقین ہے کہ موت آئے گی اور موت کا اس کو بھی یقین ہے لیکن آپ خوب سمجھ لیں کہ آپ کبھی بھی موت سے نہ بچ سکیں گے اور وہ پھانسی کا حکم پانے کے بعد ممکن ہے بچ جائے اور پھانسی کے تختے پر نہ لٹکایا جائے۔ تو یہ کتنا زبردست یقین ہے جو آپ کو، مجھ کو اور سب کو ہے لیکن یہ حالی نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں کہ مریں گے سب کو اپنی موت کا یقین ہے لیکن اس کو اپنی موت کا یقین حالی ہے اور وہ یقین اس یقین سے کمزور ہے کیونکہ امکان ہے نا اس میں بچنے کا۔ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ بچ گیا۔ لیکن حالت میں تبدیلی ہے۔ جو اس کی حالت ہے، جو ہیبت موت کی اس پر طاری ہے وہ آپ پر نہیں ہے۔ یہ بات سمجھ میں آگئی تو یقین کافی نہ ہوا۔ علم حالی جو ہے وہ کم درجہ کا بھی علم عقلی سے بہت قوی ہوتا ہے اور بہت با اثر ہوتا ہے۔ یہ جو لوگوں کے دلوں پر اثر نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم حالی نہیں ہوا کرتا، وہ علم ظاہری اور عقلی ہوا کرتا ہے۔ یہاں سب کو معلوم ہے کہ فلاں پاکستان کا صدر ہے۔ ہر شخص کو یقین ہے لیکن شناخت ہر شخص کو نہیں ہے، بہت قلیل تعداد ہوگی جو صدر کو پہچان لے گی اور بہت بڑی اکثریت نہ پہچان سکے گی۔ لیکن یقین سب کو ہے، شناخت نہیں کر سکے گی۔ یقین اور چیز ہے اور شناخت اور معرفت اور چیز ہے۔ اب ایک جماعت عارفوں کی نکلے گی جو عوام کے مقابلے میں بہت قلیل ہوگی۔ صدر صاحب اگر کہیں موٹر میں جائیں تو ہم جانتے ہیں پہچان لیں گے کہ صدر جا رہا ہے۔ لیکن علاقہ ان عارفین میں سے کسی کو بھی نہیں ہوگا۔ تعلق کسی کو بھی نہیں ہوگا۔ تو تعلق معرفت سے بھی بڑی اور اونچی چیز ہے۔ جیسے حجام ہے، روزانہ دس بجے صدر کی حجامت بناتا ہے۔ صدر کے پاس حجامت کے

لیے نہ پہنچے تو صدر کو پریشانی ہوگی۔ کہیں گے تلاش کرو کیوں نہیں آیا؟ جب وہ تو کہنے لگا کہ صاحب کیا کریں۔ ہماری جھگی پر برابر والوں نے قبضہ کرلیا۔ مصیبت میں مبتلا ہیں۔ تم کو حجامت کی پڑی ہے۔ ہم کیسے آتے؟ فوراً سپاہیوں کو بھیج کر کہے گا کہ جاؤ، اس کی مدد کرو۔ امداد فوراً ہو جائے گی۔ اس حجام کا جو علاقہ ہے وہ بڑے بڑے وزیروں اور منسٹروں کو بھی نہیں ہے۔ یہ سب عرفاء ہیں تو یہ اربابِ یقین جو ہے وہ سارا پاکستان ہے۔ اربابِ معرفت بھی جو ہیں وہ لاکھ دو لاکھ ہوں گے، لیکن اربابِ تعلق چند ہی ہوں گے۔ تو تعلق سب سے قوی چیز ہے۔ اصل شے تعلق ہے۔

دلائل سے یقین کا حاصل کرنا...... یہ دشوار چیز ہے ہر شخص نہیں کر سکتا۔ اسی طرح معرفت بھی دشوار چیز ہے، ہر شخص نہیں کر سکتا۔ لیکن تعلق بہت آسان چیز ہے۔ شریعت میں جہاں پر بھی حکم ہوا ہے، جو بھی حکم نازل ہوا ہے خواہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عمل سے ہو، سب میں تعلق رکھا ہے۔ زیادہ زور علوم وفنون پر نہیں دیا۔ اصحابِ رسول ﷺ اتنے علوم وفنون نہیں جانتے تھے جتنے سو یا دو سو برس بعد کے لوگ جانتے تھے۔ بعد کے دور میں جتنے علوم وفنون کا زور تھا وہ اس زمانے میں نہیں تھا نہ وہ فقہ جانتے تھے، نہ اصولِ فقہ جانتے تھے۔ نہ کلام جانتے تھے نہ منطق جانتے تھے نہ ہندسہ، نہ فلسفہ، کچھ نہیں جانتے تھے۔

ہم تو امی لوگ ہیں۔ نہ ہم حساب جانیں نہ کتاب جانتے ہیں۔ تو اصل شے تعلق نکلا۔ وہ تعلق جو ہوتا ہے وہ مبداء ہوتا ہے، سبب ہوتا ہے اعتماد کا۔ غور کرو سب سے زیادہ مہلک آلہ کیا ہے؟ چھرا ہے؟ تلوار ہے؟ نہیں بلکہ استرا ہے۔ استرے سے زیادہ تیز دھار کسی آلہ کی نہیں ہے اور سب سے زیادہ نازک مقام یہ شہ رگ ہے۔ اس کے کٹنے کے بعد پھر نہیں بچتا۔ حجام کیا کرتا ہے؟ سب سے زیادہ مہلک آلہ کو سب سے زیادہ نازک جگہ پر رکھ دیتا ہے، اور وہ کٹواتا رہتا ہے۔ اس کو ذرّہ برابر بھی خوف و ہراس نہیں ہوتا۔ (اطمینان سے باتیں ہوتی رہتی ہیں) کتنا مہلک آلہ اور کتنے نازک مقام پر رکھا ہوا، کچھ بھی خوف و ہراس نہیں ہوتا۔ کیا وجہ ہے اس کی؟ حجام سے پورا تعلق ہے اور صحیح اعتماد ہے

کہ یہ گلا نہیں کاٹے گا۔

اگر آپ کو، جتنا تعلق حجام سے ہے، اتنا تعلق اپنے رب سے ہو جائے، سارا عالم بھی مل کر تلوار رکھ دے کبھی خوف و ہراس نہیں ہونے لگا۔ صحیح تعلق ہونا چاہیئے اور اتنے تعلق والا، یہاں کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جس کو اللہ سے اتنا تعلق ہو جتنا اس کو حجام سے ہے۔ میرے علم میں ایک آدمی ایسا نہیں آیا ساٹھ برس میں، اور جب ایسا ہوگا تو وہ بھی گھٹیا قسم کا مشرک ہوگا اس کو اپنے رب پر اتنا اعتماد ہے جتنا کہ ایک حجام پر ہے۔ (دنیا میں) دوست ہیں، احباب ہیں، استاد ہیں، پیر ہیں مرشد ہیں، ماں باپ، بہن بھائی ہیں، یہ تمام اعتماد کے لوگ ہیں۔ اگر اتنا اعتماد ہو جائے گا تو پھر کتنا شدید تعلق اپنے رب سے ہوگا۔ ادنیٰ تعلق کی یہ حالت ہے کہ اُسترا رکھوا لیتا ہے، اسی طرح تمام عالم تلوار رکھ دے، ادنیٰ تعلق سے کبھی خوف و ہراس نہ ہو تو صحیح تعلق کے بعد آپ کچھ اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ کیا حالت ہوگی۔ اپنے رب سے صحیح تعلق ہونا چاہیئے۔

آپ سمجھ لیں کہ خدا سے تعلق کے صحیح معنی کیا ہیں؟ اس کے رسول ﷺ سے تعلق ہی کا نام خدا سے تعلق ہے۔ خدا سے کوئی مستقل تعلق کسی کا نہیں ہوا کرتا۔ جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا خدا سے براہ راست تعلق کا، ان کے علم میں کمی تھی، وہ سمجھے نہیں تھے۔ خدا کی اطاعت کے معنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ہیں۔ خدا کی رضا کے معنی رسول اللہ ﷺ کی رضا کے ہیں۔ خدا کے دکھ دینے کے معنی رسول اللہ ﷺ کے دُکھ دینے کے ہیں۔ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ اللہ کو فریب دیتے ہیں (معمولی ہشیار آدمی کو فریب دینا مشکل ہے) اللہ کیا فریب میں آئے گا، اس کے معنی ہیں اللہ کے رسول ﷺ کو فریب دیتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (۵۷) (الاحزاب: ۵۷) (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے) کمزور کو دکھ دے لیں لیکن آپ کسی تگڑے آدمی کو دُکھ نہیں دے سکتے، خدا کو کیا دکھ دیں گے۔ خدا کی ایذا کیا ہے، رسول ﷺ کی ایذا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا

مُؤْمِنِیْنَ (توبہ:۶۲) اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ ہی حق دار ہیں زیادہ مستحق ہیں اس بات کے کہ ان کو راضی کیا جائے۔ رسول ﷺ کا راضی کرنا ہی خدا کا راضی کرنا ہے۔ صرف ایک چیز میں فرق ہے۔ رسول ﷺ کی عبادت تو خدا کی عبادت نہیں ہے۔ لَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا۔ رسول ﷺ کی قبولیت جو ہے وہی اللہ کی قبولیت ہے۔ کوئی نماز پڑھ رہا ہے اور رسول ﷺ آواز دے تو فوراً نماز کو توڑا جائے گا اور رسول ﷺ کی آواز پر جایا جائے گا۔ خدا سے تعلق کے معنی کیا ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ سے تعلق، اور جس کو خدا کے رسول ﷺ سے تعلق نہیں ہے، اس کو خدا سے تعلق نہیں ہے۔

اب رسول اللہ ﷺ سے کیسے تعلق ہو؟ اس تعلق کی تدبیر اور تصور کیا ہے؟ تعلق کی تدبیر وہی ہے جو یہاں دو اجنبی آدمیوں میں تعلق پیدا کر دیتی ہے۔ سب سے پہلے چیز تعلق پیدا کرنے کی یہ ہے کہ اگر میں آپ سے تعلق پیدا کرنا چاہتا ہوں میں سب سے پہلے آپ سے جا کر کہوں گا السلام علیکم، پہلے سلام کرتا ہوں۔ تعلق کی ابتداء رسول ﷺ پر سلام بھیجنا ہے اور کوئی شے نہیں ہے۔

میں نے دیکھا ہے کہ ایک بہت امیر کبیر آدمی موٹر میں جا رہا ہے۔ ایک غریب پان والے نے اسے جھک کر سلام کیا۔ اس نے دھیان بھی نہیں کیا۔ پھر جو اُدھر سے گزرا، پھر سلام کیا۔ پھر دھیان نہیں دیا۔ چند دفعہ کے بعد اس کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہوا نکل گیا۔ پھر اس کے بعد اس نے سلام کیا، کچھ تو مسکرایا اور مسکراتا ہوا چلا گیا۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ وہ پان والا وہاں نہیں تھا۔ اس نے موٹر کو وہاں روکا اور پوچھا کہ ایک بڈھا یہاں بیٹھا رہتا تھا وہ کہاں ہے؟ جواب ملا، ابھی نماز کو گیا ہے ابھی آتا ہے۔ آپ سمجھے؟ ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ پوچھنے لگتا ہے۔

نبی ﷺ پر درود و سلام جو ہے یہ تعلق کی علت ہے۔ آپ بھی درود بھیجئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ

بے شک اللہ اور اس کے تمام فرشتے، ملائکہ، ملک کی جمع ہے۔ جمع کا لفظ جب مضاف ہوا کرتا ہے تو عام ہو جاتا ہے۔ تو ملائکہ کی طرف مضاف ہے، اس کے معنی ہوئے اس کے تمام فرشتے۔ یُصَلُّوْنَ یہ مضارع کا صیغہ ہے۔ حال اور مستقبل دونوں کے لیے آتا ہے۔ حال تو منقطع ہو جاتا ہے۔ جیسے ماضی منقطع ہو جاتا ہے حال سے۔ حال منقطع ہو جایا کرتا ہے مستقبل سے۔ مستقبل الانقطاع ہے، یہ کبھی منقطع نہیں ہوگا، قیامت تک جائے گا۔ اس لیے کہ مضارع کا صیغہ ہے۔ اللہ پاک ابد تک لا انتہا درود و سلام نبی ﷺ پر بھیجتا رہے گا۔ درود سے زیادہ بڑی کوئی چیز نہیں۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قاعدہ کی بات بتا رہا ہے۔ اے ایمان والو! اور قیامت تک کے کل ایمان والو! صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا تم سب درود و سلام بھیجو اُس ﷺ پر۔ اور تسلیم کا جو لفظ ہے یہ مبالغہ کے لیے آتا ہے، تکثیر کے لیے آتا ہے۔ بہت زیادہ سلام پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

یہ سب سے بڑی چیز ہے، اس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ اس سے بہتر کوئی ذکر ہو نہیں سکتا۔ یہ عادت اللہ تبارک و تعالیٰ کی، اللہ جو ہے وہ درود بھیجتا ہے۔ درود بھیجنا، یہ اللہ تعالیٰ کا فعل، عادت اور سنت ہے۔ اور نماز پڑھنا یہ کس کی عادت ہے؟ یہ رسول اللہ ﷺ کی عادت ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ خدا نماز نہیں پڑھتا، خدا روزہ نہیں رکھتا۔ جتنی عبادتیں ہم کرتے ہیں، یہ سب نبی ﷺ کی عادتیں، خصلتیں اور سنتیں ہیں۔ جو نسبت خدا کو رسول ﷺ سے ہے وہی نسبت خدا کی سنت کو رسول ﷺ کی سنت سے ہے اور خدا کی سنت درود شریف ہے اور رسول ﷺ کی سنت عبادت ہے جتنا خدا رسول ﷺ سے افضل ہے اتنی ہی اس کی سنت رسول ﷺ کی سنت سے افضل ہے اور اس کی سنت درود اور نبی ﷺ کی سنت عبادت ہے۔ تو درود شریف سب عبادتوں سے افضل ہو گیا۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی

الِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

کوئی چیز نجات دلانے والی نہیں ہے۔ دین میں اور نہ دنیا میں۔ درود شریف ہی ایسی شے ہے جو ہر وقت نفع دے گی، اس عالم میں بھی اور اس عالم میں بھی۔ اس مضمون کا تعلق کسی فرقہ سے نہیں ہے، نہ کبھی اس کا تخیل کیجئے۔ مجھے بڑی اذیت ہوتی ہے۔ جو بات علمی ہے میرے خیال میں، بیان کر رہا ہوں۔ دلیل کا مقدمہ آپ نے سمجھ لیا۔ غور کریں۔

ہر عبادت میں امکان ہے نامقبولیت کا۔ آپ نے نماز پڑھی۔ ضروری نہیں کہ قبول ہی ہو جائے۔ کبھی قبول ہو جائے گی کبھی نہیں ہونے کی۔ ہو سکتا ہے نہ ہو یا چاہے قبول ہو جائے لیکن امکان ہے مردود ہونے کا رنا قبول ہونے کا امکان ہر عبادت میں موجود ہے۔ اور درود شریف ہی ایسی چیز ہے کہ ہر وقت مقبول ہے تو یہ یقینی ہے کہ قبول ہو، اور عبادت ظنی القبول ہے اور یقینی یہ ظنی سے افضل ہے۔ درود شریف ہر عبادت سے افضل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ اپنی حاجت کے لیے دُعا مانگتے ہیں تو لازم اور واجب ہے کہ پہلے درود شریف پڑھیں پھر دُعا مانگیں اپنی حاجتوں کو پورا کرانے کے لیے اللہ سے۔ پھر درود شریف پڑھیں۔ وہ غفور الرحیم ہے جب اس کے سامنے یہ خوان جائے گا، تین قابیں رکھی ہوئی ہوں گی۔ پہلی درود شریف کی۔ دوسری آپ کی حاجت کی۔ پھر درود شریف کی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ادھر اُدھر سے اٹھا لے اور بیچ کی قاب چھوڑ دے۔ رحیم کی شان سے یہ بعید ہے وہ یہ سب ہی لے لے گا۔

آپ غور کیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، سورہ واقعہ میں تین گروہوں کا ذکر کیا۔ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً (واقعہ: ۷) جونہی یہ واقعہ پیش آجائے گا، یعنی قیامت آجائے گی تو تم تین گروہ ہو جاؤ گے۔ ایک مقربین، دوسرے اصحاب الیمین، تیسرے اصحاب الشمال۔ معاذ اللہ یہ تین گروہ ہوں گے۔ ان تینوں گروہوں کے واقعات اور حالات اللہ تعالیٰ نے تقریباً ڈھائی رکوع میں بیان فرمائے ہیں۔ تین رکوع کی سورت ہے جب سورۃ کو ختم کیا تو ان تینوں گروہوں کے حالات کا خلاصہ اور نچوڑ بیان کیا ہے۔ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ (۸۸) فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ (واقعہ: ۸۸۔۸۹) جو مقربین میں سے ہے کیا ہے

اس کا انجام حشر۔ اس کی جزا کیا ہوگی؟ راحت، بہت راحت، ریحان خوشبو میں معطر، باغ و بہار۔ یہ اس کا انجام ہوگا۔ پہلے گروہ کی تو یہ کیفیت اور دوسرا گروہ وَاَنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور آپ کو اسی گروہ میں شامل کر دے۔ اصحابِ یمین ان لوگوں کو کہتے ہیں کہ جن کے سیدھے ہاتھوں میں نامۂ اعمال دیئے جائیں گے۔ مقربین کا تو بڑا درجہ ہے، اصحابِ یمین ہی میں ہمارا انجام ہو۔ (خداوند تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انجام بخیر کرے) ان کو کیا جزا ملے گی، ان کو کیا انعام ملے گی۔ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ (۹۱) اللہ کی طرف سے ان کو سلام ہو۔ اتنی معزز ہستی کا سلام کرنا، اس سے بڑی کیا جنت اور راحت ہوگی، جن کے نصیب میں یہ نعمت ہوگی۔ سلام اتنی بڑی چیز ہے۔ اصحابِ یمین تو خود بڑی چیز ہے۔ یہ خود جزا ہے۔

آپ یہ درود و سلام کا تحفہ خود پیش کر دیں نبی ﷺ کی جناب میں، یا آپ کسی کے ہاتھ سے بھجوا دیں۔ اس کے دونوں معنی ہیں۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ آپ خود پیش کر دیجئے یا اللہ سے کہہ دیجئے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ہماری طرف سے دونوں طرح سے یا خود پہنچا دے یا اس کے ہاتھوں سے پہنچا دیں، یہ آپ کو اختیار ہے۔

اب نبی ﷺ کی فضیلت کے متعلق کیا بیان کیا جا سکتا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھیے جب تعریف کسی کی کی جاتی ہے، جو شخص کرتا ہے، اگر وہ اس کے متعلق پوری معلومات رکھتا ہے جب تو صحیح تعریف کر سکتا ہے ورنہ نہیں کر سکتا۔ مثلاً مورخ کو مورخ سے زیادہ واقف ہونا چاہیے، زیادہ آگاہ ہونا چاہیے۔ نبی کے برابر یا نبی سے زیادہ کسی کو علم ہو، معرفت ہو تو وہ کرا سکتا ہے نبی کا تعارف۔ وہ معرفت کرا سکتا ہے نبی کی، اور کسی شخص کو نبوت کا علم نہیں ہے۔ کسی صدیق میں یہ بات نہیں ہے یا جو رؤساء صدیقین ہیں اُن میں بھی یہ بات نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح تعریف سمجھے ہوئے ہوں یا بیان کر سکیں۔ نبی ﷺ کر سکتا ہے یا خدا کر سکتا ہے۔ غیر نبی میں یہ قابلیت نہیں ہے۔ یہ عقلی دلیل میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے۔

شرعی دلیل بھی میں آپ کو سمجھا دوں۔ سمجھ میں آ جائے گا۔ آپ غور کریں۔ اللہ

تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ (النساء: ۱۷۱)۔ عیسیٰ ابن مریم تو اور کچھ نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اس کا ایک کلمہ ہیں۔ اللہ کے کلمہ کے کیا معنی۔ کلمۃ اللہ جو ہے وہ لفظ ''کن'' ہے اور کوئی کلمہ نہیں ہے۔ یاد رکھیں چونکہ یہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، کوئی ظاہری سبب نہیں تھا اس لیے ان کی طرف ''کن'' کی نسبت کی گئی۔ اس خصوصیت کی بناء پر ان کو کلمۃ اللہ کہا گیا، لیکن حقیقت کلمۃ اللہ کی یہ ہے کہ ہر وہ شے جو من جانب اللہ ہو وہ کلمۃ اللہ ہے جیسے الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (البقرہ: ۱) یہ منجانب اللہ ہے لہٰذا یہ کلمۃ اللہ ہے۔ معجزہ کلمۃ اللہ ہے۔ ہر نبی کلمۃ اللہ ہے۔ یہ سب منجانب اللہ ہیں۔ ان کو مخصوص طور پر اس لیے کہا گیا کہ ان کے باپ نہیں تھے۔ اس لیے ان کے لیے لفظ شامل ہو گیا شریعت کی زبان میں۔ ورنہ حقیقت میں کلمۃ اللہ کے معنی منجانب اللہ ہیں۔ ہر وہ شے جو من جانب اللہ ہے کلمۃ اللہ ہے۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ وَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰى وَعِیْسٰى وَاِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ (الانعام: ۸۴ تا ۸۶) یہ سولہ نبی ہیں۔ نوح علیہ السلام کو لگائیے، سترہ ہوئے۔ اس رکوع میں سولہ سترہ نبیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان نبیوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا (الانعام: ۹۰) یہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے۔ یہ اللہ سے ہدایت پائے ہوئے ہیں۔ اللہ کے ہدایت یافتہ ہیں۔ ان کا معلم اور استاد اور ہدایت کنندہ صرف اللہ ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِقْتَدِهْ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم ان کی ہدایت کی پیروی کرو۔ ان کی ہدایت کی اتباع و اقتدا کرو۔ یہ خاتم النبیین ہیں، تمام شریعتوں کے ناسخ ہیں۔ یہ ان نبیوں کی کیا اتباع کریں گے۔ اگر اتباع کریں گے عقائد میں تو مقلد ہو جائیں گے۔ اگر شریعت کی اقتدا کریں گے، تو ناسخ نہیں رہ سکیں گے۔ اقتدا کس چیز میں کریں گے، کیا اتباع کریں گے؟ لہٰذا شرائع مراد نہیں ہو سکتے، عقائد مراد نہیں ہو سکتے۔ اعمال و افعال، یہ تو قطعی مراد نہیں ہیں کہ وہ اتباع کر سکے، وہ ناسخ نہیں ہونے

کے۔ تمام شریعتیں منسوخ ہو چکیں، پھر کس چیز کی اتباع کریں گے۔ ہر ہر نبی میں جو کمالات ہیں ان میں ایک ایک کمال ایسا ہے جو ہر نبی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایک فعل ایسا ہے وہ اخلاقِ حسنہ، اخلاقِ جمیلہ میں سے ایک ایک نبی متخلق ہے کمالات جتنے بھی تھے وہ انبیاء علیہم السلام میں علیحدہ اور متفرق طور پر تھے۔ تو اے نبی ﷺ ان میں جو اخلاق اور کمالات ہیں متفرق طور پر، وہ سب تم میں ہونے چاہیں۔ تم جامع کمالات، انبیاء ہو۔ اور وہ جو کمالِ خاص ہے وہ سب منجانب اللہ ہے۔ تو ہر نبی تو کلمۃ الرب ہے اور محمد ﷺ جو جامع کمالات انبیاء ہیں، یہ جامع کمالات ہیں۔ یعنی یہ کلماتِ رب ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کمالاتِ رب۔ نوح علیہ السلام کلمۃ الرب۔ موسیٰ علیہ السلام کلمۃ الرب، عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ الرب، محمد رسول اللہ ﷺ کلمۃ الرب نہیں بلکہ کلمات الرب یہ کلمے ہیں وہ کلم ہیں ۔قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا کہہ کر اگر بحر کو روشنائی قرار دے دیا جائے کلمات الرب کو رقم کرنے کے لیے اور اوساف بیان کرنے کے لیے، ختم ہو جائے گا بحر کلمات الرقب رقم ہونے سے پہلے۔ بحر میں صلاحیت ہی نہیں ہے کہ جو کلمات الرب کو رقم کر سکے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کلمات الرب ہیں اور کلمات الرب نا قابلِ رقم ہیں تو محمد رسول اللہ ﷺ نا قابلِ بیان ۔ کون بیان کر سکتا ہے۔ جو بیان کرے گا وہ یا تو جھوٹا ہو گا یا اس کے اپنے خیال کے مطابق ہو گا۔ کوئی نہیں بیان کر سکتا۔

کوئی ہو، ولی ہو، ابدال ہو، قطب ہو، صدیق ہو، رئیس الصدیق ہو، کیسا ہی قدسی اعظم ہو، وہ گھٹ کر فاسق ہو سکتا ہے۔ کیسا ہی فاسق ہو، ترقی کر کے وہ بڑھ کر قطب ہو سکتا ہے۔ نبی ﷺ کو کتنا ہی کم کر دیا جائے وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں ہو سکتے۔ نبوت کا تجزیہ کرتے کرتے کتنا ہی ننھا سا جز نکال لیجیے وہ صدیقین سے افضل رہے گا اور جو بڑے سے بڑا نیک امتی ہے اس کا آپ تجزیہ کریں گے وہ فسق پر آ کر ٹھہر جائے گا اور فسق میں اگر رحمت خدا کی شاملِ ہو کوئی چور، ڈاکو، زانی، وہ قطب، ابدال اور ولی بن جائے گا۔ مگر نبی میں یہ بات نہیں۔ تمام جہان کے اولیاء جتنے ہیں وہ سب مل کر بھی اس درجہ پر پہنچ ہی نہیں

سکتے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنا محال اور ناممکن ہے۔ یہاں تو ایک سمندر ہے، یہی مضمون دوسری آیت میں ہے وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ (لقمان:۲۷) اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم بن جائیں اور یہ جو سمندر ہے اس میں سات سمندر اور شامل ہو جائیں تو بھی اللہ کے کلمے ختم نہ ہوں۔ اس آیت میں سات سمندر ہیں اور بحر کو مدد دینے کے لیے اور بحر لایا جائے یہاں تک کہ خدا الا انتہا بحر لا سکتا ہے، پھر بھی رقم نہیں ہو سکتا۔ اور محمد رسول اللہ کلمات الرب ہیں لہٰذا کلمات الرب جو ہیں وہ نا قابل رقم ہیں۔ محمد رسول اللہ کے اوصاف اور صفات جو ہیں وہ نا قابلِ رقم ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا علی رضی اللہ عنہ آ جائیں اور کل انسان۔ یہ سب مل کر بیان کریں یا ملائکہ، کوئی نہیں کر سکتا۔ نہ ان کے علم کا حال بیان کر سکتے ہیں نہ عمل کا۔ آپ کیا بیان کر سکتے ہیں؟ ازل سے ابد تک کے انسان مل کر خلائق بیان نہیں کر سکتے۔ ہاں، بے شک اللہ قادر ہے۔ جو وہ بیان کرتا ہے ٹھیک ہے۔ وہ بیان کر سکتا ہے اور کوئی نہیں بیان کر سکتا مگر اس کے سمجھنے کے لیے بھی تو کچھ چاہیے نا؟

بچہ کو آپ کتنا ہی بلوغ کی کیفیات سمجھا دیں، بیان سچ ہو گا حق ہو گا مگر پھر بھی وہ سمجھ کر نہیں دے گا۔ نہیں آیا سمجھ میں؟ جو نابالغ ہے وہ کیسے بلوغ کی کیفیت سمجھ سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا بیان قطعی سچا ہے۔ وہ صحیح تعریف بیان کرے گا لیکن آپ سمجھ نہیں سکیں گے۔ نہ قرآن کو نہ حدیث کو صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نابالغانِ معرفت جو ہیں وہ عرفاء کے صحیح حالات کو نہیں سمجھ سکتے۔ کیا نبی ﷺ کی تعریف کردار ہے؟ محض ان کے اسوۂ حسنہ کا بیان ہے؟ میں آپ سے کیا بیان کروں؟ ناممکن اور محال ہے۔ تم چاہو تو میں اپنی عقل کے مطابق کچھ بیان کروں۔ وہ تو جتنا میرا علم ہے اس کو میں بیان کر رہا ہوں۔ جو مجھ سے زیادہ جانتا ہے وہ اس سے زیادہ بیان کر دے گا۔ مجھے تو اتنا ضرور پتہ چل گیا کہ کچھ پتہ نہیں چلا۔ بس اس سے زیادہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ بس اتنا ہی بیان کر سکتے ہیں۔ ہم کچھ نہیں بیان کر سکتے۔

آپ غور کر کے دیکھیں۔ آپ کے سامنے میں ایک بات بیان کر سکتا ہوں۔
دین اسلام اسلام کیا چیز ہے؟ اسلام کسے کہتے ہیں؟ دین کا لفظ جو آیا کرتا ہے اور مذہب کا، اس کے اندر تین جز ہوا کرتے ہیں۔ ایک عقیدہ ہوتا ہے، ایک عمل ہوتا ہے، ایک اخلاق ہوتا ہے تین چیزوں سے یہ چیز مرکب ہوا کرتی ہے۔ اس مرکب چیز کا نام مذہب اور دین ہے۔ ہر مذہب کو دیکھ لیجئے آپ۔ اس میں کچھ عقائد ہوتے ہیں جسے ہم لوگ ایمانیات کہتے ہیں۔ کچھ اعمال ہوا کرتے ہیں جو جوارح سے کیے جاتے ہیں۔ اعضاء سے کیے جاتے ہیں۔ کچھ عادات اور خصلتیں ہوا کرتی ہیں، ان کو اخلاق کہا جاتا ہے۔ بس ان تین چیزوں کے مجموعہ کا نام مذاہب ہوتا ہے۔ اسلام میں بھی یہی تین چیزیں ہونی چاہئیں اور یہ تینوں چیزیں ہیں۔ پہلا جز اس کا عقیدہ ہے۔ عقیدہ جتنے ہیں ان میں سب سے بڑا جو عقیدہ ہے وہ توحید کا مسئلہ ہے اسلام کے اندر۔ ٹھیک ہے نا؟ سب مسلمان کلمہ گو جانتے ہیں۔ توحید کے مسئلے سے بڑا کوئی مسئلہ نہیں ہے عقیدہ کے اعتبار سے یہ سب سے بڑا عقیدہ ہے۔ یہ اسلام کا عقیدہ ہے اس عقیدہ کو اگر آپ دیکھیں گے تو بہت سے غیر اسلامی مذاہب میں جوں کا توں موجود ہے۔

براہمہ کا ایک گروہ ہے ہندوستان میں۔ ان کے ہاں ایسی ہی توحید ہے جیسی مسلمانوں کے ہاں ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ ماتھے پر تین نشان لگایا کرتے ہیں۔ قشقہ ہندوستان میں دیکھا ہوگا آپ نے۔ وہ براہمہ کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں توحید کامل ہے۔ نبوت کے منکر ہیں۔ توحید مکمل ہے۔ جتنے آسمانی مذاہب ہیں، سچے سب میں توحید موجود ہے اور آسمانی مذاہب کے ماننے والے اس وقت موجود ہیں اس دنیا میں، اور کل مسلمانوں کے نزدیک وہ جہنمی ہیں یا نہیں؟ جو اس وقت سچی انجیل پر عمل کرے وہ بھی آپ کے نزدیک کافر ہی ہے نا۔ سچی توریت پر عمل کرے تو کافر، صحفِ ابراہیم پر عمل کرے تو کافر، انجیل کو سچا جانے تو کافر۔ تو توحید کا مسئلہ اکثر غیر اسلامی مذاہب میں موجود ہے۔ آپ جو اسلام کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہمارا مذہب حق ہے، جب آپ ان لوگوں کے پاس جا کر کہیں گے تو وہ کہیں گے، یہ ہمارے موجود ہے۔ آپ نئی حقانیت کیا

لائے؟ ہمارے ہاں یہ ہے موجود۔ سمجھ میں آ گیا نا؟

(اسی طرح) نبوت کا مسئلہ ہے جو تمام آسمانی مذاہب میں موجود ہے۔ عمل کے لیے جزا کا مسئلہ ہے۔ تقریباً تمام مذاہب میں موجود ہے، سوائے دہریہ کے۔ دہریے خدا کے قائل نہیں ہیں۔ باقی ہر مذہب خدا کا قائل ہے عمل کے لیے بدلہ ہے۔ وہ بدلہ خواہ تناسخ کے ذریعہ ہو، خواہ روحانی ہو، کسی اور ذریعہ سے ہو۔ یا جیسا کہ مسلمان کہتے ہیں، میرا بھی یہی عقیدہ ہے، خدا میرا اور آپ کا اسی عقیدہ پر انجام کرے کہ دوبارہ اٹھنا پڑے گا قیامت کے ذریعہ۔ تو قیامت کے بھی بہت کثیر کافر قائل ہیں۔ عیسائی بھی موسائی بھی، بہت سے لوگ ہیں۔ تو جتنے بھی اعتقادی مسئلے آپ لیں گے وہ کل کے کل یا اجزاء کی حیثیت سے متفرق غیر اسلامی مذاہب میں موجود ہیں۔

آپ کہیں گے اسلام قرآن ہے۔ ٹھیک ہے، حق ہے آپ کہیں گے الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ قرآن کو ہاتھ میں لے کر کہیں گے کہ اس کتاب میں شک نہیں ہے۔ یہی معنی ہیں نا۔ ٹھیک ہے۔ اگر کوئی یہودی توریت غیر محرف ہاتھ میں لے کر کہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ تو آپ کیا کہیں گے؟ کچھ تو بولو۔ ایسا ہی ایمان لانا پڑے گا جیسا قرآن پر ہے۔ ذرا سا فرق کرتے ہی کافر ہو جائے گا۔ عیسائی غیر محرف انجیل ہاتھ میں لے کر کہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ مسلمان کیا کہے گا؟ اٰمَنَّا ٹھیک ہے نا۔ کیا بات ہوئی؟ کتاب وہاں بھی موجود ہے۔ کیا فرق ہوا قرآن میں اور اس میں۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہدایت ہے متقیوں کے لیے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ (المائدہ ۴۴) ہم نے توریت نازل کی تھی اس میں بھی ہدایت اور روشنی تھی۔ تو قرآن جو چیز پیش کر رہا ہے وہ دوسری جگہ غیر مسلموں میں موجود ہے جن کو آپ کافر اور جہنمی بتا رہے ہیں۔ تو اول سے آخر تک جتنے بھی عقائد ہیں، یا متفرق طور پر یا مجتمع طور پر، دوسری جگہ موجود ہیں۔

اب رہ گیا اخلاق۔ اخلاق کل کے کل جتنے ہیں جوں کے توں مذہب اور لامذہب دہریہ اور غیر دہریہ سب میں مشترک ہیں۔ کسی شخص کے نزدیک ماں باپ کا ستانا اچھی بات نہیں ہے۔ کسی شخص کے بھی نزدیک محسن کشی، احسان کرنے والے کے ساتھ

برائی کرنی، خواہ دہریہ ہو، فلسفی ہو، سب برابر سمجھتے ہیں۔ غرض اخلاقی علوم جتنے ہیں وہ سب کے سب تمام مذاہب میں موجود ہیں۔

اب رہ گئے عبادات اور معاملات جو ہیں قریباً سب مذاہب میں موجود ہیں۔ عبادات کے ادا کرنے کا طریقہ جو ہے وہ کچھ مختلف ہے اور باقی نوعیت سب جگہ موجود ہے۔ نماز ہمارے ہاں بھی پڑھی جاتی ہے۔ اور کلیسا میں دوسرے طریقے سے پڑھی جاتی ہے۔ روزہ ہمارے ہاں جس طریقے سے رکھا جاتا ہے ان کے ہاں بھی دوسرے طریقے سے رکھا جاتا ہے۔ حج کرنے کے لیے ہمارے ہاں مکہ جانا پڑتا ہے، وہاں کاشی اور سومنات جاتے ہیں۔ سب کے ہاں یاترا ہے، آپ سمجھ گئے۔ کون سی چیز آپ پیش کر رہے ہیں جو اُن کے ہاں نہیں ہے، جو آپ کہیں یہ اچھی چیز ہے؟ جو چیز آپ پیش کریں گے وہ کہیں گے یہاں موجود ہے۔ تو اسلام تو وہ ہونا چاہیے جو غیر مسلم کے پاس نہ ہو۔ تو قرآن اول سے آخر تک الم سے والناس تک، آپ اٹھا کر دیکھیں، تمام اغیار میں، مذاہب باطلہ میں تقسیم ہو گیا، کچھ نہیں بچتا کوئی چیز آپ بتا نہیں سکتے۔ قصص اولین و آخرین آپ کہیں گے، وہ بھی موجود ہیں دوسرے کے ہاں، تو پھر کیا چیز رہا قرآن؟ کیا چیز رہا اسلام۔ کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ سمجھ گئے نا:

خدا آپ کو توفیق اور ہدایت دے، کوئی غلط بات نہ سمجھو، صرف ایک ہی قضیہ ہے قرآن اور اسلام میں، جو غیر مسلم کے ہاں نہیں ہے، وہ ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ بس یہ ایک ہی قضیہ ہے۔ اسی کا نام قرآن، اسی کا نام اسلام ہے۔ یہی غیر مسلم کے ہاں پیش ہوگا۔ یہ اس کے ہاں نہیں ہے۔ اس کا وہ منکر ہے جس چیز کا وہ مقر ہے وہ چیز آپ کی نہ رہی۔ جس چیز کا وہ منکر ہے وہ ہے آپ کی حقیقت، وہ ہے اسلام وہ کیا ہے بس مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

(عقیدۂ) توحید (خود) کوئی چیز نہیں ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جو دعوت دیتے وہ حق ہوتی۔ انہوں نے کہا "خدا واحد ہے"۔ ان کے کہنے سے عقیدۂ توحید بنا۔ عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ اور روح اللہ ہیں۔ ان کے کہنے سے عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ اور روح اللہ

مانا ہے۔ اگر وہ نہیں کہتے تو نہیں مانتے۔ انہوں نے کرشن جی کے متعلق کچھ نہیں کہا اس لیے نہیں مانتے۔ اگر وہ ان کے متعلق کہتے کہ نبی اللہ ہیں ہم ان کو بھی مان لیتے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح۔ انہوں نے کہا موسیٰ کلیم اللہ اور رسول اللہ، ابراہیم خلیل اللہ۔ ہر نبی کو ان کے کہنے سے مانا۔ ہر عقیدہ کو ان کے کہنے سے مانا۔ خدا کو لاشریک ان کے کہنے سے مانا۔ انہوں نے کہا یہ کتاب مجھ پر نازل ہوئی۔ مجرد اُن کے کہنے سے مان لیا ہم نے۔ قرآن پاک کا جو حصہ مکہ میں نازل ہوا تھا وہ پہلے ہونا چاہیے تھا، جو مدینہ میں نازل ہوا تھا وہ پیچھے ہونا چاہئے تھا۔ مدنی سورتوں کو مقدم کر دیا۔ سورۂ بقرہ، پہلی سورۃ، مدنی ہے۔ سورہ ال عمران مدنی، یہ ترتیب وترکیب کے بالکل خلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ یونہی حق ہے۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے، جو یہ کہیں وہ حق۔ کہا کہ خدا کی طرف سے یہ قرآن نازل ہوا۔ ہم نے کہا، بالکل حق ہے۔ انہی کے کہنے سے خدا کو وحدہٗ لاشریک مانا۔ انہی کے کہنے سے مردہ کا زندہ ہونا مانا، انہی کے کہنے سے کل اخلاق کو مانا، بس یہی اصل الاصول ہے جو پورے اسلام اور حقائق کو گھیرے ہوئے ہے۔ اگر یہ بندش نکال دی جائے جس طرح جھاڑو میں سے تیلیاں منتشر ہو کر ادھر ادھر چلی جاتی ہیں، آپ کا سارا مذہب منقسم ہو جائے گا۔ کچھ باقی آپ کے پاس نہیں رہے گا۔ اصل الاصول، جڑوں کی جڑ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّ الْکَرِیْمِ یہ ہے نبی کی تعریف۔ یہ ہے اصل اسلام، جو بھی آپ فرمائیں، خواہ وہ عقل کے مطابق ہو خواہ وہ عقل کے خلاف ہو۔ مجرد آپ ﷺ کے کہنے سے مانا جائے گا۔ کبھی بھی عقل میں آتا ہے کہ آدمی کی گردن کٹ جائے، وہ زندہ ہو۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کی زندگی ثابت نہیں کر سکتی۔ وہ مردہ ہے۔ اس کو دفن کر دیا جاتا ہے۔ نہیں کرتے دفن؟ انہوں نے کہا کہ وہ زندہ ہے۔ بَلْ اَحْیَآءٌ وہ زندہ ہیں وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ تمہیں پتہ نہیں ہے۔ اس بات کا تو پتہ ہے کہ وہ مردہ ہے دفن ہو گیا۔ نبی ﷺ نے کہا نہیں، (بات) بالکل متضاد ہو گئی۔ مردہ کو زندہ کہہ رہا ہے۔ نبی کی یہی شان ہے۔ جو تمہاری عقل میں نہ آئے وہ حق ہے اور عقل میں آنے کے بعد مانا، تو پھر کیا ضرورت رہی نبی کی۔ عقل میں تو صلاحیت ہی نہیں ہے علم حاصل کرنے کی۔ عقل بالکل

ناقص چیز ہے۔ فی نفسہ بڑی غلط فہمی ہوئی ہے لوگوں کو۔ انہوں نے عقلی علم کی بڑی قدر کی ہے۔ یہ نہیں سمجھے کہ عقلی علوم کیا ہیں اور ان کے نتائج کیا ہیں۔ عقل سے جواب تک علم مدوّن ہوئے ہیں...... حساب ہے، الجبرا ہے، اقلیدس ہے، یہ علوم ریاضیہ ہیں، علم صحیح ہے، جس کو سائنس کہتے ہیں، جس کا رواج آج کل یورپ میں ہے۔ ایک علم ہے جس کو فلسفۂ الٰہیات کہتے ہیں جس میں مابعد الطبیعت حالات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ سب عقلی علوم کہلاتے ہیں۔ ان سب کے جو انجام ہیں ان سے اس دنیا کی زندگی کو سنوارنا ہے۔ انجینئرنگ ہے وہ مکانوں کے کام میں آرہی ہے۔ عدد کا علم ہے، ارتھمیٹک، وہ لین دین اور قیمتوں کے تقرر میں کام آرہا ہے۔ علم طب ہے، ڈاکٹری کا علم، وہ بدن کی صحت میں کام آرہا ہے۔ ہر علم کو آپ دیکھئے۔ طبیعات کے جو علوم ہیں۔ سفر کو آسان کرنے کے لئے اصول مہیا ہو رہے ہیں۔ یا موت کے اسباب مہیا کرنے کے اصول مہیا ہو رہے ہیں۔ بہر حال جو بھی ہے اس زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، عقل کے جتنے علوم ہیں۔ لیکن آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ بہت بڑی اکثریت ہے ان زندوں کی جن میں حیات ہے۔ ذی حیات لوگوں کی بڑی اکثریت ہے کہ جن کی اکثریت کے مقابل میں انسان کی اقلیت ہے۔ حیوان کی اتنی اکثریت ہے، کچھ اندازہ ہی نہیں ہے۔ حیوانات کے مقابل میں انسان کتنا قلیل ہے۔ اتنی بڑی اکثریت جو ہے ذی حیات نفوس کی، بغیر عقل کی زندگی کو بسر کر رہی ہے۔ انسان تو بڑا بدنصیب ہے کہ ایک عقل کا بوجھ اور اپنے سر پر لاد کر زندگی بسر کر رہا ہے۔ یہ تو بغیر عقل کے بھی گزر سکتی تھی۔ انتہائی بے عقلی ہوتی ہے مجھے تو معلوم ہوا کہ عقل کا وجود لغو ہے۔ لیکن لغو تو نہیں ہو سکتا کیونکہ یہی مابین امتیاز ہے۔ اگر لغو قرار دے دو تو انسان حیوان کی شکل ہو گیا۔ اگر اس سے صحیح کام نہ لیا تو اس سے بدتر ہو گیا۔ مابین امتیاز عقل ہی تو ہے۔ تو عقلی مضمون کے ذریعے تو مابین امتیاز ہو نہ سکی، صحیح کام نہ لیا جا سکا۔ تو لابد اس کو بتانے کے لیے عقل سے باہر کوئی معلم ہونا چاہیے۔ اسی معلم عقل کا نام نبی ہے۔ نبی کسے کہتے ہیں۔ معلم عقل کو۔

تجربے سے بھی آپ کو معلوم ہو جائے گا ہم نے بہت سی کتابوں کو دیکھا۔ ان

سے ہمارے دماغ میں مضمون آیا۔ اس کو ہم نے کتاب میں درج کر دیا۔ آپ اس کتاب کو دیکھیں۔ اس سے آپ کے دماغ میں ایک مضمون آجائے گا۔ آپ اپنا مضمون دوسرے رسالے میں درج کر دیں یہی ہو رہا ہے۔ کتاب سے مضمون دماغ میں آرہا ہے، دماغ سے کتاب میں جارہا ہے۔ برابر یہی ہو رہا ہے۔ یہ کتاب، یہ دماغ۔ یہ دماغ، یہ کتاب۔ برابر یہ سلسلہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ آپ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ ہر دماغ دو کتابوں کے بیچ میں آگیا۔ ایک کتاب سے تو ایک مضمون لیا اور دوسری کتاب کو دیا، اور ہر کتاب دو دماغوں کے بیچ میں آگئی۔ جیسے میں نے آپ کو کتاب دی۔ ایک تو میرے دماغ کے بعد آئی اور ایک آپ کا دماغ دو کے بیچ میں آگیا۔ تو ہر کتاب دو دماغوں کے بیچ میں اور ہر دماغ دو کتابوں کے بیچ میں، اور بیچ کا تصور ہو نہیں سکتا، جب تک پہل کا تصور نہ ہو۔ بیچ جو ہے۔ وسط نہیں معلوم ہو سکتا جب تک کہ ابتداء نہ ہو، وہ بیچ کیسے کہلائے گا۔ بیچ تو اول کے اعتبار سے ہے۔ اگر اول نہیں تو بیچ کچھ بھی نہیں۔ تو لابد اول ہونا چاہیئے۔ پہلی کتاب ہونا چاہیئے، پہلا دماغ ہونا چاہیے۔ پہلی کتاب کتاب اللہ، پہلا دماغ رسول اللہ ہے۔ یہ وہ دماغ ہے کہ جس نے کسی انسانی کتابت سے مضمون نہیں لیا، اور یہ وہ کتاب ہے جو کسی انسانی دماغ کا نتیجہ نہیں۔

آپ غور کیجئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جتنی چیزیں بنائی ہیں انسانوں کی ضرورت کے اعتبار سے بنائی ہیں۔ جس شے کی انسان کو زیادہ ضرورت ہے اس کا وجود زیادہ بنایا ہے جس شے کی ضرورت کم ہے اس کا وجود کم بنایا ہے۔ جیسے غلہ کی ضرورت زیادہ ہے، اسے زیادہ بنا دیا۔ پھلوں کی ضرورت کم ہے اس لیے کم بنا دیا۔ تانبے پیتل کی ضرورت زیادہ ہے اسے زیادہ بنا دیا۔ چاندی سونے کی ضرورت کم ہے اسے کم بنا دیا۔ نمک کی ضرورت زیادہ ہے، لال مرچ اور دیگر مصالحوں سے اسے زیادہ بنا دیا۔ پانی کی ضرورت کھانے سے زیادہ تھی، پانی کے دریا کے دریا بہا دیے، کنویں بنا دیے۔ ہوا کی ضرورت اس سے بھی زیادہ تھی اس کو زیادہ مہیا کر دیا۔ اس استقرار سے، اس تجسس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جتنی ضرورت زیادہ ہوگی، اس شے کا وجود اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ اب یہ جو

نعمتیں ہیں، محاسن ہیں، جو جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ضرورت کی نعمتیں مہیا کی ہیں، اگر یہ آپ کو حاصل نہ ہوں کیونکہ یہ انسانی قدرت میں شامل نہیں ہیں۔ انسان کی قدرت میں اگر شامل ہوتے تو نعمتیں اپنے لیے ہر شخص حاصل کر لیتا۔ ایک پچاس روپے مہینہ پا رہا ہے، ایک پانچ سو روپے مہینہ پا رہا ہے۔ اگر پچاس روپے والے کی قدرت میں وہ ہزار روپے ہوتے تو وہ مہیا کر لیتا یا نہیں کر لیتا۔ ہر شخص ان نعمتوں تک پہنچنے پر قادر نہیں ہے، زیادہ نعمتیں اس تک پہنچنے کے لیے گویا تیار نہیں، قدرت سے باہر ہے۔ تو جو شے قدرت سے باہر ہو، اور پہنچنا ضروری ہے اس نعمت تک، خواہ وہ نعمت ہم تک پہنچے یا ہم اس نعمت تک پہنچیں۔ یہ ضروری ہو گیا نا۔ زیادہ ضرورت ہوئی نا اس کی۔ جتنی بھی چیزیں ہیں، بہت زیادہ پانی کی ضرورت ہے نا، پیدا تو کر دیئے دریا کے دریا لیکن پیاس کے وقت ایک گلاس ہی مل جائے تو غنیمت ہے۔ تو زیادہ ضرورت اس امر کی ہوئی کہ وقتِ ضرورت مل جائے تو اس نعمت تک پہنچنا زیادہ ضروری ہو گیا۔ اس کی ضرورت سب سے زیادہ ہو گئی۔ تو نعمت تک پہنچنا سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہوا، یا نعمت کا اس تک پہنچنا سب سے زیادہ ضروری چیز ہوا۔ بحکم استقرار آپ سمجھ چکے ہیں کہ جس شے کی ضرورت سب سے زیادہ ضروری چیز سب سے زیادہ ہونا چاہیے۔ تو سب سے زیادہ ضرورت اس شے کی ہے جو نعمت تک پہنچے۔ اور نعمت تک پہنچنا یا نعمت کو منعم تک پہنچانا، اسی کے معنی یہی ہیں کہ نعمت پہنچ جائے منعم تک۔ تو سب سے زیادہ ضرورت اس چیز کی تھی تو سب سے زیادہ اس کو ہونا چاہیے۔ تو رحمت کا وجود سارے عالم سے زیادہ ہونا چاہیے کہ سب سے زیادہ اس کی ضرورت ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۷) ہم نے تمہیں تمام عالم کے لیے، عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیج دیا۔ اس نے کہہ دیا تو وہ سب سے زیادہ اہم چیز اور سب سے زیادہ بڑی چیز ہو گیا۔ رحمت للعالمین ہو گیا۔ اس کی کیا تعریف کی جا سکتی ہے، کیا کہا جا سکتا ہے۔

مسلمان قوم کا زوال کسی وجہ سے نہیں ہوا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے۔ صرف اس کو اپنے نبی ﷺ سے علاقہ کمزور ہو گیا ہے۔ بے تعلقی سی ہو گئی ہے اور اس کے کئی سبب

بنے۔ تباہی کا سبب صرف یہی ہے اور کوئی سبب نہیں ہے۔ کسی وقت بھی مسلمان کے پاس اتنا روپیہ نہیں تھا۔ جتنا اس دور میں ہے۔ کسی مدرسہ میں جتنا روپیہ اب تقسیم ہو رہا ہے کبھی کسی دور میں بھی نہیں ہوا۔ اس کی آپ تحقیق کر لیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب نبی ﷺ سے کوئی علاقہ مسلمان کو باقی نہیں رہا یا بہت کم ہو گیا۔ علاقہ کی مثال کے لیے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ ایک یہودی نے یہ کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو مصطفےٰ بنا کر بھیجا۔ ایک صحابی تھے۔ انہوں نے اس کو تھپڑ مار دیا کہ کیا محمد ﷺ پر بھی اصطفیٰ کیا ہے۔ انہیں یہ بات ناگوار ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام کی ذات کو اس نے مقصود کیا۔ اس نے استغاثہ کیا کہ میں ذمی ہوں۔ اس نے میرے ساتھ یہ ظلم کیا تو مسلمان اس کی بات برداشت نہ کر سکا۔ حالانکہ وہ واقعہ اپنی جگہ صحیح تھا لیکن مسلمان اس کے لیے تیار نہیں تھا کہ اپنے نبی کے مقابلے پر کسی نبی کو مصطفےٰ سمجھے۔ اب اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے۔ میں آپ کے سامنے ایک یا دو باتیں اور بیان کر دیتا ہوں۔ مجھ میں اتنی استقامت نہیں۔ مریض ہوں۔ تھوڑا تھوڑا جو مجھ سے ہو سکتا ہے بیان کر دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ بے شک ہم نے تجھ کو دیا عطا کیا۔ عطیہ ہے۔ عطینا میں تو ہو سکتا ہے کہ کچھ دیتا ہو۔ اس کے لیے عطینا کا لفظ آ سکتا ہے یہ اعطیٰ کا لفظ ہے یہ محض عطیہ کے طور پر تجھ کو کوثر دے دیا، عطا کوثر۔ کوثر کا عطیہ دیا۔ کوثر کے کیا معنیٰ؟ کوثر کی تفسیریں متعدد ہیں۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے اور ایک حوض ہے۔ بعضوں نے کہا کہ حوض ہے۔ بعضوں نے کہا کہ نہر ہے۔ دونوں معنی بیان کیے ہیں۔ عام طور پر مشہور ہے حوضِ کوثر، نہرِ کوثر مفسرین کی یہ رائے ہے کوثر سے مراد یا نہر ہے یا وہ حوض ہے۔

اس جگہ پر یہ محل احسان، ایثار، عطیہ اور امتنان کا ہے۔ اس موقع پر حوضِ کوثر کا دینا زیادہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لیے کہ نہرِ کوثر یا حوضِ کوثر بہرحال جنت کا ایک ٹکڑا ہے، ایک جز ہے۔ جیسے مسجد کا ایک ٹکڑا ہے کنواں، مسجد میں کنواں ہوتا ہے نا، وہ تمام مسجد کے

رقبہ سے بہت چھوٹا ہوتا ہے مسجد میں حوض ہوتا ہے۔ جامع مسجد دہلی کا حوض دیکھا ہے آپ نے۔ جامع مسجد سے کتنا چھوٹا ہے وہ۔ اسی طرح جنت میں جو نہر ہے وہ جنت سے چھوٹی ہے۔ اگر وہ حوض ہے تو وہ بھی جنت سے چھوٹا ہے، اور ایک جنت دو جنتوں سے چھوٹی ہے، کیونکہ ایک تو آدھا ہے دو کا۔ دو سے ایک چھوٹا اور ایک سے حوضِ کوثر چھوٹا۔ تو دو سے حوضِ کوثر اور نہر کوثر بہت چھوٹی ہوگئی۔ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا۔ اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ خائفِ رب کے لیے تو دو جنتیں اور افضل الانبیاء کے لیے۔ جنت کا ننھا سا ٹکڑا؟ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ یہ بھی دل کو نہیں لگتا کہ وہ قرآن ہو، کیونکہ جس طرح قرآن منجانب اللہ ہے اسی طرح توریت بھی منجانب اللہ ہے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن دیا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی۔ ان کی بھی یہی پوزیشن ہے۔ بس ایک فرق ہے ذرا سا۔ باقی سب میں برابر ہیں۔ ان کی عبادت معجزہ ہے اُن کی عبادت معجزہ نہیں تھی۔ ان کو بین معجزے دیے گئے تھے۔ آسمانی کتاب ہونے میں ضرور برابر ہیں، یہ توریت بھی، انجیل بھی، صحیفۂ ابراہیم بھی، وغیرہ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ کوثر سے مراد اولاد ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (الرعد:۳۸) (اور ہم نے یقیناً آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں اور بچے بھی دیئے) سوائے عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحیٰ علیہ السلام کے تمام انبیاء کی بیویاں بھی تھیں اور اولاد بھی تھی۔ یہ بھی کوئی نرالا عطیہ نہیں ہے۔ بہر حال علماء نے یہ فرمایا کہ اس سے مراد متبعین ہیں۔ ٹھیک ہے۔ سب سے زیادہ ہیں یہاں۔ لیکن ان کے ہاں بھی ہیں۔ قلت سہی لیکن نوعیت مشترک ہے۔ علماء ہیں۔ ان کے ہاں بھی ہم نے امام پیدا کیے، ہمارے احکام کی ہدایت کیا کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہاں۔ یہاں بھی علماء ہیں۔ حضور کی امت میں اس میں کوئی شک نہیں کہ زیادہ ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کمی بیشی ضرور ہے۔ نوعیت ایک ہے۔ بہر حال پندرہ تفسیریں کی ہیں جو مجھے یاد آتی جارہی ہیں۔ میں آپ کے سامنے بیان کرتا جارہا ہوں۔ جو چیزیں تفسیر میں بیان کی گئی ہیں وہ سب مشترک ہیں محمد رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء میں خواہ وہ اشتراک کلی

ہو یا جزوی، مشترک ضرور ہے اور مشترک عمل اس قابل نہیں ہے کہ اس کو امرِ مختص بنایا جائے اور اس کو خصوصیت دی جائے۔

بعضوں نے کوثر سے اسلام مراد لیا، تو جیسے اسلام ویسے عیسائیت، اور ہر زمانے کے نبی کا جو مذہب ہے، جو اس مذہب کی حیثیت ہے وہی اس کی ہے۔ اسلام کی خصوصیت نہیں ہے۔ سب مذاہب منجانب اللہ ہے اور حق ہیں۔ تمام انبیاء کے معجزات وہاں بھی ہیں یہاں بھی ہیں بلکہ بین معجزے وہاں زیادہ ہیں، یہاں کم ہیں۔ معجزات جو انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے تھے قدیم انبیاء کو، اس نوعیت کے معجزے یہاں نہیں ہیں۔ ان کے تو بین تھے، اتنا بین معجزہ یہاں نہیں ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بین نہیں ہے۔ میرے ہاتھ ایک کتاب لگی۔ جہانگیر کے شاہی کتب خانہ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اس میں ایک عیسائی کا اور ملا کا مناظرہ تھا۔ قلمی نسخہ تھا۔ وہ میں نے حکیم اجمل خاں کو دے دی۔ وہ کتاب نواب فیض احمد خاں کے ہاں پڑھی جاتی تھی۔ اس میں بہت بحثیں تھیں۔ عیسائی اور مسلمان کی بحث ہو رہی تھی۔ دونوں بحث کر رہے تھے اس نے یہ جواب دیا کہ ہمارے نبی کے معجزات بڑے بین ہیں۔ احیائے موتی، مردے کو زندہ کرنا، کوڑھی کو تندرست کرنا، ایسے ہی معجزے بہت سے ہیں ان کے۔ ہمارے نبی کے ہاں ایسے معجزے نہیں ہیں۔ ہمارے علماء نے ان معجزات کی کثرت کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی جو صورت ہے یہ تین آیتوں کی ہے اور اس کے ساتھ چیلنج ہوا ہے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ ہر سورت بھی اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ چیلنج ہو۔ اس کی مثل نہیں لا سکتے۔ اس کی آیتوں کی مثل نہیں لا سکتے۔ گویا تین آیتوں کی مثل نہیں لا سکتے اور قرآن شریف میں تقریباً چھ ہزار آیتیں ہیں۔ چھ ہزار آیتوں کی ایسی تین تین آیتوں کے اگر ٹکڑے کر دیئے جائیں تو دو ہزار بن گئے۔ ہر آیت کے ساتھ معجزہ ہے تو ہمارے نبی کے دو ہزار معجزات ہیں۔ اس قسم کے جوابات اس لیے دیئے۔ بہت اہل علم لوگ جمع تھے، آج سے پچاس سال پہلے بڑے ذی علم لوگ جمع تھے۔ یہ واقعہ تقریباً چالیس پینتالیس برس کا ہے۔ یہ ذکر ہو رہا تھا، چلتا آ رہا تھا، میں نے بہت بڑے اماموں کی کتابوں میں بھی یہ مضمون دیکھا، جو میں آپ کے

سامنے بیان کر رہا ہوں۔ یہ تو بات جو ہے صحیح نہیں ہے۔ غیر صحیح دلیل سے ثابت کرنا، ثابت نہ کرنا اس سے بہتر ہے۔ یعنی غلط قدم اٹھانے سے نہ اٹھانا بہتر ہے قدماء علماء یہ بیان کرتے چلے آرہے ہیں ہزار ہزار برس کے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔

ایک تو یہ بات ہے اس کے اندر کہ وہ نوعیت ایک ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے عصا کا معجزہ دس دفعہ ہو تو اسے ایک ہی معجزہ سمجھا جائے گا۔ معجزۂ عصا حالانکہ کئی دفعہ ہوا۔ ان سے تو وہ کئی آیتوں سے شمار نہیں ہوا۔ ایک ہی آیت ہے وہ، وہ نوعیت ایک ہی ہے معجزہ ایک ہی رہے گا اس کے علاوہ پھر وہی دقت ہوئی۔ پھر اس کا حل کیا ہے۔ آپ سمجھے اسے۔ وہ غلط فہمی ہوئی ہے۔ معجزے کی جو کثرت ہے وہ فضیلت نبی کی نہیں ہے۔ یہ نئی بات ہے۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ معجزہ تائید کے لئے آیا کرتا ہے اور تصدیق کے لیے۔ یہ تصدیق ہو جائے کہ یہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کے پاس آئے اور آکر یہ کہے کہ وزیر کا، سفیر کا یا صدر کا یہ حکم ہے اور ہو وہ معمولی آدمی، تو آپ کو اس بات کی تصدیق نہیں ہونے کی۔ آپ اس سے پوچھیں گے کہ کوئی سند، کوئی نشانی لاؤ، تو وہ مونو گرام لگا ہوا چھپا ہوا کاغذ دکھا دے گا تو آپ کو اطمینان ہو جائے گا۔ وہی بات اگر یہاں کوئی انتہائی معزز سفیر بیٹھا ہو وہ کہہ دے تو اس سے آپ کچھ نہیں پوچھنے کے، یقین کر لیں گے تو جتنا کمزور سفیر ہوگا اتنی ہی قوی سند اس کو لانا پڑے گی۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے تو نسب میں شک ہو رہا تھا اس لیے نہایت قوی سند دینا پڑی ان کو۔ اور ہر وقت ان کی تائید کے لیے اپنا آدمی مقرر کر دیا۔ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ طلازم کو ساتھ رکھا کہ اس کے ساتھ رہو، کمزور بچہ ہے اور آپ ﷺ کے لیے حکم ہوا کہ یہ پہاڑ ہیں سونے کے کر دیئے جائیں، ارشاد ہوا کچھ نہیں، میں ان سے سلٹ لوں گا۔ میں آؤں تمہاری مدد کو؟ کہا، نہیں نہیں۔ جوان بیٹا جاتا ہے، اس کے لیے امداد کی ضرورت نہیں ہے۔ چھوٹا بچہ جاتا ہے اس کے لیے نوکر ساتھ بھیجنا پڑتا ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ اتنے قوی تھے نبوت میں۔ ان کو اتنی قوی تائید کی ضرورت نہ تھی۔ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرۃ:۱۴۶) وہ اتنے نمایاں تھے کہ جس طرح اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں، بیٹوں کو، اس طرح نبوت کے آثار نمایاں

تھے۔ اسی لیے تو وہ کہتے تھے فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ (الانبیاء: ۵) ایسا معجزہ لاؤ تا جیسے اگلے لائے تھے۔ مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ (الانبیاء: ۶) جو پہلے نبی بڑے بڑے معجزے لائے تھے، کیا وہ (لوگ) ایمان لے آئے تھے، جو تم لے آؤ گے ایسے معجزے دیکھ کر۔ وہ پالیسی بھی فیل ہوگئی یہاں فیل کرنا نہیں۔ ان کو برباد کرنا تھا۔ انکار کرتے ہی وہ برباد ہوگئے۔ یہاں انہیں برباد کرنا نہیں۔ اس لیے بین معجزہ لانا نہیں۔ دیکھتے ہی صورت سے معلوم ہوگیا۔ وہ ایمان لے آئے (ہم دوسری بحث میں چلے گئے۔ آیت کی تفسیر کردیں اور مضمون ختم کردیں)۔

بہرحال یہ تفسیریں میرے نزدیک یہاں چسپاں نہیں ہے۔ فی نفسہ اپنی جگہ پر ٹھیک ہوں۔ لیکن یہاں محل احسان ہے اور امتنان ہے۔ اس لیے یہاں یہ مناسب نہیں ہیں حقیقی تفسیر اس کی یہ ہے۔ میں آپ کے سامنے بیان کررہا ہوں۔ یہ کوثر کا جو لفظ ہے یہ کثر سے مشتق ہے۔ جیسے جوہر کا لفظ جہر سے مشتق ہے۔ جہر کے معنی ظہور، جوہر اس کو کہتے ہیں جس میں زیادہ ظہور ہو۔ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ غایت درجہ ظہور ہو۔ جوہر کو جوہر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بہت ظہور رہتا ہے۔ چمک بہت ہوتی ہے۔ مبالغہ کا صیغہ ہے اسی طرح کوثر جو ہے بروزن فوعل ہے۔ یہ مبالغہ کے لیے آیا کرتا ہے۔ غایت درجہ کی کثرت اور کثرت کی غایت جو ہوا کرتی ہے وہ اس شے سے جس کی وہ غایت ہے خارج ہوا کرتی ہے خارج نہ ہو تو داخل ہو کر جز بن جائے گی۔ داخل کے معنی جز کے۔ کثرت کی غایت جو ہے وہ کثرت سے خارج ہے۔ خارج کثرت صرف وحدت ہے، اور کوئی شے نہیں، اور وحدت کا حقیقی مصداق ہے وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ جو شے بھی خدا نبی ﷺ کو دے گا وہ نبی سے گھٹیا ہے، اور گھٹیا دے کر احسان نہیں جتا سکتا۔ لوح و قلم، عرش و کرسی، ملائکہ حور و قصور، کیا دے گا۔ وہ سب چیزیں ان سے گھٹیا ہیں۔ گھٹیا چیز دے کر کیا احسان جتا رہا ہے۔ وہ چیز نبی کو دینی چاہیے جو عمدہ سے عمدہ ہو۔ وہ صرف اس کی اپنی ذات ہے۔ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ کا مطلب ہے میں تیرا ہوگیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ میں تیرا ہوگیا تو اب تجھے کیا کرنا چاہیے؟

پہلے آپ صلوٰۃ کی حقیقت سمجھ لیں۔ نماز تمام عبادات کو شامل ہے سوائے مالی عبادت کے۔ حج اس کے اندر موجود ہے، روزہ اس کے اندر موجود ہے۔ جو حج میں ممنوع وہ اس میں ممنوع۔ اور اس کے علاوہ اور اذکار، درود شریف، تسبیح و تحمید سب کچھ ہے صرف زکوٰۃ مالی عبادت شامل نہیں ہے، باقی کل ہے، جامع عبادات ہے نماز۔ بہت بڑی چیز ہے۔ پوری دنیا سے افضل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان نماز پڑھتا ہے تو دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے۔ کانوں تک جو ہاتھ اٹھانا ہے۔ یہ اظہار بے اعتنائی ہے۔ مثلاً میرا لڑکا نااہل ہے۔ آپ کہیں کہ میں نے فلاں بُری جگہ اسے دیکھا ہے، میں اتنا نالاں ہوں اس لیے دور ہوں، میں نے کہا کہ میں نے تو اس سے ہاتھ اٹھا لیا، کہیں جائے، کہیں رہے، ہاتھ اٹھانے کے معنی ہیں بے پروائی، بے تعلقی۔ دونوں ہاتھ اٹھانے کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اس دنیا سے اور اُس دنیا سے اِس جہان سے اور اُس جہان سے، دنیا اور عقبیٰ دونوں سے ہاتھ اٹھالیا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اب میں ان دونوں سے ہٹ کر بڑے کی طرف متوجہ ہوا۔ دونوں صغیر اور اصغر کو چھوڑ دیا۔ اتنی بڑی عبادت ہے یہ ایک ہی عبادت اس قسم کی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ دنیا کے جتنے عیب اور برائیاں ہیں، ظاہری و باطنی، سب ترک ہوئیں۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ کے معنی یہ ہیں کہ پوری بدنی عبادت اور قلبی و زبانی عبادت گویا پوری ذات کی عبادت آگئی۔ ذکر میں دل سے اس کی یاد میں مشغول ہوگیا۔ ہاتھ یوں بندھے ہوئے، جہت کو بھی نہیں بدل رہا۔ تو پورا کا پورا جھک جا۔ وَانْحَرْ۔ اور قربانی کر۔ قربانی کا جو مصرف ہے کیونکہ وہاں اونٹ بڑی قیمتی چیز تھا، تو جو خرچ تھا سب سے زیادہ قربانی میں ہوا کرتا تھا یعنی تو جان اور مال سے میرا ہو جا۔ میں تیرا ہوگیا اور تو میرا ہو جا۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔ شَانِئَکَ کے معنی معارض، مقابل، مخالف، جو تیرا مخالف ہے وہ ابتر ہے۔ وہ مصنوعی وجود ہے۔ اسے موجودات کی نشستوں میں سے کوئی نشست نہیں ملنے کی۔ وہ دنیا کی موجودات میں گھٹیا سے گھٹیا جو شے وہ ہے جو تیرے خلاف ہوا وہ میرا نہیں ہے۔ میں کوئی نشست اس کو نہیں دوں گا۔ مٹی کے برابر بھی نہیں۔ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا وہ کہے گا کاش مٹی کی نشست مجھے مل جاتی۔ اس نشست سے بھی خارج کر دیا گیا۔ تو

میں تیرا ہو گیا۔ تو میرا ہو جا، جو تیرا نہیں ہے وہ میرا نہیں ہے۔ یہ ہے شانِ نبی ﷺ کی۔ ان کی کیا تعریف کوئی کر سکتا ہے۔ نبی ﷺ پر بہت درود بھیجا کرو۔ آخرت میں نبی ﷺ ہی تمہارے کام آئے گا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا وَمُرْشِدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

ایک اصولی چیز آپ سمجھیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عالم کو ایجاد کیا، پیدا کیا اور کوئی موجود ایسا نہیں ہے جو وحدت سے خالی ہو۔ حقیقی وحدت موجود تھی۔ ازل سے ابد تک تو کسی واحد چیز کو بنانا مقصود نہیں ہونے کا۔ وہ حاصل کی تحصیل ہوگی۔ مصنوعی وحدت کی ضرورت کیا ہے جب حقیقی وحدت موجود ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ وحدت حقیقی ہے اب کسی واحد کو وہ پیدا کرے تو اس کا پیدا کرنا بے معنی ہے اس لیے کہ حقیقی واحد موجود ہے نقلی اور مصنوعی واحد کے کرنے کا فائدہ کیا۔ اس لیے مقصودِ کائنات واحدات نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو مفرد چیزیں بنائی ہیں وہ مقصود نہیں ہیں۔ یہاں بھی صناعوں کے ہاں دیکھئے۔ کاریگر جو بڑے ہیں ان کے ہاں بھی جو مفردات ہوا کرتے ہیں وہ مقصود نہیں ہوا کرتے بلکہ ان سے مرکب مقصود ہوا کرتے ہیں۔ معمار ہیں۔ اینٹ، پتھر، روڑا مفرد شکل میں، ہر وقت میں ہر جگہ موجود ہوا کرتے ہیں۔ وہ مقصود نہیں ہوا کرتے۔ ان کو جو مہیا کیا جاتا ہے ان سے کوئی مرکب بنایا جاتا ہے مثلاً عمارت بنائی جاتی ہے۔ دواؤں میں جو مفردات ہوتے ہیں وہ مقصود نہیں ہوتے بلکہ ان کے مرکبات معجون، مقصود ہوتے ہیں۔ موٹر ہے اس کے چھوٹے چھوٹے پرزے اسی لیے مہیا کیے جائیں گے کہ آخر میں موٹر بنانا ہے۔ کونا صنعت سے مقصد ترکیب ہے، مرکب ہے، مفردات جو ہوا کرتے ہیں وہ مقصود بالغرض ہوتے ہیں مرکبات کے لیے۔ ان کو پیدا کیا جاتا ہے یا مہیا کیا جاتا ہے مرکب کے لیے۔ خود وہ مقصود نہیں ہوا کرتے۔ ہر چیز میں آپ دیکھ لیں گے۔ سالن ہے، اس کے جو مفردات ہیں، گوشت، گھی، وغیرہ وہ درحقیقت ذریعہ ہیں سالن کے۔ وہ مقصود نہیں ہیں اگر وہ مقصود ہوتے تو پکانے کی مشقت نہ کی جاتی۔

خلاقِ عالم نے سب سے پہلے ملائکہ کو پیدا کیا۔ وہ مفرد تھے۔ وہ مرکب نہیں

تھے جس طرح اور انسان وغیرہ۔ اگر ملائکہ مقصود ہوتے تو صنعت کا کام وہیں ختم ہو جاتا۔ معمار کا مقصد مکان بنانا ہے۔ جب بلڈنگ بن گئی تب اجزاء کی ضرورت نہیں رہتی۔ کسی شے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اگر مقصد تخلیق ملائکہ ہوتے تو جونہی ملائکہ کو پیدا کیا تھا، اس کا کام ختم ہو جاتا اور تخلیقِ عالم وہیں بند ہو جاتی۔ لیکن تخلیق جاری رہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کا پیدا کرنا مقصود نہیں تھا۔ سمجھو۔ بڑی بات ہے۔ غور کرو۔ افلاک اور ملائکہ اور جتنے بھی مفردات ہیں یہ مقصود نہیں ہیں۔ کل کائنات میں سے کوئی مفرد مقصودِ صنعت نہیں ہے۔ صانع کا مقصد یہ مفردات نہیں ہیں بلکہ مرکبات ہیں۔ اب عناصرِ اربعہ، یہ بھی مفرد ہیں۔ یہ بھی مقصود نہیں ہیں بلکہ ان سے جو مرکب ہیں، جمادات، گو مفردات کے مقابلے میں ضرور یہ مقصود ہیں۔ لیکن یہ اجزاء میں کسی اور مرکب کے، یعنی نباتات کے۔ آگے چل کر یہ بھی مقصود نہ رہے۔ کیونکہ درحقیقت نباتات اجزاء ہیں حیوانات کے، مگر آگے یہ بھی مقصود نہ رہے۔ حیوانات، نباتات کے مقابل میں بے شک مقصود ہیں، لیکن درحقیقت یہ بھی اجزاء ہیں انسان کے۔ یہ انسان میں خرچ ہو رہے ہیں۔ تو جو شے دوسروں میں خرچ ہو رہی ہے وہ شے مقصود نہیں بلکہ وہ شے مقصود ہے کہ جس میں وہ شے صرف ہو رہی ہے۔ اس اصول کو سمجھ گئے؟ جو شے کسی دوسرے شے میں صرف ہو رہی ہے وہ شے مقصود نہیں ہے بلکہ جس میں خرچ ہو رہی ہے وہ ہے مقصود۔ تو اشیاء برابر صرف ہوتے ہوتے انسان آگیا۔ انسان کسی چیز میں خرچ نہیں ہو رہا کسی میں کام نہیں آ رہا۔ کل اشیاء اسی میں صرف ہو رہی ہیں۔ یہ تجربہ آپ کو عقل سے ہو رہا ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کائنات سماوی اور کائنات ارضی سب تمہارے واسطے مسخر ہیں۔ وَخَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اور تمہارے لیے یہ تمام روئے زمین کی چیزوں کو پیدا کر دیا۔ کل اشیاء تمہارے لیے ہیں تم ان میں سے کسی شے کے لیے نہیں ہو۔ اس کائنات کی سب چیزیں تمہارے لیے ہیں، تم کسی شے کے لیے نہیں ہو۔ اس کائنات سے باہر کسی اور کے لیے ہو۔ تم خالقِ کائنات کے لیے ہو۔ کل اشیاء انسان کے لیے بنیں۔ انسان خالقِ انسان کے لیے بنا۔ جتنے بھی انواع موجودات ہیں وہ کل کی کل نوعِ انسان میں خرچ ہو رہی ہیں بالواسطہ یا

بلاواسطہ۔سوسو واسطے سے۔وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ کچھ ایسے وسائل ہیں جن کو تم نہیں جانتے۔ ایسے ذرائع بھی ہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ انسان کے کس کام آئے گی۔لیکن یہ ہے کہ ضرور کسی نہ کسی توسل سے جا کر کام آئے،کل مخلوقات انسان کے کام کے لیے بنی ہیں۔ انسان کسی کے کام کے نہیں بنا۔اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ سوائے اپنے رب یعنی خالق کے کام کے لیے۔

تو اب اس کائنات میں غور کریں۔افضل کون سی چیز ہوئی؟انسان،نوعِ انسانی تمام انواعِ موجودات سے انسان افضل ہوگیا۔کل مخلوقات میں ہر مخلوق سے،کل انواع میں ہر نوع سے افضل ہوگیا۔ملائکہ سے بھی افضل ہوگیا۔گویا مقصودِ کائنات انسان ہے۔ آپ انسان کی تین قسمیں ہیں۔ایک انسان کافر ہے،ایک انسان مومن ہے،ایک انسان نبی ہے۔تینوں قسم کے انسان ہیں۔جبکہ نوعِ انسانی تمام کائنات سے افضل ہوگئی۔ان میں ایک فرد یعنی کافر موجود ہے۔کافر کے کیا معنی؟کہ وہ انسان کہ جس کام کے لیے بنایا گیا تھا اس کام میں وہ صرف نہیں ہوا۔وہ اپنے خالق کے لیے بنایا گیا تھا،اختتام میں خالق پر نثار نہیں ہوا۔خالق کے کام میں وہ نہیں آیا۔اس کا بننا نہ بننے کے برابر رہ گیا۔وہ بگڑ گیا جیسے کہ سالن کی دیگ سڑ جائے پھینکی جاتی ہے۔کھانے کے کام نہیں آئے گی۔حالانکہ ننھا سا جز گھٹیا سا جز جو نمک ہے وہ رکھ لیا جائے گا دیگ پھینک دی جائے گی۔اس میں اگر چھاپڑ جائے یا سڑ جائے تو پوری قورمہ یا پوری بریانی کی دیگ بے کار ہوگئی۔پھینک دی جائے گی۔اور ننھا سا جز جو مٹی ہے یعنی نمک جو بچ گیا ہے وہ رکھ لیا جائے گا کہ وہ کام کا ہے۔اسی طرح کافر کہے گا یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا کہ کاش میں گھٹیا سا گھٹیا جز یعنی مٹی ہوتا۔ میں گھٹیا جز بننے کے قابل بھی نہیں ہوں۔سیب کتنی عمدہ چیز ہے۔ذرا بگڑ جائے،سڑ جائے تو سارا پھینک دیا جائے گا،لیکن دوسرا کچا سا بھی ہے وہ رکھ لیا جائے گا۔کافر کے معنی یہ ہیں کہ وہ قطعی بہترین موجودات میں سے تھا۔لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ بہترین قوام میں سے ہم نے بنایا انسان کو اس کا قوام بہت اچھا تھا،چونکہ وہ سڑ گیا اس لیے وہ بیکار ہوگیا۔اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ وہ ہر جز سے گھٹ گیا۔تمام کائنات

سے بدتر ہوگیا۔ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ وہ بدترین خلائق ہوگیا۔ جس طرح وہ دیگ بدترین خلائق ہوگئی۔ اپنے سب جزوں سے گھٹ گئی۔ اسی طرح وہ انسان جو اپنے رب کے کام میں نہیں آیا، تمام کائنات کی ہر گھٹیا سے گھٹیا نوع سے بھی بدتر ہوگیا، سڑ گیا۔ جس کام میں اس کو آنا تھا اس کام میں وہ نہیں آسکا، یعنی کافر خارج ہوگیا۔

اب دوگروہ رہ گئے، ایک مؤمن، دوسرا نبی۔ مؤمن کا خود کوئی مستقل وجود نہیں ہے مستقل وجود ایمان کا نہیں ہے۔ اس کی روشنی ایسی ہے جیسے کہ ظِل یا سایہ، روشنی کا سایہ تابع ہے اس (سورج) کی روشنی کا۔ اگر وہ روشنی نہ ہو تو یہ نہ ہو۔ ایمان جو ہے مؤمن کا، یہ درحقیقت نبوت کے تابع ہے۔ اگر نبوت نہ ہو، ایمان نہ ہو۔ تو مؤمن مستقل شے نہیں ہے۔ پس مستقل انسان جو ہوا وہ نبی ہے۔ نبی تمام موجودات سے افضل ہوگیا۔ انبیاء علیہم السلام تمام کائنات سے افضل ہیں۔

اب اس نے نبوت بنائی، نبوت کسے کہتے ہیں؟ خطابِ ربانی کو، یاد رکھو اللہ تعالیٰ جس بشر سے خطاب کرے۔ بس اس خطاب ہی کا نام نبوت ہے، اور وہ بشر جو ہے وہ نبی ہے۔ اس نے کہا کہ (البقرہ: ۳۵) اے آدم رہو سہو جنت میں۔ اب نبی بنایا اس نے۔ نبوتِ آدم متحقق ہوئی۔ متحقق ہونے کے بعد اس کو ختم کردیا۔ ختم ہوگئے وہ۔ ختم ہونے کے بعد اس نے دوسری نبوت بنائی۔ اس سے پتہ چل گیا کہ وہ نبوت مقصود نہیں تھی۔ اگر وہ مقصود ہوتی تو آگے کاریگری جاری نہیں رہتی۔ اگر نبوتِ آدم مقصود ہوتی جو متحقق کی تھی، تو دیگر نبوتوں کی ایجاد کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن اسے ختم کردیا۔ ختم کر کے کہا یٰنُوْحُ اهْبِطْ اے نوح علیہ السلام اتر۔ اب نوح علیہ السلام نبی ہوگئے اگر نوح علیہ السلام کی نبوت مقصود ہوتی یہی رہتی، آگے کوئی اور نہ بنتی۔ پھر کہا یٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اے ابراہیم علیہ السلام! جانے بھی دے۔ ابراہیم علیہ السلام کی نبوت ہوئی۔ اسے بھی ختم کیا۔ پھر کہا یا یَعْقُوْبُ یا یُوْسُفُ یا فلاں فلاں پھر کہا یٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اے موسیٰ میں میں ہی ہوں۔ اگر ان کی نبوت مقصود ہوتی تو آگے نبی نہ بنتا۔ پھر کہا یا یَحْيٰى یا زَكَرِيَّا یا دَاوٗدَ یا عِيْسٰى سب نبوتوں کو بناتا رہا اور ختم کرتا چلا گیا۔ تو معلوم ہوگیا کہ ان نبوتوں میں سے کوئی سی بھی نبوت

مقصدِ تخلیق نہیں ہے۔ گویا مقصدِ کائنات نہیں ہے کیونکہ اگر مقصد حاصل ہو جائے تو اس کے بعد کام ختم ہو جانا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا یٰعیسیٰ وہ بھی ختم ہوئے۔ پھر آگے سب کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو بتایا اور کہا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (الاحزاب:۴۰) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں پر مہر ہیں (سب کے ختم پر ہیں) اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ نبوت کا کام ختم ہو گیا۔ نبوت ختم ہو چکی۔ اب ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہی نبی مقصود ہے، یہی مقصودِ کائنات ہے۔ اسی کا پیدا کرنا تھا، تمام عالم کو اسی کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہی نبی مقصود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نبی کو نام لے کر نہیں پکارا۔ سب کا قرآن میں نام آیا۔ یا آدم، یا نوح۔ یا ابراہیم۔ یا داؤد۔ یا موسیٰ۔ یا عیسیٰ۔ ان کو کہا یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ اتنا معزز نبی ہے۔ یہی مقصودِ کائنات ہے۔ یہی تخلیقِ عالم کا مقصد ہے۔ اسی نبوت پر ختم ہوا اور اسی مضمون پر ہم نے اپنے بیان کو ختم کر دیا اب سب لوگ اپنے نبی پر درود و سلام بھیجو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

نعت در زمینِ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے چند اشعار

قدرت نے آج اپنے جلوے دکھا دیئے ہیں ۔۔۔ آمد پہ مصطفیٰ کی پردے اُٹھا دیئے ہیں

یہ کون آ رہا ہے یہ آج کون آیا ۔۔۔ سوئے ہوئے مقدر کس نے جگا دیئے ہیں

صدقے میں آپ کی اُس حاجت روا نظر پر ۔۔۔ جس نے گدا ہزاروں سُلطاں بنا دیے ہیں

بڑھتی ہی جا رہی ہیں تابانیاں حرم کی ۔۔۔ بجھتے نہیں کسی سے طیبہ کیا "دیئے" ہیں

وہ جانیں اے نصیر اب یا جانے اُن کا خالق ۔۔۔ ہم نے تو دل کے ٹکڑے اُن کو سنا دیئے ہیں

(حضرت سیّد شاہ نصیر الدین نصیر گیلانی)

بہ خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

دشمنانِ رسول ﷺ کا عبرتناک انجام

محمد ستار حسین

رسول اللہ ﷺ کو دشمنانِ اسلام نے جس قدر تکلیفیں پہنچائی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی دردناک تکلیفوں پر جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا ہے دنیا میں اس کی نظیر ملنی محال ہے۔ دشمنانِ اسلام کے مظالم کی تفصیلات جاں گدازا اور روح فرسا ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب ان لوگوں کے مظالم سے گھبرا کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے تھے کہ یارسول اللہ ﷺ ان غارت گرانِ ملت کے خلاف بددُعا فرمایئے ان کے جور و ستم ناقابل برداشت ہو گئے۔ تو حضور ﷺ ارشاد فرماتے۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون — اے اللہ! میری قوم کو ہدایت کر وہ مجھے نہیں پہچانتی۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی اس شانِ رحمت کو باندازِ کرم پسند فرماتا ہے اور ظالموں کو مہلت غور و فکر مرحمت کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دشمن آپ ﷺ کو جسمانی ایذائیں پہنچاتے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر استہزا کرتے تھے۔ مذاق اڑاتے، آوازے کستے، نقلیں اتارتے، منہ چڑاتے اور بے حیائی کی باتیں کہتے تھے۔ اگر حضور ﷺ کعبۃ اللہ میں مشغول عبادت ہوتے تو یہ ناپاک دشمن شور و غل مچاتے، چیختے چلاتے، سیٹیاں بجاتے تھے۔ تمام امکانی شرارتیں کرتے تھے اور حضور ﷺ کی توہین و بے عزتی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان ناسازگار ماحول میں متوکل علی اللہ تبلیغ اسلام کے فرائض انجام فرماتے اور دشمنانِ بدسرشت کی شرارتوں کی پاداش کو اپنے منتقم حقیقی پر چھوڑ دیتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ان بدبخت دشمنوں کو کیسی عبرتناک سزائیں دیں اس کا مختصر حال سطور ذیل میں پڑھیے۔

عاص بن وائل

بہت زبان دراز و گستاخ تھا۔ اس نے حضور ﷺ کو بہت ایذائیں پہنچائی تھیں۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ ایک دن گھوڑے پر سوار جارہا تھا۔ ایک غار کے قریب سے گزرا۔ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ یہ سر کے بل گڑھے میں جا پڑا وہاں ایک بچھو نے اس کو کاٹ لیا جس کا ایسا زہر چڑھا کہ جسم پھولتا چلا گیا۔ پھر جسم پھٹنے لگا۔ کوئی علاج کارگر نہ ہوا اور یوں ہی سڑ سڑ کر مر گیا۔

عاص بن عتبہ

یہ گستاخ بھی سخت دشمن رسول ﷺ تھا۔ ایک روز گھوڑے پر سفر کر رہا تھا کہ طائف کی راہ میں ببول کا ایک کانٹا جسم میں چبھ گیا۔ کانٹے میں خدا جانے کس بلا کا زہر تھا کہ اسی زہر کی تکلیف میں سسک سسک کر مرا۔

اسود بن مطلب

یہ دشمن اسلام حضور اکرم ﷺ کی نقلیں کیا کرتا تھا کہ ایک دن درخت کے سایہ میں سو رہا تھا لیکن جب جاگا تو بدحواس تھا، آنکھیں ملتا تھا اور چیختا تھا کہ ہے ہے میری آنکھوں میں کانٹے چبھوئے جارہے ہیں اور اسی تکلیف میں تڑپ تڑپ کر جہنم پہنچا۔

ابی بن خلف وامیہ بن خلف

حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر جو مظالم ان ظالموں نے کیے ان کے تصور سے آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دونوں بدزبان سخت شاتم رسول ﷺ تھے۔ اُبی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ایک جنگ میں قتل ہوا۔ امیہ بن خلف کو غزوہ بدر میں گرفتار کیا گیا اور حبیب رضی اللہ عنہ بن یساق نے تلوار کے وار سے امیہ کو واصل جہنم کیا۔

ابوجہل

یہ شیطان مجسم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کا دشمن تھا۔ جنگ بدر میں انصار

کے دو مبارک بچوں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ و حضرت معوذ رضی اللہ عنہ نے اپنی چھوٹی چھوٹی تلواروں سے وسط لشکر میں پہنچ کر اسے قتل کیا۔ سخت جان تھا، روح آسانی سے نہیں نکلی اور جب مجروحینِ جنگ کا جائزہ لیا گیا تو یہ کافر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قریب پہنچے تو ابوجہل نے ان سے کہا میں اپنی قوم کا سردار ہوں میرے سر کو شانوں سے کاٹنا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے داخلِ جہنم ہوا۔

ابولہب

یہ وہ کندۂ جہنم ہے جس کی خود اور اس کی بدکردار بیوی کی مذمت سورۂ تبت میں قیامت تک دنیا پڑھے گی۔ طاعون میں مبتلا ہو کر داخل جہنم ہوا۔ احباب و اعزا نے اس کی لاش تک سے انتہائی نفرت کی اور کوٹھے پر چڑھ کر اس کی لاش پر اس قدر پتھر برسائے کہ ساری لاش ان پتھروں میں چھپ گئی۔

یہ چند شاتمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عبرتناک انجام کا تذکرہ ہے جس پر دوسرے بدبختوں کے انجام کو قیاس کرنا چاہئے۔ خدا نے ہر اس بدنصیب کو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں ذرا سی بھی گستاخی کی اسی طرح دردناک تکلیفوں اور رسوائیوں کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو اس بدترین گناہ سے محفوظ رکھے۔ آمین

نعتیہ قطعہ (پنجابی)

ہے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم دا اوہ ہک بُویا
حق دی جتھے ہر ویلے ہُو ہا
آپ صلی اللہ علیہ وسلم دا ہر اک لفظ زبانوں
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی

(حضرت سیّد شاہ نصیر الدین نصیر گیلانی)

ولادت و سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خطاب: مبلغ اعظم حضرت علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ (مدفون، جنت البقیع مدینہ منورہ)

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَبَلَّغَنَا رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْحَبِيْبُ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

درود پڑھیے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

Those gentlemen who are sitting outside, I would request them to come inside the mosque and sit down here in my own presence and to fill the hall of the mosque. Those who are standing, I will request them to sit down.

(ترجمہ: یہ کوئی عام محفل نہیں ہے، آپ کو مکمل ادب کے ساتھ بیٹھنا چاہیے، ادب کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور ادب سے بیٹھنا چاہیے۔ وہ تمام حضرات جو باہر کھڑے ہوئے ہیں وہ اندر آ کر بیٹھ جائیں۔)

☆ تخریج وحواشی: ندیم احمد ندیم قادری

It is not an ordinary meeting; you should sit with complete manner, observe manner, and sit with manner. All those who are standing outside, they should come inside and sit down.

جو حضرات باہر بیٹھے ہوئے ہیں کرسیوں پر، میں اُن سے عرض کروں گا کہ وہ یہاں اندر آ کر بیٹھیں اور جو لوگ پیر پھیلا کر بیٹھے ہوئے ہیں، بے ادبانہ طریقے سے بیٹھے ہوئے ہیں، میں اُن سے کہوں گا کہ نہایت ادب کے ساتھ بیٹھیں۔ یہ دربار ہے جنابِ رسولِ اکرم اللہ ﷺ کا۔

Dear Sisters and Brothers, up to this time you have been listening to some Arabic recitations, poetry and prose. What it was and what it meant, how many of you do know that? Simply for the sake of blessings you have been reciting something really and you have been listening to something with an idea that it is in the praise of great Prophet ﷺ.

It is very unfortunate really that we are not in a capacity to understand the Arabic language, so we could not really derive the benefit out of that recitation. Anyhow, I don't consider it the waste of time because as far as the heart is concerned; it was attached to the great Prophet ﷺ and the idea was that you are somehow or the other praising the Prophet ﷺ. If I also now start speaking in English language, there will be a majority of the people really, I should say, who did not receive the right education in English. They picked up English language only for the sake of their business to earn money. Most of them don't know really the techniques of religion, so it will be difficult for them if I speak and go on speaking in English to; no doubt they will graft something if I speak in Hindustani. I know my Malay brothers and sisters who are here to celebrate the Prophet's birthday and pay their tribute to the great

Prophet ﷺ, they also are desirous to understand and listen to something so that they may know something at least about the teachings of the great Prophet ﷺ and about his noble character. So really speaking, it is a dilemma and I find myself in great difficulty. For that very reason really I have divided the time that this night I may be addressing only through the medium of Hindustani language so that my Hindustani knowing people may understand me and as far as the English knowing people men and women are concerned, the time for them is allotted tomorrow afternoon inshaa Allah at the appointed place. If you present yourself, you will listen regarding the great Prophet Muhammad's (ﷺ) noble character there through the medium of English; but now as soon as I entered the mosque, the organizer of the meeting requested me to speak a few words in English also so that those who will not be able to follow me speaking in Hindustani, they may also not be disheartened and they may understand that anyhow in the same way as they have been listening to Arabic they may listen to Hindustani they may or may not understand it with an idea this after all we are doing nothing but praising the Prophet ﷺ, no doubt. As far as the meeting is concerned, it is not an ordinary meeting, ordinary worldly meeting as you have. It is really a very special meeting convening in order to pay our tribute to the great Prophet Muhammad ﷺ, who appeared on the surface of the globe to guide humanity to the right path and anyhow I hope you will observe manners and sit quietly and listen to what I say just now.

(ترجمہ: پیاری بہنو، اور عزیز بھائیو! اب تک آپ عربی تلاوت، شاعری اور نثر سنتے رہے ہیں۔ یہ کیا تھا اور اس کا کیا مطلب تھا آپ میں سے کتنے جانتے ہیں؟ یقیناً محض حصولِ فیوض و برکات کے لیے، آپ اس نیت سے یہ سب سنتے سناتے رہے ہیں کہ

یہ (سب) نبیِ معظم ﷺ کی مدحت سرائی میں (ہو رہا) ہے۔ یہ یقیناً بڑی بدقسمتی ہے کہ ہم عربی زبان سمجھنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اسی لیے ہم واقعی اس تلاوت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکے۔ بہر حال میں اس کو وقت کا زیاں نہیں سمجھتا، کیوں کہ جہاں تک دل کا تعلق ہے اس پر حضور کے نام کی مہر لگی ہوئی ہے اور آپ کسی نہ کسی طرح سے حضور ﷺ کی تعریف کر رہے ہیں۔ اگر میں انگریزی میں بات کرنا شروع کر دوں تو یقیناً میں کہوں گا کہ (یہاں) لوگوں کی اکثریت ایسی ہے جنھوں نے انگریزی زبان میں مناسب تعلیم حاصل نہیں کی۔ اُنھوں نے انگریزی زبان صرف کاروباری مقاصد کے لیے، پیسہ کمانے کے لیے سیکھی ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ یقیناً مذہب کی باریکیوں کو نہیں جانتے؛ لٰہذا یہ اُن لوگوں کے لیے مشکل ہو گا اگر میں انگریزی میں بولتا رہوں۔ بے شک وہ کچھ نہ کچھ خاکہ تو اپنے ذہن میں بنا ہی لیں گے اگر میں ہندوستانی میں بات کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے وہ مَلاوی (مالے (Malay) کے باشندے) بھائی اور بہن جو یہاں حضور ﷺ کا یوم میلاد منانے اور آپ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے آئے ہیں، وہ بھی کچھ سن کر اور سمجھ کر حضورِ انور ﷺ کی تعلیمات اور آپ کے اُسوۂ حسنہ کے بارے میں جاننے کے خواہش مند ہیں۔ یہ حقیقتاً ایک دوہری مشکل ہے اور میں اپنے آپ کو بڑی مشکل میں محسوس کرتا ہوں۔ اِسی وجہ سے میں نے وقت کو (اس طرح) تقسیم کر دیا کہ آج رات میں بہ ذریعہ ہندوستانی زبان خطاب کروں گا تا کہ میرے ہندوستانی جاننے والے افراد میری بات سمجھ سکیں اور جہاں تک انگریزی جاننے والے افراد، مرد اور خواتین کا تعلق ہے، ان کے لیے انشاء اللہ کل سہ پہر کو مقررہ مقام پر وقت متعین کیا گیا ہے۔ اگر آپ حاضر ہوں گے، تو آپ وہاں حضورِ انور ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کے بارے میں بذریعہ انگریزی سن سکیں گے۔ لیکن جونہی میں مسجد میں داخل ہوا، تو منتظمِ جلسہ نے مجھ سے درخواست کی کہ میں چند جملے انگریزی میں بھی بولوں تا کہ جو لوگ ہندوستانی میں میری بات نہیں سمجھ سکتے وہ دل برداشتہ بھی نہ ہوں اور وہ سمجھ سکیں کہ بہر حال جس طرح وہ عربی کلام سنتے رہے ہیں اُسی طرح ہندوستانی زبان میں بھی وہ خطاب سُن سکتے ہیں، خواہ اسے سمجھ سکیں یا نہیں، (صرف) اس نیت سے کہ آخر، بلاشبہ، ہم حضور نبیِ کریم ﷺ کی مدحت سرائی ہی تو کر

رہے ہیں۔ جہاں تک اِس محفل کا تعلق ہے، یہ کوئی عام محفل، عام دنیاوی محفل جس کا آپ انعقاد کرتے ہیں، نہیں ہے۔ یقیناً یہ ایک بہت خاص محفل ہے، جو حضورِ انور ﷺ کو، کہ جو پوری انسانیت کو سیدھی راہ دِکھانے کے لیے روئے زمین پر جلوہ افروز ہوئے، ہمارا اخراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے سجائی گئی ہے۔ بہرحال میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ آداب کو ملحوظ رکھیں گے اور خاموش بیٹھ کر میری بات جواب میں کہنے جا رہا ہوں سنیں گے۔)

پیاری بہنوں، عزیز بھائیو!!!

انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ وَ جَلَّ جَلَالُہٗ نے ہم کو زندگی دی، تندرستی دی، عافیت دی اور یہ رات نصیب فرمائی، جس رات میں ہمارے پیارے محبوب سرکار محمد رسول اللہ ﷺ اِس دُنیا میں تشریف لائے۔ دنیا میں لاکھوں، کروڑوں بے تعداد انسان پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں؛ لیکن بعض لوگوں کی پیدائش ایسی پیدائش ہوتی ہے کہ جو اپنے اندر کوئی نہ کوئی تاریخی اثر رکھتی ہے۔ عام انسانوں کی تاریخ میں اور زندگی میں جب ایسے حالات پیش آتے ہیں تو اُن کی پیدائش کی تاریخ کو یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ کس لیے؟ تاکہ اُن کا کریکٹر، اُن کے اعمال، اُن کی وہ تاریخی زندگی کہ جس سے اُنھوں نے دُنیا کے اندر کوئی بہترین خدمت انجام دی، کوئی بہترین کام انجام دیا؛ اُس کا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور دوسرے بھی اُس نمونے کو دیکھ کر اُن کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کریں۔ عام طور سے بغیر قیدِ مذہب اور ملت آپ دیکھیں گے کہ دُنیا کا یہ ایک عام دستور ہے اِس لیے کہ فطرتِ انسانی کا تقاضا کہ اگر وہ کسی دن بیمار ہوا ہے اور سخت بیماری سے اُسے مقابلہ کرنا پڑا تو جب سال پورا ہوگا اور وہی دن، وہی تاریخ آئے گی، تو اُس کو خواہ مخواہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اُف اُوہ! اِس دن میں بیمار ہوا تھا اور اِس دن مجھے یہ تکلیف پہنچی تھی؛ اِسی طرح اگر کوئی راحت ہوتی ہے، کوئی آرام ملتا ہے؛ تو جب وہ تاریخ آتی ہے، وہ دن آتا ہے، وہ وقت آتا ہے، Psychologically، نفسیاتی اُصول سے انسان کے قلب کے اُوپر ایک اثر پیدا ہوتا ہے کہ آج وہ تاریخ ہے جب میں نے دکان کھولی تھی، آج وہ تاریخ ہے جب مجھ کو اتنا منافع ہوا تھا، آج وہ تاریخ

ہے جب کسی کو سلطنت ملی تھی، آج وہ تاریخ ہے جب فلانا ملک ہم نے فتح کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اس نفسیاتی اُصول سے انسان کی فطرت کا یہ تقاضا ہے تو ذرا غور کیجیے کہ جب معمولی معمولی واقعات کے پیدا ہونے اور ظاہر ہونے کی تاریخ فطرتی طور پر ہماری نفسیات کے اوپر اثر ڈالنے والی ہوا کرتی ہے تو ایسے واقعات جو دُنیا کے اندر انقلاب پیدا کردینے والے ہوں، عالم کی کایا کو پلٹ دینے والے ہوں، دُنیا کی ہستی کے اندر ایسی زبردست کیفیت پیدا کردینے والے ہوں کہ جس کی کوئی نظیر تاریخ کے اندر نہ ملتی ہو، کوئی مثال تاریخ میں نہ ملتی ہو جب وہ واقعہ پیش آئے تو اُس وقت سوچو کہ کیوں نہ فطرتِ انسانی پر ایک اثر پیدا ہو۔ میں کہتا ہوں اور یقیناً کہتا ہوں فلسفیانہ زبان میں نہیں، عام انسانوں کی فطرت کے اعتبار سے عرض کرتا ہوں کہ اُس کے اعتبار سے یقیناً انسان ایسی حالت کو محسوس کرتا ہے اور اپنے دل میں یہ خیال لاتا ہے کہ آج وہ تاریخ ہے جب عالم کے اندر یہ انقلاب پیدا ہوا۔ میرے آقا، نور الورا، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تشریف آوری اور دنیا میں ظاہر ہونا کیا کوئی معمولی واقعہ ہے؟ کوئی معمولی سی پیدائش ہے؟ جیسے اور انسان دنیا کے پیدا ہوا کرتے ہیں، اِسی طرح سے اُن کا بھی پیدا ہونا تھا؟ اگر اُن کی زندگی ایک عام زندگی ہوتی، اگر وہ بھی دُنیا کے عام انسانوں کی طرح سے دنیا میں زندگی گزارتے، تو یقیناً اُن کا پیدا ہونا بھی ایک معمولی انسان کے پیدا ہونے کی طرح سے تھا، کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اُن کے اماں اور ابا اور اُن کے دادا اور اُن کے پردادا اُن کے پیدا ہونے کی خوشی منا لیتے، سالگرہ کر لیتے جیسے آپ اپنی اولاد کی کرلیا کرتے ہیں، لیکن ذاتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے دُنیا میں آکر وہ زبردست کام انجام دیا ہے کہ جس کو اُن پر ایمان لانے والے، اُن کے ماننے والے اور اُن کے چاہنے والے ہی نہیں بلکہ جو اُن کے دشمن ہیں وہ بھی پہچانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے عالم کی کایا پلٹ دی ہے اور دُنیا کے اندر ایک بڑا زبردست انقلاب ہے یہ، جو پیدا فرما دیا ہے۔ کیا ہے وہ انقلاب اور کس طریقے سے وہ انقلاب پیدا ہوا؟ مختلف پہلو ہیں اُس انقلاب کے۔ ایک پہلو پر اس وقت گفتگو کرتا ہوں اور ایک پہلو

صرف آپ کے سامنے لاتا ہوں کہ عالمِ کائنات کے اندر اُس وقت جب کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اِس دُنیا میں تشریف لا رہے ہیں اور پیدا ہو رہے ہیں اُس کی حالت کا اندازہ کیجیے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا اور اُس وقت آپ قدر کر سکیں گے اس بات کی کہ رسولِ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے اِس دُنیا میں تشریف لا کر کیا کام انجام دیا ہے۔ دُنیا کی کیفیت یہ تھی؛ عام طور سے تمام انسانوں کی، ایک ملک کی نہیں بلکہ سارے ملکوں کی کیفیت یہ تھی کہ وہ خود اپنے آپ کو بھی نہیں جانتے تھے کہ ہم ہیں کون اور ہم کس لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ ہی پتا نہیں تھا کہ ہم کون ہیں اور کیوں بنے ہیں اور ہمیں دنیا میں کرنا کیا ہے۔ دیوانوں کی طرح، بے عقلوں کی طرح کسی کی کیفیت یہ تھی کہ پتھروں کی پوجا کر رہا ہے۔ اگر کسی مقام کے اُوپر اُس کو ٹھوکر لگی اور اُس کو چوٹ لگی وہ ڈر گیا کہ یہاں ضرور کوئی evil spirit ہوگی، کوئی بھوت ہوگا، جس نے مجھ کو گرایا ہے۔ لہٰذا یہاں پھول چڑھا دیا کروں اور یہاں تھوڑا سا صندل لگا دیا کروں؛ وہیں ایک بُت بنا کر رکھ دیا گیا، وہیں ایک پتھر کو رکھ دیا گیا، نشانی کے طور پر۔ سورج کی شعاعیں آ رہی ہیں تو سوچا کہ سورج ہماری خدمت کر رہا ہے؛ سورج سے ہم فائدہ پا رہے ہیں؛ اس کو خوش کرنے کے لیے لاؤ اس کے سامنے ہاتھ جوڑو اور منت کرو۔ چاند کی روشنی ہم پا رہے ہیں؛ اگر چاند کی روشنی ہمیں نہ ملے تو ہم محروم ہو جائیں بہت سی نعمتوں سے؛ لاؤ چاند کے سامنے سر جھکا دیں۔ کوئی ستاروں کے سامنے سر جھکا رہا ہے، کوئی چاند کے سامنے سر جھکا رہا ہے، کسی نے اس سے بھی زیادہ ذلیل صورت اختیار کی: اُس نے سوچا کہ پیپل کی چھاں میں، پیپل کے سائے میں ہم بیٹھا کرتے ہیں: لہٰذا پیپل کو بھی دیوتا قرار دے دو، اس کی بھی پوجا کر لیا کرو، اس کو بھی خوش رکھنے کی کوشش کرو۔ گائے نے اُنھیں دودھ پلایا تو سوچا کہ گو ماتا کا دودھ ملتا ہے، میّا تو ہماری یہ ہے، لاؤ اس لمّاں کو بھی خوش کرو اور اس کی بھی خوش آمد کرو، اس کی بھی پوجا کرو۔ اُس کی پوجا یہاں تک کرنی شروع کی کہ اُس کے پیشاب کو بھی پینا شروع کر دیا اور اُس کے پاخانے کو بھی کھانا شروع کر دیا۔ ہندوستان کے اندر میرے ہندوستانی بھائی یہ تماشا دیکھتے ہوں گے۔ بہرحال جب دُنیا کی کیفیت یہ ہے کہ ایک طرف اعتقادی

نقطۂ نظر سے مجھے یہ پتا ہی نہیں ہے کہ ہمارا پیدا کرنے والا کون ہے اور وہ ہستی کون سی ہستی ہے جس کے سامنے ہم کو سر جھکانا چاہیے، جب دُنیا والوں کو یہی خبر نہیں ہے کہ ماں کسے کہتے ہیں، باپ کسے کہتے ہیں، بھائی کسے کہتے ہیں۔ یعنی ماں کا کیا حق ہے، بھائی کا کیا حق ہے، باپ کا کیا حق ہے، ہمیں اُن کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ پھر اُنھیں اپنے متعلق بھی یہ خبر نہ تھی، اپنے متعلق بھی یہ خبر نہ تھی کہ ہمیں کیا کھانا، کیا نہیں کھانا، کیا پینا، کیا نہیں پینا، کیا کرنا، کیا نہیں کرنا۔ ہم جو کام کر رہے ہیں اِس کا نتیجہ آخر کیا ہوگا۔ جب دُنیا اس قدر اندھیرے میں پڑی ہوئی ہے کہ کوئی ہادی، کوئی رہبر، کوئی بتانے والا پردۂ عالم کے اُوپر نہیں ہے کہ جو دُنیا کے انسانوں کو یہ بتادے کہ تم کون ہو اور تمھیں کیا کرنا ہے؛ یہ ایک سوال تھا ہر ایک کے سامنے۔ تو ذرا غور کرنا کہ ایسی حالت میں جب دُنیا کے انسان بالکل اندھوں کی طرح سے دیوانے ہو رہے ہیں اور اُنھیں کچھ پتا ہی نہیں ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ اپنے ذاتی اغراض کے لیے، اپنے کھانے کے لیے، اپنے پینے کے لیے، اپنے پہننے کے لیے ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کے لیے تیار، ایک دوسرے کو لوٹنے کے لیے تیار، ایک دوسرے کا خون چوسنے کے لیے تیار۔ یہ حالت جب دُنیا کی ہو رہی تھی اُس وقت مالکِ عالم جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ کی غیرت حرکت میں آتی ہے اور جو انقلاب جنابِ رسولِ اکرم ﷺ دُنیا میں کرتے ہیں اُس انقلاب کی کیفیت رب العالمین جل جلالہ وعم نوالہ نے اپنے محبوب سرکار محمد رسول اللہ ﷺ کی زبانی کتنے خوبصورت الفاظ میں سُنایا کہ رب العالمین نے حضرت سیدنا آدم علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ یَا اٰدَمُ! لَوْلَا مُحَمَّدًا لَّمَا خَلَقْتُكَ وَلَا اَرْضًا وَّلَا سَمَاءً کہ "اے آدم اگر مجھے محمد رسول اللہ کو بنانا مقصود نہ ہوتا تو نہ میں تمھیں بناتا، نہ زمین کو بناتا، نہ آسمان کو بناتا۔" تم نے اِن عربی مَوْلِد کی کتابوں میں سُنا ہوگا اس حدیث کو بارہا پڑھا ہوگا کہ رب العالمین فرماتا ہے: لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ "یا رسول اللہ! اگر ہم آپ کو نہ بناتے تو ہم افلاک کو نہ پیدا فرماتے، آسمانوں کو نہ پیدا فرماتے"۔

آسمان بنے، زمین بنی، آدم بنے اور بنی آدم بنے اور اُن کا بنانے والا کہتا ہے

کہ یا محمد ﷺ اگر آپ کا بنانا ہمیں مقصود نہ ہوتا تو ہم کسی چیز کو پیدا نہ فرماتے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو اعتقادی نقطۂ نظر سے آپ میں سے جو ایمان رکھتے ہیں وہ فوراً مان لیں گے کہ ہاں جو اللہ نے کہا، سچ اور جو رسول ﷺ نے فرمایا وہ بجا؛ لیکن ہمارے یہاں اِس قسم کے اندھے اعتقاد کی تعلیم دی نہیں گئی۔ یہ عیسائیوں کو مبارک ہو کہ وہ دُنیا سے کہے جائیں کہ بس جو یوحنا نے کہہ دیا مان لو، جو سینٹ لیوک (Luke Saint یعنی لوقا) نے کہہ دیا، لوقا نے کہہ دیا مان لو، حالانکہ کوئی ثبوت اس بات کا نہیں کہ لوقا جو کہہ رہا ہے وہ سچ ہے، یوحنا جو کہہ رہا ہے وہ سچ ہے اور یا یہ بھی کم سے کم کہ جو الفاظ یوحنا اور لوقا نقل کر رہے ہیں وہ الفاظ جناب مسیح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہیں؟ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ کلمات جو مسیح علیہ السلام کی زبان سے نکلے اُن کلمات کو کسی نے محفوظ بھی رکھا ہے کہ نہیں رکھا؟ یہاں میرے آقا میرے مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین میں، جہاں آپ نے اور انقلاب فرمائے ہیں دنیا کے اندر، ایک زبردست انقلاب یہ بھی فرمایا کہ جو چیز بھی پیش کی جاتی ہے عقل کی کسوٹی پر اُسے پرکھ کر دیکھ لو۔ ممکن ہے کہ آپ کسی مولوی صاحب سے پوچھیں اِسی حدیث کو کہ صاحب! لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ آپ پڑھتے ہیں، سناتے ہیں ہم کو مولود شریف میں کہ یا رسول اللہ اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو ہم افلاک کو پیدا نہ فرماتے، بھلا یہ کوئی بات ہوئی؟ ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا؛ تو ممکن ہے کہ مولوی صاحب آپ سے یوں فرمادیں کہ بس جی حضور نے فرمایا ہے ایمان لاؤ اِس پر۔ کوئی شک نہیں ان کا فرمانا صحیح، لیکن آپ کا پوچھنا بھی بجا۔ مجھے اس موقع پر ایک چھوٹا سا قصہ یاد آ گیا۔

میرا ایک دوست تھا، ملنے والا، دوست تو کہاں ملتا ہے؟ دنیا میں ملتا ہی نہیں دوست۔ ایک ملنے والا تھا میرا، جو اسکول میں میرے ساتھ پڑھتا تھا۔ میں نے اور اُس نے میٹرک ساتھ پاس کیا۔ (پھر) میں میرٹھ کالج میں چلا گیا اور وہ علی گڑھ میں رہے اور اُس کے بعد علی گڑھ سے ڈگری لے کر وہ جرمنی پہنچے اور بڑے زبردست ہاتھ کے انجینئر بنے۔ وہیں اُنھوں نے شادی بھی کی، بہت دنوں تک انجینئرنگ کی پریکٹس بھی کرتے رہے۔ بیس بائیس برس کے بعد بمبئی کے اسٹیشن پر جس کمپارٹمنٹ (Compartment)

میں میری سیٹ ریزروڈ (Reserved) ہے، مجھے تو لوگ چھوڑنے کے لیے آئے ہیں، میں اُن سے ملاقاتیں کر رہا ہوں؛ میں نے دیکھا ایک صاحب بہادر ہیٹ (Hat) لگائے ہوئے اس کمپارٹمنٹ میں جا رہے ہیں۔ میں نے پشت دیکھی ان کی اور پہچانا کہ ہو نہ ہو یہ ہمارا پرانا ملنے والا ساتھی علی اختر معلوم ہوتا ہے۔ جب لوگوں سے مصافحہ کر چکا، ریل چھوٹنے لگی، میں کمپارٹمنٹ میں داخل ہوتا ہوں۔ ابھی تو میں، منہ کیے ہوئے باہر کی طرف، لوگوں ہی کے سلام لے رہا تھا، جب گاڑی آگے نکل گئی پلیٹ فارم سے؛ تب میں نے منہ پھیرا اور اب جو صورت دیکھتا ہوں میں نے کہا: "مسٹر علی اختر!" "اوہ!!! مولانا"، مل گئے دونوں۔ پہلی ملاقات ہو رہی ہے بیس بائیس برس کے بعد، مجھ سے پوچھتے ہیں، "کہیے مولانا مزاج اچھے ہیں؟ کیا کر رہے ہیں، کیا کرتے ہیں آج کل؟" میں نے کہا، "آپ اپنی فرمائیے۔ آپ تو انجینئر بن کر آئے ہیں، ماشاء اللہ۔ میں نے سنا تھا۔" باتیں ہوتی رہیں، مجھ سے پوچھنے لگے، "آپ کیا کرتے ہیں؟" میں نے کہا، "وہی جو پہلے کیا کرتے تھے اب بھی کرتے ہیں۔" کہنے لگے، "کیا مطلب؟ پہلے تو آپ لوگوں کو بہکایا کرتے تھے مولود پڑھ پڑھ کر اور مولود کے اندر لوگوں کو یہ سُنا سنا کے بہکاتے تھے کہ یارسول اللہ! اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو ہم زمین کو نہ بناتے، آسمان کو پیدا نہ فرماتے، ایسے ہی قصے ایسے ہی کہانیاں۔" یہ ان کے الفاظ نقل کر رہا ہوں اس لیے کہ یہ وہ خیالات ہیں جو میرے بچوں کے دلوں میں پیدا ہو رہے ہیں، یہ وہ خیالات ہیں جو میرے نوجوانوں کے دماغوں کے اندر آ رہے ہیں۔ اس لیے سنا رہا ہوں ان کو کہ ایک Well-qualified (منجھا ہوا مستند ڈاکٹر) جرمنی کا ڈاکٹر اور انجینئر مجھ سے بات کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ آپ لوگوں کو بہکایا کرتے تھے یہ کہہ کہہ کر کہ رسول ﷺ اگر پیدا نہ ہوتے تو زمین نہ بنتی آسمان نہ بنتے، اور مولود پڑھا کرتے تھے، میں ہنسا اور میں نے کہا کہ ہاں بھائی! مولود اب بھی پڑھتے ہیں اور اسی حدیث کو اب بھی سناتے ہیں مگر بات یہ ہے کہ پہلے سیدھے سادھے سچے بھولے بھالے مسلمانوں کو سمجھا دیا کرتے تھے اور اب تم جیسے ٹیڑھے باپوں کو سمجھاتے ہیں، پہلے سیدھے سادھوں کو سمجھا دیا کرتے تھے اب تم جیسے

ٹیڑھے باپوں کو سمجھا دیتے ہیں۔ جھٹ سے کیا کہتے ہیں کہ میں آپ کے بہکائے میں آنے والا نہیں۔ میں نے کہا، "دیکھا جائے گا آتے ہو یا نہیں آتے ہو، یہ تو بعد میں دیکھا جائے گا۔ پہلے یہ بتاؤ انجینئرنگ کی ڈگری لے کر آئے ہو۔ اب دعوت کب کھلاؤ گے ہمیں؟"، کہنے لگے، "جب آپ کا دل چاہے سہارن پور آئیے، دعوت کھایئے۔" ہم نے کہا، "مگر ایک شرط ہے دعوت میں ہماری کہ جو کھانا بھی کھلانا ہو پکا پکایا کھانا ہمارے پاس بھیج دینا ہم کھائیں گے یہ نہیں کہ تم کچا راشن بھیج دو۔ آٹا، دال، چاول، مرغی، گھی، مصالحہ، یہ بھیج دو تو یہ میرے کام نہیں آئے گا اس واسطے کہ مجھے پکانا نہیں آتا، عمر گزر گئی مجھے آج تک کھچڑی پکانی بھی نہیں آئی، دال پکانی بھی نہیں آئی، میں جانتا نہیں ہوں پکانا، اس لیے اگر تم بھیجو گے میرے پاس سامان بہترین سے بہترین کھانے پکانے کا تو بالکل بے کار ہو گا کیوں کہ میں پکانا نہیں جانتا۔" ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں، "بھلا کوئی میں بے وقوف ہوں جو کچا راشن بھیجوں گا۔ ارے بھئی! پکی پکائی بریانی کھلائیں گے تمھیں، تنجن کھلائیں گے۔ یہ کھلائیں گے، وہ کھلائیں گے۔" میں نے کہا، "ہاں مجھے تو صرف یہ بات کہنی تھی کہ اگر کچا راشن بھیج دیا تو میرے لیے بے کار ہو گا۔" ڈاکٹر صاحب باوجود اس کے کہ جرمنی سے پڑھ کر آئے ہیں مگر ابھی دماغ نہیں پہنچ سکا جہاں مُلا عبدالعلیم کا دماغ پہنچ گیا۔ میں نے کہا ایک قصہ سنائیں میاں آپ کو، ایک مرتبہ ایسٹ افریقہ کے اندر ایک علاقے میں میں نے اپنے کچھ آدمیوں کو بھیجا تبلیغ کرنے کے واسطے، ایسٹ افریقا کے علاقے میں کچھ مبلغین کو ہم نے بھیجا جو وہاں جا کر مولود پڑھتے تھے، دف بجاتے تھے، ذکرِ الٰہی کرتے تھے اور اُن ننگوں کو اپنے حلقے میں لانے کے واسطے کچھ تدبیریں کر رہے تھے۔ جب مجھے اطلاع ملی کہ فلاں مقام پر کچھ لوگ مسلمان ہونے والے ہیں تو ہمارے چند سیٹھ دوستوں نے پچاس ساٹھ کے قریب جوڑے، کرتے، پاجامے، کوٹ پتلون، ٹوپی، اوڑھنیاں لڑکیوں کے واسطے، عورتوں کے واسطے یہ کچھ بنوا دیے۔ کچھ خاص تعداد تھی لوگوں کی، ان کو مسلمان کرنے کے لیے جب، ہم وہاں پہنچیں تو میں تو زبان نہیں جانتا۔ مترجم میرے ساتھ تھے اور وہ کپڑے ہم نے کھول کر رکھ دیے، تو اب مزے کی بات تم کو یہ سناتے ہیں کہ وہ

ننگے جو وہاں اُس علاقے کے اندر بالکل ننگ دھڑنگ رہتے تھے، یوگنڈا کے علاقے میں۔ اُنھوں نے چاروں طرف سے ہم کو گھیر لیا، ٹوپیاں جو رکھی ہیں کوئی ٹوپی اٹھا کر ناف کے نیچے رکھتا ہے، کوئی پاجامے کو اُٹھاتا ہے اور سر کے اوپر ڈالتا ہے، ازار کو اٹھاتا ہے اور سر کے اوپر ڈالتا ہے؛ کوئی قمیص کو اٹھاتا ہے اور کمر سے باندھتا ہے؛ وہ سب کھیل رہے ہیں۔ وہ ہنستے رہے ہمارے ڈاکٹر صاحب۔ ہم نے کہا: جب ان کو سب کو ہم نے نہلوا لیا اس کے بعد ہم نے ان کے جوڑے تقسیم کیے اور اب ہم نے اُن کو بتایا کہ دیکھو پاجاما کیسے پہنا کرتے ہیں، کرتا کیسے پہنا کرتے ہیں، قمیص کیسے پہنتے ہیں، ٹوپی کس طرح اوڑھتے ہیں، عورتوں کے سر کے اوپر ہم نے دوپٹے اوڑھنی کو ان کو اوڑھا کر دکھایا کہ دیکھو اس طرح سے اوڑھا کرتے ہیں، اس طرح سے سر کو ڈھکا کرتے ہیں۔ جب ہم نے تمام چیزیں اُن کو سکھائیں تب ان کی سمجھ میں آیا۔ اگر ہم نہ سکھاتے تو بتاؤ کہ یہ کپڑے ان کے لیے بے کار تھے یا نہیں تھے؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہاں بے شک بالکل بے کار تھے، جب تک کوئی سکھانے والا نہ ہو۔ میں نے کہا: اب تمہاری سمجھ میں حدیث کے معنی آئے یا نہیں آئے؟ اگر نہیں آئے تو اب سمجھ لو کہ زمین بھی بے کار تھی، آسمان بھی بے کار تھا، سورج بھی بے کار تھا، چاند بھی بے کار تھا، کھانا بھی بے کار تھا، پہننا بھی بے کار تھا، ساری نعمتیں خدا کی بالکل بے کار تھیں، اگر کوئی یہ بتانے والا نہ آئے کہ ان نعمتوں کو کس طریقے سے استعمال کرنا چاہیے۔ محمد رسول اللہ ﷺ آئے دنیا کے پردے کے اوپر تاکہ دنیا والوں کو یہ بتائیں کہ ان نعمتوں کو کس طریقے سے استعمال کرو۔ اسی لیے بنانے والا کہتا ہے کہ اگر کوئی انجینئر نہ ہوتا یہ سکھانے والا کہ اس مشین کو کس طرح سے چلایا جائے تو مشین کا بنانا بے کار تھا، مشین کا بنانا بے کار تھا اگر کوئی انجینئر سکھانے والا نہ ہوتا۔ اس (رب) کی تمام Universe (کائنات) اس کی مشین ہے، یہ سب بے کار تھی اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تشریف نہ لاتے اور نہ سمجھاتے کہ اس کو کس طریقے سے استعمال میں لانا چاہیے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو اُس کے بعد سمجھایا کہ دنیا والے سورج کی پوجا کر رہے ہیں، چاند کی پوجا کر

رہے ہیں، درختوں کی پوجا کر رہے ہیں، پتھروں کی پوجا کر رہے ہیں، انھیں پتا ہی نہیں ہے کہ ہم اِن کی پوجا کرنے کے لیے ہیں یا اِن سے خدمت لینے کے لیے ہیں۔ تمام دنیا کے علوم کے دروازے کھولے محمد رسول اللہ ﷺ نے۔ آپ انجینئر پاس کر کے آ رہے ہو، تمھیں نہیں معلوم ہے کہ الجبرے کو سکھایا کس نے؟ مسلمانوں نے۔ دنیا کو بتایا کس نے؟ مسلمانوں نے۔ کیمسٹری کو نکالا کس نے؟ مسلمانوں نے۔ دنیا کے لیے علوم کے دروازے کھولے کس نے؟ مسلمانوں نے۔ دنیا کو محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآنِ کریم کے ذریعے۔ سکھایا اور سمجھایا کہ سورج سے کس طرح کام لو، چاند سے کس طرح کام لو، ستاروں سے کس طرح کام لو، زمین سے کس طرح کام لو، آسمان سے کس طرح کام لو، کپڑے کیا پہنو، کتنے بدن کو تمھیں ڈھکنا چاہیے کتنے بدن کو تمھیں کھولنا چاہیے، کس حصہ بدن کو تمھیں ڈھکنا چاہیے، کیا چیز تمھیں کھانی چاہیے، کیا چیز تمھیں نہیں کھانی چاہیے۔ ساری چیزوں کا پورا مکمل نظام course of دنیا کو دیا کس نے محمد رسول اللہ نے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؛ اور مالک ارشاد فرماتا ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ کہ "آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا، پورا کر دیا، تم پر اپنی نعمتوں کو پورا فرما دیا" وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ "اور تمہارے لیے اسلام کے دین کو میں نے پسند کر لیا۔" اسلام کے دین کو تمہارے لیے میں نے پسند کر لیا۔ نعمتوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تمہارے اوپر پورا فرمایا، دین کا کامل اور مکمل نقشہ تم کو دکھایا۔ سارا عالم گمراہی کے اندر پڑا ہوا تھا۔ مالک ارشاد فرماتا ہے: وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۵ "ورنہ اس سے پہلے تو تم کھلی ہوئی گمراہی کے اندر پڑے ہوئے تھے۔" اِسی لیے اب اگر یوں کہا جائے کہ زمین بنی تو محمد رسول اللہ کے لیے بنی، آسمان بنا تو محمد رسول اللہ کے لیے بنا، سورج بنا تو محمد رسول اللہ کے لیے بنا، اس لیے کہ اگر یہ چیزیں بنتیں اور ان سے کام لینا سکھانے والے نہ ہوتے تو ان کا بننا بے کار تھا ان کو باکار بنایا کس نے؟ محمد رسول اللہ ﷺ نے۔ ہم اپنے عاشقانہ انداز میں کہتے ہیں، والہانہ انداز میں کہتے ہیں کہ

زمین و زماں تمھارے لیے مکین و مکاں تمھارے لیے
چنین و چناں تمھارے لیے بنے دو جہاں تمھارے لیے

اور یا رسول اللہ!

دہن میں زباں تمھارے لیے بدن میں ہے جاں تمھارے لیے
ہم آئے یہاں تمھارے لیے اُٹھیں بھی وہاں تمھارے لیے

اب سمجھیے کہ حضورِ انور ﷺ کی تشریف آوری کس لیے ہوئی؟ اس واسطے ہوئی کہ وہ ہم کو یہ بتائیں کہ چیزوں کا استعمال کس طرح سے کرنا چاہیے اور ان چیزوں کے استعمال کی صورت پہلے تم اپنے وجود کو دیکھو کہ ہمیں اپنی جان کا استعمال کس طرح کرنا چاہیے۔ تمھاری جان کے استعمال کے تین پہلو ہیں: ایک پہلو یہ ہے کہ تمھیں اپنی جان کو کس طرح سے ڈھالنا چاہیے۔ دوسری طرف پہلا پہلو یہ کہ تمھیں اُس پیدا کرنے والے مولا جلّ جلالہٗ وعمّ نوالہٗ سے کیا تعلق رکھنا چاہیے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ تمھیں دوسروں کے ساتھ کیا تعلق رکھنا چاہیے۔ اب تینوں پہلو تمھاری سمجھ میں آگئے۔ ایک پہلو یہ ہے کہ تمھارا اُس رب کے ساتھ کیا واسطہ اور کیا تعلق ہے، دوسرا پہلو یہ کہ تمھارا خود تمھارے ساتھ کیا تعلق اور واسطہ ہے، تیسرا تمھارا تمھارے عزیز و اقربا اور دوسرے انسانوں کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ ان تینوں پہلوؤں کو سمجھو اور ان کے لیے اسلام کی Terminology (اصطلاح) میں تین لفظ ہیں، جن کو بتاتا ہوں:

(۱) حقوق اللہ: کہ اللہ کے تم پر کیا حق ہیں۔

(۲) حقوق النفس: تمھاری جان کا تم پر کیا حق ہے۔

(۳) حقوق العباد: بندوں کے تم پر کیا حق ہیں۔

یہ تین پہلو ہیں۔ بندوں کے تم پر کیا حق ہیں اسی کے اندر یہ چیز بھی آجاتی ہے کہ زمین اور آسمان اور کائنات کے ذرّے ذرّے کا مجھ پر کیا حق ہے، مجھے ان سے کیا کام لینا چاہیے۔ ان تینوں پہلوؤں کے لیے دو شکلیں ہوا کرتی ہیں: ایک شکل یہ ہے کہ قانون کو بتا دیا جائے، کتاب کو پڑھا دیا جائے کہ تمھارے اوپر تمھارے پیدا کرنے والے

کے یہ حقوق ہیں؛ سمجھا دیا جائے دلیل کے ساتھ کہ یقیناً یہ حق ہونا چاہیے اُس کا تمہارے اوپر؛ تمہاری اپنی ذات کے لیے تمہارے حقوق کو سمجھا دیا جائے، کتاب میں لکھ کر قانون تمہیں دے دیا جائے؛ دوسروں کے حقوق کیا ہیں اُس کے متعلق بھی اسی صورت کی کتاب میں ڈائریکشنز دے دی جائیں۔ لیکن فطرت کا تقاضا کیا ہے؟ طبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ صرف کتاب میں پڑھ کر کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تاوقتیکہ پریکٹیکل ماڈل Practical Model (عملی نمونہ) کو نہ دیکھ لیا جائے۔ عملی نمونہ ہمارے سامنے موجود نہ ہو کہ کس طرح اس کو استعمال میں لانا، کتاب دیکھ لوں کہ مائیکروفون کو اس طرح فٹ کرنا، مشین کو اس طرح لگانا، مشین کو اس طرح چلانا؛ لیکن کیا کتاب کو دیکھ کر کوئی شخص موٹر کا ڈرائیور بن گیا؟ کوئی نہیں بن سکتا، جب تک کوئی چلانے والا چلا کر نہ بتائے، چلا کر نہ سکھائے، اپنا نمونہ نہ دکھائے چلانا نہیں آتا، کام کا کرنا نہیں آتا۔ استادوں سے پوچھو، بچوں کو دیکھو، تمہاری گود کے اندر بچے بولتے ہیں؛ جس طرح تم بولتے جاتے ہو وہ تم کو کاپی کرتے جاتے ہیں، نقل کرتے جاتے ہیں۔ فطرت میں انسان کی نقالی کا مادّہ۔ اس لیے انسان فطرتاً چاہتا ہے کہ میرے سامنے ایک نمونہ ہونا چاہیے کہ جو مجھ کو دکھائے۔ وہ مالک جو ہمارا اور تمہارا بنانے والا اور ساری کائنات کا بنانے والا ہے؛ تمام عالم کی مشین کا بنانے والا، ایک طرف اُس نے قانون کو بھیجا قرآن کی صورت میں؛ دوسری طرف اُس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا نمونے کی شکل میں تاکہ وہ تمہارے سامنے نمونہ بن جائیں۔ تم سے اگر یہ کہیں کہ خدا کی عبادت کرو تو خود عبادت کر کے دکھادیں کہ کس طرح خدا کی عبادت کی جاتی ہے، تم سے اگر یہ کہیں کہ اپنے نفس کی خدمت کرو تو خود اپنے نفس کی خدمت کر کے دکھادیں کہ کس طرح سے اپنے نفس کی خدمت کی جاتی ہے، تم سے اگر یوں کہیں کہ دنیا کی چیزوں کا اس طرح استعمال کرو تو خود کر کے دکھادیں۔ تم سے اگر یہ کہیں کہ ماں باپ کے ساتھ اس طرح پیش آؤ تو خود کر کے دکھادیں۔ اسی لیے مالکِ عالم قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "یقیناً تمہارے لیے سرکار محمد رسول اللہ ﷺ کی جانِ مبارک کے اندر بہترین نمونہ موجود تھا، بہترین نمونہ موجود ہے،

بہترین نمونہ موجود رہے گا۔" یقیناً ہر آن، ہر لحظہ، ہر وقت، ہر زمانے کے اندر محمدِ عربی ﷺ کا نمونہ تمھاری آنکھوں کے سامنے موجود اور فرمایا جاتا ہے کہ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا "جو کچھ یہ رسول تمھارے پاس لے کر آئیں ان سے لے لو اور جس چیز سے رسول تمھیں روک دیں اس سے باز رہ جاؤ۔" یہ ہے طریقہ، اب ایک طرف خدا کی عبادت کے لیے دیکھو محمد رسول اللہ ﷺ نے تمھیں کیا بتایا۔ پہلے تمھاری ریزننگ (Reasoning) کو، تمہاری دلیل کو، تمھارے دماغ کو، اپیل کیا جاتا ہے کہ غور کرو کہ یہ کائنات کیا بغیر کسی بنانے والے کے ظاہر ہوگئی؟ نہیں، کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے۔ جب بنانے والا ہے اور نعمت فرمانے والا، تو جو نعمتیں تم کو دے رہا ہے اُس کے سامنے شکریے کے واسطے سر جھکانا اور اس کی بندگی بجالانا تمھارا انسانیت کا فرض ہونا چاہیے۔ یہ اپنے آپ سمجھو اور غور کرو آج تمھیں ایک سگریٹ کوئی دیتا ہے، ایک روٹی کا ٹکڑا تم کو دیتا ہے، کچھ پیسے تم کو دیتا ہے، تو تم فوراً کہتے ہو Thank you شکریہ؛ یہ کیا ہے شکریہ؟ تم ظاہر کرتے ہو کہ اُس نے تمھارے اوپر احسان کیا، جتاتے ہو اس چیز کو کہ اس نے تم پر احسان کیا۔ غور کرو اور سوچو کہ وہ مالک جَلَّ جَلالہٗ وَعَمَّ نَوالہٗ جس نے تمھیں پیدا فرمایا، تمھیں بنایا، تم کو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں، دن رات تمھیں نعمتیں دے رہا ہے۔ اگر ایک آن کے لیے بھی اپنی نعمتوں کو تم سے روک لے تو بتاؤ کیا تم زندہ رہ سکتے ہو؟ اگر ذرا سانس بند ہو جائے تو زندہ رہ سکتے ہو؟ اگر ذرا حلق کے اندر تکلیف ہو جائے، کھاؤ کیسے؟ زندہ کیسے رہو؟ یہ ساری نعمتیں وہ مالک تم کو دے رہا ہے۔ کیا اس کا اتنا حق بھی تم پر نہیں ہے کہ تم اس کو یوں کہہ دو کہ خدایا تیرا شکر ہے۔ وہ شکرانہ ادا کرنے کی ترکیب کیا ہے کہ پانچ وقت کی نماز تمھارے اوپر مقرر فرما دی گئی؛ یہ ہے اللہ کا شکریہ ادا کرنے کی ترکیب۔ آج مجھے شرم آیا کرتی ہے، آپ لوگوں کو شرم آئے یا نہ آئے یہ آپ جانیں؛ لیکن مجھے شرم آیا کرتی ہے جب میں کسی سے کہتا ہوں کہ میاں نماز پڑھتے ہو یا نہیں؟ تو نہایت بے حیائی کے ساتھ جواب دیا جاتا ہے کہ صاحب کیا کہیں کام کاج سے فرصت نہیں ملتی، کام کاج سے فرصت نہیں ملتی؛ عورتوں سے کہتا ہوں تم نماز کیوں نہیں پڑھتیں؟ تو کہتی ہیں

بچوں سے فرصت نہیں ملتی۔ آج اگر تمھارے بیوپار سے تمھیں فرصت نہیں ملتی، آج اگر تم کو بچوں سے فرصت نہیں ملتی، آج اگر دنیا کی نوکری سے تمھیں خدا کی عبادت کرنے کی فرصت نہیں ملتی تو اگر اللہ ناراض ہو کر تمھاری نوکری چھڑا دے تمھارے بیوپار کو برباد کر دے، تمھارے گھر میں آگ لگا دے، تمھارے بچوں کو اُٹھا لے، اُن کو موت آ جائے، تو اس کے بعد بتاؤ کہ پھر کیا کرو گے؟ پھر بھی فرصت ملے گی نماز پڑھنے کی؟ اے انسان ہوش میں آ، اپنی غفلت کو چھوڑ دو۔

مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ○ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ

بتا تو سہی کہ تجھ کو کس چیز نے مغرور بنا دیا ہے اس رب کے مقابلے میں جو تجھے دے رہا ہے، جس کی نعمتوں کی بارش تیرے اُوپر ہو رہی ہے اور تجھ سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ تو اُس کے سامنے سر جھکا لے۔ Reasoning کو اپیل کیا جاتا ہے، تمھاری فطرت کو اپیل کیا جاتا ہے اور تم سے کہا جاتا کہ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ۔ آج شکایت کرتے ہوئے آتے ہیں کہ مولانا صاحب تعویذ دے دیجیے نوکری نہیں ملتی، روزی میں برکت نہیں ہوتی۔ مولانا صاحب! تعویذ دے دیجیے اولاد نہیں ہوتی۔ بڑی تمنا اولاد کی، بڑی تمنا بیٹے کی، بڑی تمنا بیٹیوں کی سبحان اللہ! اور جب پوچھا جائے کہ جس نے تمھیں بنایا، جس نے کھانے کو دیا، جس نے پینے کو دیا کبھی اُس کی نماز بھی پڑھتے ہو تو گردن جھکا کر کہتے ہیں، نہیں صاحب نماز کی تو فرصت نہیں ملتی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ میرے آقا، میرے مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم جہاں ایک طرف تم کو یوں کہہ رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز تمھارے اوپر فرض کی جارہی ہے اور اللہ کا حکم سنایا جا رہا ہے؛ وہاں پیارے محبوب کی یہ کیفیت ہے کہ ساری ساری رات اللہ کی عبادت کے اندر کھڑے ہوئے ہیں، پائے مبارک سوج جاتے ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، اللہ کے سامنے رو رہے ہیں، اللہ کے سامنے گڑگڑا رہے ہیں۔ صحابہ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! آپ کے پاس تو گناہ ہیں ہی نہیں اور آپ کے صدقے میں تو دوسروں کے گناہ معاف کیے جاتے ہیں اگر کوئی بات ہو بھی تو مالک ارشاد فرماتا ہے کہ

ہم نے تو آپ کی اگلی اور پچھلی سب چیزیں معاف فرمادیں، آپ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ تو کیا پیارا جواب دیتے ہیں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کہ اَفَلَآ اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا "کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟" یہ عبادت کا نمونہ دکھاتے ہیں کہ تم کو تمھارے رب کے سامنے کس طرح پیش آنا چاہیے کہ تم اپنے آپ کو اُس مولیٰ کے ہاتھ میں دے دو اپنی زندگی کو اُس خدا کے لیے سمجھو۔ تمھاری زندگی اِن کاموں کے لیے نہیں ہے جن کو تم کر رہے ہو؛ تمہاری زندگی اللہ کے لیے ہے۔ اللہ کے سامنے سر جھکاؤ اسلام کے احکام کو قبول کرو اور جس طریقے سے وہ رب تمھیں چلائے اُس پر چلو۔ عزیمت لینے کے لیے آتے ہیں جو حضرات، میں اُن سے عرض کر دیا کرتا ہوں کہ قرآن میں دیکھو سب سے بڑا تعویذ روزی میں برکت کا: رب العالمین جل جلالہ فرماتا ہے کہ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ "اگر تم میرا شکریہ ادا کرو گے تو میں اپنی نعمتوں کو زیادہ کروں گا اور اگر تم کفرانِ نعمت کرو گے تو میں اپنی نعمتوں کو تم سے چھین لوں گا اور میرا عذاب بہت ہی سخت ہے۔" اب تمھاری سمجھ میں آ گیا مطلب؟ روزی میں برکت کی کیا صورت، اللہ کا شکریہ ادا کرو۔ جس قدر تم اللہ کا شکریہ ادا کرتے جاؤ گے اُسی قدر اللہ کی نعمتیں تمھارے اُوپر زیادہ ہوتی چلی جائیں گی۔ میرے محبوب ﷺ کی کیفیت یہ کہ تمھیں اور ہمیں تو حکم دیا جاتا ہے کہ رمضان میں روزے رکھو اور خود میرے پیارے محبوب کی یہ کیفیت ہے کہ روزے پر روزے رکھتے چلے جا رہے ہیں: اِفطار ہی نہیں فرماتے، ہم اور تم افطار کے مُکلّف کیے گئے ہیں کہ شام ہو جائے، غروبِ آفتاب ہو جائے تو افطار کرلو اور محبوبِ دو جہاں ﷺ افطار ہی نہیں فرماتے۔ تم سے، ہم سے یہ کہا جا رہا ہے کہ مال جو اللہ نے دیا ہے اُس کی زکوٰۃ نکالو چالیسواں حصہ، اُس سیونگ Saving پر جو تمھارے پاس بچا ہوا روپیہ ہے۔ بچا ہوا چاندی اور سونا سال گزرنے پر اُس پر زکوٰۃ نکال دو چالیسواں حصہ؛ تم سے تو یہ کہا جا رہا ہے اور خود حضورِ انور ﷺ کی کیفیت کیا ہے کہ ایک مرتبہ مالِ غنیمت میں کچھ مال آیا سب کو تقسیم کیا اپنے حصّے میں جو آیا وہ بھی گھر میں موجود تھا: عشا کی نماز پڑھانے کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں، اِدھر مکبر نے اقامت

گئی، اُدھر محبوبِ دو جہاں ﷺ مصلّے کو چھوڑ کر گھر میں تشریف لے جاتے ہیں؛ تھوڑی دیر کے بعد واپس تشریف لاتے ہیں، نماز پڑھاتے ہیں، صحابہ نے بعد نماز کے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ آج کیا ماجرا تھا کہ اقامت کے بعد جب قد قامت الصلوٰۃ کہا جائے تو سب کھڑے ہوجاتے ہیں، ہم نے صفیں باندھیں اور آپ مصلّے کو چھوڑ کر اندر تشریف لے گئے، یہ کیا ماجرا ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں میرے پیارے محبوب کہ آج جو مالِ غنیمت میں ہمارے حصّے میں مال آیا تھا ہم نے وہ اللہ کے رستے میں خیرات کردیا تھا، لیکن تھوڑے سے دِرہم باقی رہ گئے تھے؛ جب ہم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہونے لگے تو دل میں خیال آیا کہ ابھی وہ دِرہم رکھے ہوئے ہیں، ہم نماز پڑھیں گے دیر ہوجائے گی جو مستحق ہیں وہ سوجائیں گے؛ ہمارے اوپر ایک رات ایسی گزرے گی جس میں ہمارے قبضے میں کچھ مال ہو۔ ہم دنیا میں مال جمع کرنے کے لیے پیدا نہیں ہوئے ہم تو مال اللہ کی راہ میں لٹانے کے واسطے پیدا ہوئے ہیں۔ ذرا غور کیا تمھیں زکوٰۃ نکالنے کا حکم دے رہے ہیں وہاں خود یہ کیفیت۔ تم سے یہ کہا جارہا ہے کہ حج کرنے کے لیے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر ایک کفنی کو پہن کر اللہ کی بارگاہ میں لبیک کہتے ہوئے کم سے کم ایک بار تو عمر میں حاضر ہوجاؤ، راہ کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔ اللہ کے عشق و محبت کا دعویٰ کیا ہے تو اللہ کے ساتھ کا تمھارے اوپر یہ حق ہے کہ ایک دن تو کم سے کم یہ دکھادو، مولیٰ کی بارگاہ میں اس نمونے کو پیش کردو کہ کیسا مال کیسی دولت، کیسی بیوی کیسے بچے، کیسے دوست کیسے احباب، کیسا بیوپار۔ سب چیزوں کو۔۔۔ یہ سوچ کہ ایک دن مرنا ہے، کفن اس طریقے سے ہوگا، وہی تین کپڑے کفن کے ہوں گے؛ وہی دو چادریں ہیں ایک کا پردہ، ایک کاندھوں پر ڈال رہا ہوں ایک سے ستر کو ڈھک رہا ہوں، باقی سب کپڑوں کو چھوڑا۔ ننگے سر، ننگے پیر، مولیٰ کی بارگاہ میں لبیک کا نعرہ بلند کرتا ہوا چلا جاؤں، دکھادوں کہ مولیٰ! تیرے لیے میری جان، تیرے لیے میرا مال۔ تم سے یہ کہا جارہا ہے کہ حج کی مشقتوں کو برداشت کرنے کے لیے ایک بار تو عمر میں تیار ہوجانا، خود میرے آقا میرے مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ جو نمونہ دکھاتے ہیں وہ یہ کہ پیٹ پر، شکمِ مبارک پر پتھر بندھے ہوئے

ہیں، روزے پر روزہ رکھ رہے ہیں؛ جس وقت اس عالم سے پردہ فرماتے ہیں تو ایک چادر سے زائد دوسری چادر نہ تھی؛ وہ چادر بھی ایسی تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر سر کو ڈھکا جاتا تھا تو پیر کھل جاتے تھے اور پیر ڈھکے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ یہ متاع تھی محمد رسول اللہ ﷺ کے دولت کدہ عالی کی۔ تم یہ سمجھتے ہو گے کہ ان کے اللہ نے ان کو دیا نہ تھا، حاشا حاشا! توبہ توبہ!!! مالک اُن کا ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے پیارے محبوب؛ اگر آپ فرمائیں تو یہ اُحد کا پہاڑ آپ کے لیے سونے اور چاندی کا کر دیا جائے، جتنا مال چاہو، حاضر ہے۔ حضو ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے مولیٰ! اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ "یا اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ، مسکینی کی حالت میں اس دنیا سے اُٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرما۔" اس واسطے کہ اگر سرکار مال داروں کی سی زندگی عیش اور عشرت کے ساتھ گزارتے تو فقیر اور مسکین یوں کہتے کہ آپ کے پاس تو مال تھا، بے فکر تھے، آپ نے خدا کی عبادت کی تو کیا کمال کیا؟ ہم کو تو محنت کرنی ہے، مزدوری کرنی ہے؛ ہم کس طرح اللہ کی عبادت کریں؟ رب فرماتا ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "یقیناً تمھارے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کے اندر بہترین نمونہ موجود۔" حقوق النفس کے لیے بتایا جا رہا ہے تم کو کہ تمھاری جان کوئی معمولی چیز نہیں ہے، بڑی قیمتی چیز ہے؛ اس کو ضائع نہ کرنا۔

میرے آقا میرے مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ نے حقوق النفس میں تعلیم فرمایا کہ تم کیا کھاؤ، کیا نہ کھاؤ، کیا پیو، کیا نہ پیو، کیا پہنو، کیا نہ پہنو، یہی نہیں کہ مردوں کو یہ بتایا گیا ہو کہ تم ریشم نہ پہنو، سونا نہ پہنو بلکہ یہ بھی بتادیا گیا کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک بدن کا چھپانا تمھارے لیے فرض۔ اسی طرح عورتوں کے لیے بتادیا گیا کہ تمھارا اپنے تمام بدن کو چھپانا تمھارے لیے فرض ہے۔ Poison ہے، زہر ہے اگر تم اپنے بدن کو کھلا رکھو گی؛ نتیجہ کیا ہوگا کہ تمھاری حیا جائے گی، تمھاری شرم جائے گی تمھارے بدن پر دوسروں کی نظریں پڑیں گی، بری نیت کے ساتھ پڑیں گی۔ وہ زہریلی نظریں تمھارے کریکٹر (Character) کو بھی خراب کر دینے والی ہوں گی۔ آج تم یورپ کی تہذیب میں ڈوب کر لپ اسٹک

لگا کر، پاؤڈر لگا کر، اُنھی جیسے بال بنا کر ٹانگوں کو اپنی کھول کر یوں کہتی ہو، جب عبدالعلیم کے سامنے آتی ہو، کہ صاحب! کیا کریں؟ اس ملک کا فیشن (Fashion) یہی ہے۔ تم ملک کے فیشن کو اختیار کرنے کے لیے ہو یا تم اس لیے بنی ہو کہ تم دنیا کے انسانوں کو محمد رسول اللہ کا فیشن دکھاؤ کہ محمد رسول اللہ نے کیا فیشن اختیار فرمایا۔ تمھاری جان کے تمھارے اوپر حقوق محمدِ عربی ﷺ نے دکھائے اور بتائے۔ انسانوں کے ساتھ تمھیں کس طرح پیش آنا، ماں کا تمھیں کیا ادب کرنا، باپ کا تمھیں کیا ادب کرنا بار بار فرمایا جاتا ہے۔ جہاں اللہ کے حقوق کا ذکر ہوتا ہے کہ لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ "اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا" لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا "شرک تو بہت ہی بڑا ظلم ہے"، وہاں اُس کے ساتھ ہی ساتھ فرمایا جاتا ہے کہ لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا "خبردار! اپنے ماں باپ کے سامنے اُف بھی نہ کرنا"، "ان کو جھڑک کر بات بھی نہ کرنا" آج جوان بیٹے باپ ہی کی دولت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، باپ ہی کے گھر میں رہ رہے ہیں باپ ہی کی موٹر میں سوار ہو رہے ہیں، باپ ہی کے پیسے کو کھا رہے ہیں، باپ ہی کی دولت پر منڈلا رہے ہیں اور باپ ہی کو گالیاں دینے اور باپ ہی کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں، وہ سمجھ لیں کہ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔ آج باپ کے دل کو دکھائیں گے کل رب العالمین جَلَّ جَلالہ و عَمَّ نوالہ کی بارگاہ میں جب جائیں گے اُس وقت باپ کا ہاتھ ہوگا اور ان کا گریبان۔ یہ نہ سمجھنا کہ اس روز باپ کی محبت جوش میں آجائے گی، اس روز ماں کی محبت جوش میں آجائے گی۔ حاشا حاشا!!! فرماتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کا کلام۔۔۔

تم نے سنا ہوگا کہ میرے آقا میرے مولیٰ محمد رسول اللہ کی والدہ ماجدہ تو اسی وقت انتقال فرما گئیں تھیں جب کہ آپ چھوٹے ہی سے تھے۔ یہ کون تھیں؟ یہ حلیما سعدیہ ہیں کہ جنھوں نے دودھ پلایا۔ جب دودھ پلانے والی ماں کے ساتھ محمد رسول اللہ کا یہ معاملہ ہے تو اصلی ماں کے ساتھ اُن کا کیا معاملہ ہوگا۔ ذرا یہاں سے اندازہ کرلو۔ فرمایا جاتا ہے: انسان پر انسانوں کے حقوق کو جتایا جاتا ہے کہ ہوش میں رہنا، خبردار! خبردار! کسی کے دل کو نہ دکھانا، کسی کو نہ ستانا، اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ "مسلمان

کون ہے؟ جس کے ہاتھ سے اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔" اگر تم نے آج اپنی زبان سے کسی کو گالی دی، کسی کو برا کہا اُس کا دل دکھایا۔ آج اگر تم نے کسی کو اپنے ہاتھ سے مارا، مارنے میں کہ اس وقت وہ تم سے بدلہ نہ لے سکے لیکن رب العالمین جل جلالہ فرماتا ہے کہ میں اپنے حقوق کو معاف کر دوں مگر اپنے بندوں کے حقوق کو معاف نہیں کروں گا۔ ذرا سوچو! نمونہ دکھاتا ہوں محمد رسول اللہ کا۔ لوگوں کے دل دکھانے والے، لوگوں کی غیبت کرنے والے، لوگوں کو گالیاں دینے والے، لوگوں کا مال کھانے والے، لوگوں کو تکلیفیں پہنچانے والے ذرا کان کھول کر سنیں کہ میرے آقا میرے مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ اس عالم سے پردہ فرما رہے ہیں، اس عالم سے رخصت ہو رہے ہیں؛ عزرائیل علیہ السلام روح کو قبض کرنے کے لیے آنے والے ہیں۔۔۔ اور اتنا تیز بخار، چادر پر ہاتھ نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اُس بخار کی حالت میں سیّدِ عالم ﷺ کے صحابہ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں، مجمع ہے؛ سیّدِ عالم چہرہ اُٹھا کر نقاب اٹھاتے ہیں، اپنے دوستوں اور اپنے صحابہ کو مخاطب فرماتے ہیں کہ اے عزیزو! اب رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کا وقت قریب آ گیا ہے؛ اب ہم اللہ کے پاس جانے والے ہیں۔ اگر تم میں سے کسی شخص کا ہمارے ذمے پر کوئی حق ہو، تم ہم سے اس کا مطالبہ کر لو اور آج لے لو؛ ہم نہیں چاہتے کہ اللہ کی بارگاہ میں ایسی حالت میں جائیں کہ کسی انسان کا کوئی حق ہمارے اوپر ہو۔ اگر کسی کا مال محمد رسول اللہ کے ذمے ہے تو آج لے لے، کسی کی جان کو ہماری جان سے تکلیف پہنچی ہو تو آج یا بدلہ لے لو یا معاف کر دو۔ صحابہ سنتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کے حقوق کو ادا نہ کر سکے: آپ پر ہمارا کیا حق ہو سکتا ہے۔ آپ تو یتیموں کی خبر لینے والے، آپ بے کسوں کے والی، آپ بے کسوں کے مولیٰ۔ آپ نے نہ کسی کو ستایا، نہ کسی کا دل دکھایا۔ ایک صحابی آتے ہیں آگے اور عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ایک مرتبہ آپ نے لکڑی میری کمر پر ماری تھی: حضور انور ﷺ چہرہ مبارک کو اٹھاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر میں نے تمہاری کمر پر لکڑی ماری تو یا تم مجھے معاف کر دو ورنہ محمد رسول اللہ کی کمر موجود ہے، بدلہ لے لو لکڑی کا۔ میں اللہ کی بارگاہ میں ایسی حالت میں نہیں جانا چاہتا کہ میرے ذمے کسی

انسان کا کوئی حق ہو۔ صحابہ کرام ان کی اس بات کو سن کر حیران رہ گئے کہ ایک صحابی، ایک ادنیٰ صحابی رسول ﷺ کے، اور یوں فرمار ہے ہیں کہ یا رسول اللہ آپ نے میری کمر پر لکڑی ماری تھی، میں اُس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ حضورِ انور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ لکڑی ہے اٹھالو اور یہ کمر موجود ہے محمد رسول اللہ کی؛ لکڑی لے کر بدلہ لے لو۔ صحابہ عرض کرتے ہیں اُن صحابی سے کہ اے بھائی! کیا غضب کر رہے ہو ایک لکڑی کے بجائے ہزار لکڑیاں ہماری کمر میں مار لو لیکن محمد رسول اللہ سے بدلہ لینے کے کیا معانی؟ وہ خاموش، جواب نہیں دیتے۔ حضورِ انور ﷺ اُٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں: جلدی کرو! جلدی کرو! اس لیے کہ رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کا وقت قریب آ گیا خدا کی بارگاہ میں جانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ جلدی کرو! جلدی کرو! وہ صحابی عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! جس وقت آپ نے میرے لکڑی ماری تھی اُس وقت میری کمر پر کپڑا نہ تھا، میری کمر ننگی تھی، آپ کی کمر کے اوپر تو چادر پڑی ہوئی ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا "برائی کا بدلہ برائی ہے اس کے برابر اُسی کے جیسی۔" میری کمر پر کپڑا نہ تھا جب آپ کی لکڑی لگی تھی؛ آپ کی کمر پر چادر پڑی ہوئی ہے؛ میں بدلہ کس طرح لوں؟ محبوبِ دو جہاں ﷺ فوراً اپنی مبارک پشت سے، مبارک کمر سے چادر کو ہٹا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جلدی آؤ، بدلہ لے لو؛ لکڑی ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں وہ صحابی پیٹھ کے پیچھے آتے ہیں؛ محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ لرز رہے ہیں کہ عرشِ الٰہی بھی اگر لرز جائے تو بجا ہے کہ آج محمد رسول اللہ کا ایک صحابی بدلہ لینے کے لیے لکڑی کو ہاتھ میں لیے ہوئے پشت کے پیچھے کھڑا ہوا ہے۔ زمین نہ دہل جائے، صحابہ گھبرا رہے ہیں؛ لیکن ذرا شان دیکھو نمونے کی محمد رسول اللہ ﷺ کے کہ کمر مبارک کو کھولے ہوئے فرماتے ہیں کہ جلدی کرو! جلدی کرو! بدلہ لے لو اس لکڑی کا جو محمد رسول اللہ کے ہاتھ سے تمہاری کمر میں لگی تھی۔ پیچھے آتے ہیں، لکڑی ہاتھ میں ہے، کمرِ مبارک کھلی ہوئی ہے، لکڑی کو ہاتھ سے رکھتے ہیں اور دونوں شانوں کے بیچ میں جو مہرِ نبوت کا نشان تھا اُس کا بوسہ لیتے ہیں، آنکھوں سے لگاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ رُوْحِیْ فِدَاکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اے اللہ کے رسول! میری جان آپ پر قربان ہو جائے۔ کیسا

لکڑی کا بدلہ؟ میں تو آخری دیدار مہرِ نبوت کا کرنا چاہتا تھا کہ پھر کہاں آنکھیں دیکھیں گی اس مہرِ نبوت کو۔ دنیا کے سامنے اس کریکٹر کو پیش کر دیا ہے۔ آج بھائیوں کے دلوں کو دکھانے والے، آج ماں باپ کے اوپر ظلم کرنے والے، آج دوست اور احباب کے مال کو کھانے والے اور ان کو ستانے والے، ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی لڑنے والے اور اُس کو گالیاں دینے والے اور اُس کی غیبت کرنے والے کان کھولیں: میلادِ محمد رسول اللہ ﷺ کے معنیٰ کیا ہیں کہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ط "یقیناً تمھارے لیے جنابِ محمد رسول اللہ کی ذاتِ اقدس واطہر کے اندر بہترین نمونہ (ہے)۔" انھوں نے اللہ کی محبت میں اللہ کی یاد میں اللہ کی عبادت میں جس طرح وقت گزارا اس کا نمونہ تمھارے سامنے موجود، انھوں نے تجارت کر کے تمھیں دکھادیا، انھوں نے معاملات کر کے تمھیں دکھادیا، اُنھوں نے سلطنت کر کے تمھیں دکھادیا، انھوں نے مزدوری کر کے تمھیں دکھادیا، اُنھوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر تم کو دکھادیا کہ دنیا کے ساتھ کس طرح پیش آنا، خدا کے ساتھ کس طرح پیش آنا، اپنے نفس کے ساتھ کس طرح پیش آنا۔ آج تمھارے لیے محمد رسول اللہ کی ذاتِ اقدس واطہر کے اندر نمونہ۔

جس وقت میرے آقا اور میرے مولیٰ اس پردۂ عالم پر تشریف لا رہے ہیں؛ حالت یہ ہے کہ دنیا گمراہی کے اندر پڑی ہوئی ہے لوگوں کو خبر ہی نہیں ہے کہ کس کے ہم پر کیا حقوق۔ نہ ماں کو جانیں، نہ باپ کو پہچانیں، نہ بھائی کے حقوق کو جانیں، نہ بہن کے حقوق کو جانیں، نہ دوست احباب کے حقوق کو جانیں۔ ایک دوسرے پر ظلم وستم کرنا اُن کی عادت تھی؛ ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا اُن کے خمیر میں تھا۔ اس طرح دنیا میں کہرام مچا ہوا ہے؛ جب اس طریقے سے عالم میں کہرام مچا ہوا ہے کہ کوئی خطہ بھی زمین کا ایسا باقی نہیں جہاں خدائے وحدہ لاشریک کا نام لینے والے اور خدا کی پوجا کرنے والے پائے جاتے ہوں اُس وقت غیرتِ الٰہی حرکت میں آتی ہے اور آقائے دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم جو ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے مالک نے سب سے پہلے پیدا فرمایا، ارشاد فرماتے ہیں کہ اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ

كُلُّهُمْ مِنْ نُوْرِيْ "میں اللہ کے نور سے بنا ہوں اور ساری کائنات میرے نور سے بنی۔"
وہ نورِ محمد رسول اللہ ﷺ جو سب سے پہلے پیدا ہوا، جس کے لیے حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ "سب سے پہلے اللہ نے جس چیز کو پیدا فرمایا وہ میرا نور تھا۔" وہ نور جس کے لیے حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ أَهْبَطَنِيَ اللّٰهُ إِلَى الْأَرْضِ فِيْ صُلْبِ آدَمَ "اللہ تعالیٰ نے مجھ کو زمین پر اتارا آدم علیٰ علیہ السلام کی پشت میں۔" وَحَمَلَنِيْ فِي السَّفِيْنَةِ مَعَ نُوْحٍ "اور سوار کیا مجھ کو کشتی میں حضرتِ نوح علیٰ علیہ السلام کی پشت میں۔" یعنی جس وقت نوح علیہ السلام ہدایتِ خَلق کے لیے آتے ہیں لوگ ان کا کہنا نہیں مانتے؛ حضرت نوح بد دعا فرماتے ہیں۔ دنیا ہلاک ہو رہی ہے اس وقت نورِ مقدسِ محمد رسول اللہ حضرت نوح علیہ السلام کی پشتِ مبارک میں موجود (تھا)۔ وہ نورِ مقدس حضرتِ نوح سے درجہ بہ درجہ منتقل ہوتا ہوا صلبِ ابراہیم میں آتا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے جا رہے ہیں تو نورِ محمد رسول اللہ ﷺ پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موجود ہے؛ اور اگر یوں کہا جائے کہ صدقہ تھا نورِ محمد رسول اللہ کا کہ توبہ آدم کی قبول ہوتی ہے، صدقہ تھا نورِ محمد رسول اللہ کا کہ نوح کی کشتی پار ہوتی ہے، صدقہ تھا نورِ محمدی کا کہ ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار بنتی ہے۔ وہ نورِ مقدس جو اگلوں میں اس طرح سے اپنے جلوے دکھاتا رہا؛ جس کسی نے بھی اُس پیارے نور کا ادب کیا، اُن کی تعظیم کی، ان کے لیے برکتوں کے دروازوں کو کھول دیا گیا۔ مالکِ عالم جَلّ جَلالہ وعم نوالہ نے ان کی پیدائش اور اُن کی تشریف آوری کا ذکر آسمانوں کے اوپر کیا۔

آج آپ نے محفلِ میلادِ محمدی، عیدِ میلادِ مصطفوی منانے کے لیے اس مقام کے اوپر اجتماع کیا ہے، ہر ہر مسجد کے اندر محفلِ میلاد منعقد ہو رہی ہے، ہر ہر مسجد کے اندر ذکرِ محمدی ﷺ بیان کیا جا رہا ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں کے اندر انگریزی میں انگریزی سمجھنے والوں کے لیے، جرمنی میں جرمنی سمجھنے والوں کے لیے، فرانسیسی میں فرانسیسی سمجھنے والوں کے لیے، عربی میں عربی سمجھنے والوں کے لیے ہر طرف سے آواز آ رہی ہے، کس چیز کی؟ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذکر کی۔ مالک ارشاد فرماتا ہے کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

"یارسول اللہ! ہم نے آپ کے ذکر کو بلند فرمایا۔" کس طرح بلند فرمایا گیا ہے کہ آج میں ہی عیدِ میلاد نہیں منا رہا، آج ہم ہی یہ محفلیں دنیا میں نہیں کر رہے؛ بلکہ انسانوں کے بننے سے پہلے مالکِ عالم نے عالمِ روحانی کے اندر محفلِ میلادِ محمد رسول اللہ منعقد کی ہے۔ انبیا و مرسلین کو بلایا جاتا ہے، اُن کی روحوں کو دعوت دی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آؤ، آؤ! اور پیارے محبوب کی ذکرِ میلاد کی مجلس میں شریک ہو جاؤ۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ "یاد کرو جب اللہ تعالیٰ جَلَّ شَانُہ نے نبیوں سے وعدہ لیا تھا کہ" لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ "کہ ہم تمھیں کتاب بھی دیں گے اور حکمت بھی دیں گے" ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ "پھر تمھارے پاس ایک بڑی عظمت والے اور بڑی شان والے رسول تشریف لائیں گے" لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط "تمھارے لیے لازم ہے کہ تم اُن پر ایمان لانا، تم پر لازم ہے کہ تم اُن کی مدد کرنا۔" ہمیں قرآن نے بتایا ہے کہ محفلِ میلاد شریف میں کیا بیان کرنا چاہیے: وہ بیان کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی محفل میں بیان فرمایا کہ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط اللہ پاک نبیوں سے کہتا ہے کہ "تم میرے پیارے محبوب محمد رسول اللہ پر، ایمان لانا، ان کی مدد کرنا۔" ہم ذکرِ پاکِ محمد رسول اللہ کو یہاں بیان کر کے تم سے کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ کے پیارے بندو! ایمان لاؤ محمد رسول اللہ پر، مدد کرو محمد رسول اللہ کی، پکڑو مضبوطی کے ساتھ دامنِ محمدی ﷺ کو۔ جو عزت کرتے ہیں محمد رسول اللہ کی، اللہ کی رحمت اُن کے اوپر نازل ہوتی ہے۔ جو سرکار کی توہین کرتے ہیں، ان کے لیے بربادی آتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف آوری محمد رسول اللہ کا مژدہ سناتے ہوئے آئے: دنیا کو بتاتے ہوئے آئے کہ وہ رسولِ عظیم الشان دنیا میں اب تشریف لانے والے ہیں۔ حضورِ انور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِيْنَتِهٖ "میں تو اللہ کے نزدیک نبیوں کا ختم کرنے والا لکھا ہوا ہوں اسی وقت سے جب کہ آدم علیہ السلام اپنے پانی اور مٹی ہی کے اندر پڑے ہوئے تھے۔" ہم اسی وقت نبی بن چکے تھے۔ فرماتے ہیں کہ اَنَا دُعَآءُ اِبْرَاهِيْمَ "میں دعا ہوں ابراہیم علیہ السلام کی"، وَبِشَارَةُ

عیسیٰ "اور بشارت ہوں عیسیٰ علیہ السلام کی"، وَرُؤْيَا اُمِّيَ الَّتِيْ رَأَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ "اور میں تعبیر ہوں اُن خوابوں کی جو میری والدہ ماجدہ نے میری پیدائش سے پہلے دیکھے۔" اور نبیوں کی مائیں اِسی صورت سے دیکھا کرتی ہیں۔ کیا خواب تھے؛ کہ ہر مہینے میں کوئی نہ کوئی آنے والا آتا ہے اور خواب کے اندر حضرتِ آمنہ خاتون، آپ کی والدہ ماجدہ، کو بشارت دیتا ہے کہ اے آمنہ! مبارک ہو تم کو کہ تمھارے پیٹ سے پیدا ہونے والے ہیں دونوں جہان کے تاج دار۔ جب وہ پیدا ہوں تو اُن کا نامِ نامی رکھنا محمد رسول اللہ۔ کہنے والے عاشق اِسی واقعے کو بیان فرماتے ہیں کہ:

ملائک آمنہ خاتون کو مژدہ سناتے ہیں ابوالقاسم محمد مصطفیٰ تشریف لاتے ہیں

فرشتے منتظر ہیں آمنہ خاتون کے گھر میں کہ اب حضرت جمالِ حق نما اپنا دکھاتے ہیں

حرم سے کعبہ ملکِ شام روشن ہے زمیں یکسر کہ دارالملک جن کا شام ہے وہ شاہ آتے ہیں

اگر کعبے کی دیواریں کریں سجدہ عجب کیا ہے کہ مصداقِ دعائے حضرت ابراہیم آتے ہیں

یہ محفل محفلِ میلاد ہے آداب سے آکر سنو اخلاص سے ذکرِ رسول اللہ سناتے ہیں

آٹھویں، نویں، دسویں یا بارھویں تاریخ ہے ربیع الاول شریف کی کہ حضرتِ آمنہ خاتون کے بطنِ مبارک سے صورتِ جسمانی کو اختیار فرما کر دونوں جہان کے تاج دار حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے ہیں۔

وُلِدَ الْحَبِيْبُ وَمِثْلُهٗ لَايُوْلَدُ وُلِدَ الْحَبِيْبُ وَخَدُّهٗ يَتَوَرَّدُ

وُلِدَ الْحَبِيْبُ مُكَحَّلًا وَّمُطَيَّبًا وَالنُّوْرُ مِنْ وَّجَنَاتِهٖ يَتَوَقَّدُ

جِبْرِيْلُ نَادٰى فِيْ مَنَصَّةِ حُسْنِهٖ هٰذَا مَلِيْحُ الْكَوْنِ هٰذَا أَحْمَدُ

يَاعَاشِقِيْنَ تَوَلَّهُوْا فِيْ حُبِّهٖ هٰذَا خِتَامُ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدُ

صَلُّوْا عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّعَشِيَّةً أَلْفَ الصَّلٰوةِ مَعَ السَّلَامِ وَزَيِّدُوْا

ملائکہ مقربین، حورانِ بہشتی دربارِ محمدی ﷺ میں ادب کے ساتھ سلام کو پیش

کرتے ہیں۔ مالکِ عالم ہمیں تمھیں بھی حکم دے رہا ہے اور یوں کہتا ہے: اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے، فرشتے رحمت لے کر آتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی اُنی پر درود بھیجو، اُن پر سلام بھیجو۔ اب تک بیٹھے بیٹھے درود و سلام پڑھتے رہے؛ اب ادب کے ساتھ دربارِ محمدی کے اندر توجہ کرتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ؛ یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم سلام عرض کرتے ہیں اور حضور سُن رہے ہیں اور ادب کے ساتھ سلام عرض کرو دربارِ محمدی ﷺ میں۔

یَانَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْکَ یَارَسُوْلْ سَلَامٌ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبْ سَلَامٌ عَلَیْکَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیْکَ

اَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا فَاخْتَفَتْ مِنْهُ الْبُدُوْرُ مِثْلَ حُسْنِكَ مَارَاَیْنَا قَطُّ یَاوَجْهَ السُّرُوْرِ

یَانَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْکَ یَارَسُوْلْ سَلَامٌ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبْ سَلَامٌ عَلَیْکَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیْکَ

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِیْ وَجَبَتْ شُکْرُ عَلَیْنَا مَادَعَا لِلّٰهِ دَاعِیْ

یَانَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْکَ یَارَسُوْلْ سَلَامٌ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبْ سَلَامٌ عَلَیْکَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیْکَ

عَبْدُکَ الْمِسْکِیْنُ یَرْجُوْا فَضْلَکَ الْجَمَّ الْغَفِیْرَ فِیْکَ قَدْ اَحْسَنْتُ ظَنِّیْ یَابَشِیْرُ یَانَذِیْرُ

یَانَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْکَ یَارَسُوْلْ سَلَامٌ عَلَیْکَ
یَاحَبِیْبْ سَلَامٌ عَلَیْکَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیْکَ

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہریارِ ارم تاجدارِ حرم نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
ایک میرا ہی رحمت میں حصہ نہیں میرے مولیٰ کی اُمت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَحْمَدَ الْمُجْتَبٰی مَوْلَانَا مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ٥ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اِنَّا قَدْ حَضَرْنَا فِیْ ذِکْرِ نَبِیِّکَ

الْكَرِيْمِ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ اَللّٰهُمَّ يَا نُوْرَ قُلُوْبِ الْعَارِفِيْنَ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ يَا اَللّٰهُ وَطَهِّرْ قُلُوْبَنَا عَمَّا سِوَاكَ يَا اَللّٰهُ وَحَرِّقْ قُلُوْبَنَا بِنَارِ عِشْقِكَ يَا اَللّٰهُ وَارْزُقْنَا اِزْدِيَادَ مَحَبَّتِكَ يَا اَللّٰهُ ○ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُحِبِّيْنَ الْمَحْبُوْبِيْنَ الْمُقَرَّبِيْنَ الْعَاشِقِيْنَ لِعِشْقِكَ الْكَرِيْمِ يَا اَللّٰهُ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ○ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَبِطَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ ○ اَللّٰهُمَّ بِبَرَكَةِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ الْمُبَارَكَةِ يَا اَللّٰهُ اِقْضِ حَاجَاتِنَا يَا مَوْلَانَا يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ وَاكْفِ مُهِمَّاتِنَا يَا كَافِيَ الْمُهِمَّاتِ وَاشْفِ مَرْضَانَا وَمَرْضَى الْمُسْلِمِيْنَ يَا شَافِيَ الْاَمْرَاضِ ○ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اِرْحَمْ عَلَيْنَا يَا اَللّٰهُ وَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا يَا اَللّٰهُ وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا يَا اَللّٰهُ ○ اَللّٰهُمَّ اقْضِ حَاجَاتِنَا وَحَاجَاتِ كُلِّ مَنْ اَوْصَانَا بِالدُّعَاءِ يَا اَللّٰهُ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ○ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا وَعَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا بِسِرِّ اَسْرَارِ الْفَاتِحَةِ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ درود شریف

هَلْ بَلَّغْتُ هَلْ بَلَّغْتُ هَلْ بَلَّغْتُ "کیا میں نے پہنچا دیا؟ کیا میں نے پہنچا دیا؟ کیا میں نے پہنچا دیا؟"

میں بھی آج تم سے پوچھتا ہوں کہ بولو میں نے اللہ کے احکام کو پہنچا دیا؟ میں نے اللہ کے احکام کو پہنچا دیا؟ میں نے اللہ کے حلال اور حرام کو بتا دیا؟ میں نے اللہ کے فضل سے جو کچھ اللہ کے دین کی خدمت میں کرسکتا تھا وہ میں نے کی، میں نے اپنے حق کو جو تمہارا حق میرے ذمّے تھا میں نے الحمدللہ اُس کو ادا کردیا، اب تم جانو کہ تمہارے ذمّے کیا حق ہے۔ میں اب اس سے زائد نہیں ٹھہر سکتا ہوں؛ کام میرے پاس بہت زائد ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جمعرات کے دن ۴ دسمبر کو صبح ۶ بجے ایروڈروم aerodrome (ہوائی اڈا یا airport) پر میں پہنچ جاؤں گا، انشاء اللہ تعالیٰ ۷ بجے پلین Plane (ہوائی جہاز) ہے اُس سے کمبلی جاتا ہوں اور کمبلی سے انشاء اللہ تعالیٰ ڈربن پہنچتا ہوں۔ ڈربن سے انشاء اللہ تعالیٰ وہاں کے کام پورا کر کے پھر مجھے موریشس، آسٹریلیا اور دوسرے علاقوں کے کام کو

دیکھنے کے لیے جاتا ہے۔ وقت میرے پاس بہت تھوڑا ہے اس لیے میں آپ حضرات سے رخصت ہوتا ہوں اور سنّتِ محمدی ﷺ کے اصول کے مطابق جیسا ابھی آپ کو سنا چکا ہوں پھر عرض کرتا ہوں کہ میں نے اللہ کے احکام کو پہنچا دیا۔ اگر تم میں سے کسی کا کوئی حق میرے ذمّے ہو، میری زبان سے یا میرے ہاتھ سے کسی کو اگر کوئی تکلیف پہنچی ہو اور تمھارا کوئی حق میرے ذمّے رہ گیا ہو تو خدا کے لیے اُس کو معاف کردو یا مجھ سے بدلہ لے لو میں تیار ہوں؛ لیکن اللہ کی بارگاہ میں ایسی صورت سے جانے کے لیے تیار نہیں کہ جس میں خدا کے کسی بندے کا میرے ذمّے کوئی حق ہو۔ اگر میں نے تمھارا کوئی حق لیا ہو، میں نے کسی کی غیبت کی ہو، میں نے کسی کو برا کہا ہو، کسی کا دل میری وجہ سے دکھا ہو، تو مجھ کو معاف کرنا۔ الحمدللہ کہ میں نے اپنی جان کے لیے کسی کو ستایا نہیں؛ ہاں البتہ اَحکامِ الٰہی سنانے میں خدا کے حکم کے بتانے میں اگر میں نے شدّت کو اختیار کیا ہے تو وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق اختیار کیا ہے اس میں اگر کسی کا دل دُکھا ہو تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ میں اللہ کی رضا چاہتا ہوں؛ اللہ کے بندوں کی رضا سے مجھے کوئی بحث نہیں۔ مَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ۔

حواشی وحوالہ جات:

ا۔ پارہ ۱۱، سورۂ توبہ، آیات: ۱۲۸ تا ۱۲۹............ ۲۔ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور، جلد ۳۰، صفحہ ۶۶۷ کے حاشیے میں اس حدیث قدسی کے یہ دو حوالے درج ہیں۔ (الف) المواہب اللدنیۃ المقصد الاوّل، المکتب الاسلامی بیروت ۱/۷۰، (ب) مطالع المسرات، الحزب الثانی، مکتبۂ نوریہ رضویہ، فیصل آباد ص ۲۶۴............ ۳۔ حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے "مقالاتِ سعیدی" مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور، ستمبر ۱۹۹۵ء کے صفحہ ۱۳۸ اور ۱۳۹ پر اس حدیثِ قدسی کے درج ذیل حوالے دیئے ہیں۔ (الف) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، دفتر سوم، حصہ نہم، صفحہ ۱۵۵، مکتوب ۱۲۲۔ (ب) ایضا، صفحہ ۱۷۶، مکتوب ۱۲۴۔ (ج) روح المعانی، جلد ۱، صفحہ ۵۱۔ (د) ذوالفقار علی دیوبندی، مولوی، "عطر الوردہ شرح قصیدہ بردہ"، ۱۷، ۲۵............ ۴۔ پارہ: ۶، سورۂ مائدہ، آیت: ۳............

۵۔ پارہ ۲۸، سورۂ جمعہ، آیت: ۲.......... ۶۔ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ "حدائقِ بخشش" .... ۷۔ پارہ ۲۱، سورۂ احزاب، آیت: ۲۱..........۸۔ پارہ ۲۸، سورۂ حشر، آیت: ۷.......... ۹۔ پارہ ۳۰، سورۂ انفطار، آیات: ۶ تا ۷...... ۱۰۔ (الف) حضرت شیخ ولی الدین محمد (متوفی ۷۴۲ھ) بن عبداللہ الخطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیثِ مبارکہ مشکوٰۃ شریف، ص ۱۰۸ تا ۱۰۹، کتاب الصلوٰۃ، باب التحریض علی قیام اللیل، فصلِ اوّل میں بخاری و مسلم کے حوالے سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (ب) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، "صحیح مسلم" جلد۲، ص ۳۷۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۷۵ھ۔ (ج) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، جلد۱، ص ۱۵۲، کتاب التہجد، باب قِيَامُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ۔.......... ۱۱۔ پارہ ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت: ۷.......... ۱۲۔ یہاں ایک دو لفظ تھے، جو سمجھ نہیں آسکے۔ مفہوم یہ ہے کہ سب چیزوں کو ایک طرف کر کے یہ سوچ کہ ایک دن مرنا ہے۔.......... ۱۳۔ مشکوٰۃ شریف، صفحہ: ۴۴۷، باب فضل الفقراء، فصل ثانی میں حضرت انس اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ (ترمذی، بیہقی فی شعب الایمان، ابن ماجہ).......... ۱۴۔ پارہ ۲۱، سورۂ احزاب، آیت: ۲۱.......... ۱۵۔ پارہ ۲۱، سورۂ لقمٰن، آیت: ۱۳.......... ۱۶۔ پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۲۳.......... ۱۷۔ یہاں تقریر کا کچھ حصہ کٹا ہوا ہے، سی ڈی میں ریکارڈ ہونے سے رہ گیا ہے۔.......... ۱۸۔ یہ حدیث پاک مشکوٰۃ شریف، ص ۱۲، کتاب الایمان، فصلِ اوّل میں بخاری و مسلم کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔.......... ۱۹۔ یہاں بھی خطاب کا کچھ حصہ کٹا ہوا ہے، جو سی ڈی میں ریکارڈ نہیں ہے۔.......... ۲۰۔ پارہ ۲۵، سورۂ شوریٰ، آیت: ۴۰.......... ۲۱۔ پارۂ ۲۱، سورۂ احزاب، آیت: ۲۱۔ .... ۲۲۔ مصنف عبدالرزاق جزء المفقود مترجم، حدیث ۱۸، ص ۹۷، مکتبہ قادریہ، لاہور.......... ۲۳۔ اس حدیث مبارکہ کو شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوت جلد اول کے مقدمے میں اور امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی نے یک روزہ میں ذکر کیا ہے۔ شیخ محقق ہی کے حوالے سے اس حدیث کو مولوی رشید احمد گنگوہی (دیوبندیوں کے مقتدا) نے فتاویٰ رشیدیہ میں نقل کیا۔ علاوہ ازیں یہ حدیث پاک بہت سے اکابر علماء محدثین کی تصانیف میں مذکور ہے۔.......... ۲۴۔ تفسیر درمنثور، سورۂ توبہ، زیر آیت نمبر ۱۲۸...... ۲۵۔ پارہ

۲۵۔ سورہ انشراح (اَلَمْ نَشْرَحْ) آیت:۴..........۲۶۔ پارہ ۳، سورہ الِ عمران، آیت: ۸۱..........۲۷۔ پارہ ۳، سورۂ آل عمران، آیت: ۸۱......۲۸۔ پارہ ۳، سورہ الِ عمران، آیت: ۸۱۔..........۲۹۔ یہ حدیث مبارکہ "رَاَتْ حِیْنَ وَضَعَتْنِیْ" تک مشکوٰۃ شریف، صفحہ: ۵۱۳، باب فضائل سید المرسلین صَلَوٰتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ، فصلِ ثانی میں "شَرْحُ السُّنَّۃِ" کے حوالے سے حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت کی گئی ہے۔ البتہ مشکوٰۃ شریف میں یہاں لفظ "دُعا" کی جگہ "دعوۃ" بمعنی دُعا ہے۔ ممکن ہے کہ حدیث کی کسی دوسری کتاب یا روایت میں "دعا" کا لفظ موجود ہو۔ جگہ "دعوۃ" بمعنی دُعا ہے۔ ممکن ہے کہ حدیث کی کسی دوسری کتاب یا روایت میں "دُعا" کا لفظ موجود ہو..........۳۰۔ یہ کلام مبلغ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف "ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم" حصہ اول، صفحہ ۱۱۳ پر بھی موجود ہے۔ اس کے مقطع میں "حکیم" تخلص ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام مبلغ اعظم کے والد ماجد حضرت علامہ شاہ عبدالحکیم جوشؔ و حکیمؔ صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ "ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم" میں یہ کلام اس طرح ہے:

ملائکہ آمنہ خاتون کو مژدہ سناتے ہیں ابوالقاسم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں

حبیب اللہ کی ام القریٰ میں آمد آمد ہے شواہد قدرت حق کے خلائق کو دکھاتے ہیں

اگر کعبہ کی دیواریں کریں سجدہ عجب کیا ہے کہ مصداق دُعائے حضرت ابراہیم آتے ہیں

فرشتے منتظر ہیں آمنہ خاتون کے گھر میں کہ اب حضرت جمالِ حق نما اپنا دکھاتے ہیں

حرم سے کعبہ ملک شام روشن ہے زمیں یکسر کہ دارالملک جن کا شام ہے وہ شاہ آتے ہیں

یہ محفل محفلِ میلاد ہے آداب سے آکر سنو اخلاص سے ذکر رسول اللہ سناتے ہیں

حکیم اب وقت بہتری ہے در احمد پہ جا بیٹھو حیات جاودانی جس جگہ عشاق پاتے ہیں

۳۱۔ خطاب کے بعد یہ دونوں سلام خود مبلغ اعظم حضرت علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھے اور سلام کے بعد عربی دُعا بھی کی پھر ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ کر آیت: "ان اللّٰہ وملئکتہ" اور درود شریف پڑھی۔ اس کے بعد کچھ الوداعی کلمات ارشاد فرمائے جن کا ابتدائی حصہ ریکارڈنگ میں کٹا ہوا ہے بقیہ حصہ "ھَلْ بَلَّغْتُ" سے آخر تک یہاں درج کیا گیا ہے۔

فضیلتِ شبِ ولادت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا محمد ناصر خان چشتی

نسبت ایک عظیم حقیت، ایک محکم اساس اور مضبوط ستون ہے، اسلام، اسلامی معاشرہ اور اسلامی تہذیب وتمدن کی عمارت کی مضبوطی میں نسبت کا بڑا عمل دخل ہے۔ اسلامی معاشرہ کا قیام، استحکام اور بقاء بھی نسبتوں کی فضیلت اور پاسداری پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مناسک حج میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتوں پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ قربانی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کیا جاتا ہے۔ نمازوں میں انبیاء کرام کی سنتوں پر عمل کیا جاتا ہے۔

نسبت کی اہمیت اور فضیلت کیا ہے۔ تمام کپڑے روئی اور دھاگوں سے تیار ہوتے ہیں اور کپڑوں کو کوئی فی نفسہ کوئی مقام حاصل نہیں لیکن اگر کسی کپڑے سے قرآن پاک اور کعبۃ اللہ کا غلاف بنایا جائے تو اس کا مقام و مرتبہ بڑھ جاتا ہے۔۔۔ کاغذ کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور انہی کاغذوں پر اخبار، ناول، کہانیاں شائع کی جاتی ہیں جس کا کوئی مقام نہیں لیکن جس کاغذ پر آیاتِ قرآن، تفسیر قرآن، احادیث مبارکہ اور اسمائے مقدسہ لکھ دیئے جائیں تو اس کا مقام و مرتبہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ لکڑیاں عام درختوں سے حاصل کی جاتی ہیں اور ان سے میز کرسیاں فرنیچر تیار ہوتا ہے جس کا کوئی مقام نہیں ہوتا لیکن اگر اسی لکڑی سے قرآن کا رحل اور منبر بنایا جائے تو اس کا مقام و مرتبہ بڑھ جاتا ہے۔۔ دنیا بھر میں پانی موجود ہے۔ دریا اور سمندر پانی سے بھرے پڑے ہیں لیکن جس پانی کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نسبت ہوگئی تو وہ آبِ زم زم مقدس و متبرک بن گیا اور کروڑوں اہل ایمان آبِ زم زم کو تبرک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

اسی طرح تمام ایام اور راتیں برابر ہیں لیکن جس دن اور رات کو اللہ تعالیٰ کے محبوب اور محسن کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد و بعثت کی نسبت حاصل ہے، اس کا مقام

و مرتبہ اور اس کی عظمت وفضیلت باقی ایام سے کہیں بڑھ کر ہے۔

نسبتوں کی عظمت واہمیت

نسبتوں کو اہمیت دینا اور نسبتوں کی پاسداری کرنے کا سبق ہمیں قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں کئی مقامات پر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں، رسولوں، ولیوں اور بزرگوں کے ادب واحترام کی تعلیم دی ہے اور ان سے نسبت رکھنے والے مکان وزماں اور اشیاء کا مقام ومرتبہ بلند فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کی ولادت اور اقامت والے شہر مکہ مکرمہ کی قسم فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ○	میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں (اے حبیب مکرم ﷺ) اس لیے کہ آپ اس شہر (مکہ مکرمہ) میں تشریف فرما ہیں۔
(سورۃ البلد: آیت ۲۔۱)	

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ سے نسبت رکھنے والے شہر (مکہ مکرمہ) کی قسم اس لیے نہیں فرمائی کہ اس میں بیت اللہ شریف ہے، اس میں حجر اسود اور آبِ زمزم ہے اور یہاں مناسک حج ادا کیے جاتے ہیں بلکہ اس لیے قسم فرمائی کہ اس شہر میں اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بستے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی نسبت اور برکت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔	(یوسف علیہ السلام نے فرمایا) میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو اُن کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔
(سورۂ یوسف، آیت ۹۳)	

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اسلام، جہاد فی سبیل اللہ اور غازیوں سے نسبت رکھنے والے گھوڑوں کی بھی قسم فرمائی ہے۔ ارشاد خداوند قدوس ہے:

والعٰدیٰت ضبحا ○ فالموریٰت قدحا ○ فالمغیرات صبحا ○ (سورۃ العادیات، آیت ا تا ۳)

(میدان جہاد میں) تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم جو ہانپتے ہیں، پھر جو پتھروں پر سُم مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں، پھر جو صبح ہوتے ہی (دشمن پر) اچانک حملہ کر ڈالتے ہیں۔

ان آیات مقدسہ سے واضح ہوا کہ جس مکان وزمان کو، جس دن اور رات کو، جس ذات کو، جس کتاب کو، جس گھر کو، جس کام کو اور جس چیز کو بھی حضور سید عالم ﷺ سے نسبت حاصل ہے، ہمیں ان سب کی تعظیم وتکریم کرنی ہے کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہے۔

ربیع الاول اور پیر کے دن کی عظمت

حضور سید عالم ﷺ کے ساتھ جس چیز کو بھی نسبت کا شرف حاصل ہو جائے تو اس کی قدر ومنزلت اور عظمت کے بارے میں کس کو شک وشبہ ہوسکتا ہے۔ یوں تو تمام مہینوں کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا اور ہر ایک مہینہ کی عظمت وفضیلت اور مقام اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن ماہ ربیع الاول کو یہ عظیم الشان شرف حاصل ہے کہ یہ مہینہ حضور نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہے کیونکہ اسی ماہ مقدس کی بارہ تاریخ کو سید الانبیاء والمرسلین، باعث تخلیق کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اس بزمِ عالم میں رونق افروز ہوئے۔

ولادت النبی ﷺ کی تاریخ کی تحقیق

حضور نبی کریم ﷺ کے ولادت باسعادت کے مہینے اور دن پر تو تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ماہ ربیع الاول میں پیر کے دن اس دنیا میں رونق افروز ہوئے، جبکہ تاریخ میں بعض لوگوں نے اختلاف کیا ہے لیکن مستند علماء کرام، محققین اور نامور مؤرخین کے نزدیک ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ ہی مستند ومعتبر ہے۔

عالم اسلام کے ممتاز اسکالر، فقیہ ملت پروفیسر مفتی منیب الرحمن اپنی کتاب "تفہیم

المسائل" میں حضور نبی کریم ﷺ کی تاریخ ولادت کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تحقیقات سے اتفاق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ فخر کائنات سرورِ دوعالم ﷺ کا یومِ میلاد دوشنبہ (پیر) کا دن تھا، اس پر بھی تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ ربیع الاول کا بابرکت مہینہ تھا اور متقدمین و متاخرین کا اجماع اسی پر ہے کہ تاریخِ ولادت ۱۲ ربیع الاول، عام الفیل ہے۔

(تفہیم المسائل: ج ۴ ص ۴۸۱، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

مشہور مورخ امام ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

ولد رسول ﷺ یوم الاثنین عام الفیل لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت من شهر ربیع الاول

رسول کریم ﷺ کی ولادت با سعادت پیر کے دن ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو عام الفیل میں ہوئی۔

(تاریخ طبری: جلد ۲ صفحہ ۱۲۵)

معروف سیرت نگار علامہ ابن ہشام (متوفی ۲۱۳ھ) اولین سیرت نگار امام محمد بن اسحاق کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

ولد رسول ﷺ یوم الاثنین عام الفیل لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من شهر ربیع الاوّل

رسول کریم ﷺ کی ولادت با سعادت پیر کے دن ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو عام الفیل میں ہوئی۔

(سیرۃ النبویہ، جلد ۱ صفحہ ۱۵۸، مطبوعہ بیروت لبنان)

مشہور مورخ علامہ ابنِ خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) جو فلسفہ اور علم تاریخ کے امام اور موجد تسلیم کئے جاتے ہیں، وہ نبی کریم ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولد رسول اللہ ﷺ عام الفیل لا

رسول کریم ﷺ کی ولادت باسعادت

لثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول لا ربعین سنۃ من ملک کسری نو شروان۔

عام الفیل میں ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی جبکہ نوشیروان کی حکمرانی کا چالیسواں سال تھا۔

(تاریخ ابن خلدون: جلد ۲ صفحہ ۷۱۰، مطبوعہ بیروت)

عصر حاضر کے سیرت نگار محمد صادق ابراہیم عرجون، جو جامعہ ازہر مصر کے کلیہ "اصول الدین" کے مدیر رہے ہیں، اپنی تصنیف "محمد رسول اللہ" میں لکھتے ہیں:

وقد صح من طرق کثیرۃ انّ محمدا علیہ السلام ولد یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ مضت من شہر ربیع الاول عام الفیل فی زمن کسریٰ نوشروان ویقول اصحاب التوفیقات التاریخیۃ انّ ذالک یوافق الیوم المکمل للعشرین من شہر اغسطس ۵۷۰م بعد میلاد المسیح علیہ السلام۔

"بکثرت طرقِ روایت سے یہ بات صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ عام الفیل اور کسریٰ نوشیرواں کے زمانے میں بروز دوشنبہ (پیر) بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور ایسے علماء جو شمسی اور قمری تاریخوں میں مطابقت کرتے ہیں، نے کہا ہے کہ اس دن شمسی تاریخ ۲۰ اگست ۵۷۰ء بنتی ہے"۔

(محمد رسول اللہ، جلد ۱، ص: ۱۰۲، مطبوعہ: دارالقلم، دمشق)

مفتی محمد شفیع دیوبندی (متوفی ۱۳۹۶ھ) "سیرت خاتم الانبیاء" میں رقمطراز ہیں............ "الغرض جس سال اصحابِ فیل کا حملہ ہوا، اس کے ماہ ربیع الاول کی بارھویں تاریخ کے روز دوشنبہ دنیا کی عمر میں ایک نرالا دن ہے کہ آج پیدائش عالم کا مقصد، لیل و نہار کے انقلاب کی اصلی غرض، آدم اور اولادِ آدم کا فخر، کشتی نوح کی حفاظت کا راز، ابراہیم کی دعا، موسیٰ و عیسیٰ کی پیش گوئیوں کا مصداق یعنی ہمارے آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ رونق افزائے عالم ہوتے ہیں"۔

(سیرت خاتم الانبیاء: ص ۲۰، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اس موضوع پر تحقیقی اور مدلل بحث رقم کرتے ہوئے اپنے وقت کے ممتاز عالم دین پیر محمد کرم شاہ الازہری اپنی مایہ ناز تصنیف "ضیاء النبی ﷺ" میں لکھتے ہیں:

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں یہی تاریخ روایت کی ہے، چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں:

رواہ ابن ابی شیبة فی مصنفه عن عفّان عن سعید بن میناء عن جابرٍ وابن عباس انّھما قالا ولد رسول الله ﷺ عام الفیل یوم الاثنین الثانی عشر من شھر ربیع الاول وفیه بُعِثَ وفیه عُرِجَ به الی السمآء وفیه ھاجر وفیه مات وھذا ھو المشھور عند الجمھور۔

"حضرت جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ عام الفیل روز دوشنبہ (پیر) بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے، اسی روز آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، اسی روز آپ کو معراج عطا ہوئی، اسی روز آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کی اور آپ ﷺ کے وصال مبارک کا دن بھی یہی ہے، جمہور امت کے نزدیک یہی تاریخ (بارہ ربیع الاول) مشہور ہے"۔

اس روایت کے پہلے راوی ابوبکر بن ابی شیبہ ہیں، اُن کے بارے میں ابوزرعہ رازی (متوفی ۲۶۴ھ) کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے بڑھ کر حافظِ حدیث نہیں دیکھا۔ محدث ابن حبان فرماتے ہیں کہ ابوبکر عظیم حافظِ حدیث تھے۔ دوسرے راوی عفان ہیں، اُن کے بارے میں محدثین کی رائے ہے کہ عفان ایک بلند پایہ امام، ثقہ اور صاحبِ ضبط و اتقان ہیں۔ تیسرے راوی سعید بن میناء ہیں، اُن کا شمار بھی ثقہ راویوں میں ہوتا ہے۔ یہ صحیح الاسناد روایت دو جلیل القدر صحابہ حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

(تفہیم المسائل، بحوالہ ضیاء النبی: ج ۲، ص ۳۳ تا ۳۹، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

علوم قرآن و سنت اور سیرت و تاریخ کے ان مستند و معتبر علماء کرام، محققین اور مؤرخین کے ان حوالوں کے علاوہ سیرت اور تاریخ کی سینکڑوں کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول لکھی گئی ہے۔ مضمون کی طوالت کی وجہ سے صرف انہی حوالہ جات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

فضیلتِ صبح عیدِ بہاراں (ولادت النبی ﷺ)

حضور سید عالم ﷺ اس بزم جہاں میں "پیر" کے دن تشریف لائے، اس لیے آپ ﷺ اپنا یوم میلاد منانے اور اپنی ولادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے ہر "پیر" کے دن روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ ہر پیر کے دن روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

ذالک یوم ولدت فیہ — یہ وہ دن ہے جس دن میری ولادت ہوئی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الصیام)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہر پیر کے دن روزہ رکھتے تھے۔ نیز یہ کہ آپ ﷺ نے خود اپنے یوم میلاد کی عظمت و اہمیت کو اجاگر کیا اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ظاہر کرتے ہوئے تحدیث نعمت کے طور پر اللہ تعالیٰ کا (روزے کی صورت میں) شکر بھی ادا کیا۔

فضیلتِ شب ولادت النبی ﷺ (بارہ ربیع الاوّل) کے حوالے سے علامہ احمد قسطلانی (متوفی ۹۱۱ھ) اپنی مایہ ناز تصنیف "المواھب اللدنیہ" میں ایک بڑا ایمان افروز اور روح پرور نکتہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی شب ولادت (بارہ ربیع الاول) شب قدر سے افضل و اعلیٰ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کی تین وجوہ ہیں۔

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شب ولادت آپ ﷺ کی ذات گرامی کے ظہور کی رات

ہے اور شب قدر آپ ﷺ کو عطا کی گئی ہے اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لحاظ سے شب ولادت، شب قدر سے افضل و اعلیٰ ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شب قدر، نزولِ ملائکہ کی وجہ سے مشرف ہے اور شب ولادت بہ نفسِ نفیس آپ ﷺ کے ظہور کی وجہ سے شرف یاب ہے اور وہ ذات جس کی وجہ سے شب ولادت کو عظمت و فضیلت دی گئی ہے، یقیناً ان صفات سے افضل ہے جن کی وجہ سے شب قدر کو فضیلت دی گئی ہے، لہٰذا شب ولادت، شب قدر سے افضل واقع ہوئی۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر میں صرف امت مصطفوی ﷺ پر فضل و انعام واقع ہوتا ہے اور شب ولادت النبی ﷺ میں تمام مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہوا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں (کی مخلوقات) کے لیے سراپا رحمت (رحم کرنے والا) بنا کر بھیجا ہے۔

جس کی بدولت تمام مخلوقاتِ عالم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور رحمتیں عام ہوئی ہیں، چنانچہ اس لحاظ سے بھی شب ولادت النبی ﷺ کا نفع بہت زیادہ ہے اور یہی افضل و اعلیٰ ہے۔ (المواہب اللدنیہ: جلد ا صفحہ ۷۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

علامہ ابن الحاج (متوفی ۷۳۷ھ) ماہ ربیع الاول اور پیر کے دن کی عظمت واہمیت کے سلسلے میں ایک نہایت ایمان افروز اور روح پرور نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ......

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت ماہ ربیع الاول میں پیر کے دن ہوئی، ماہ رمضان میں نہیں ہوئی کہ جس میں قرآن نازل ہوا، نہ لیلۃ القدر میں ہوئی، نہ شعبان کی پندرھویں شب (شب برأت) میں ہوئی، نہ جمعہ کے دن اور نہ اس کی شب میں ہوئی، اس میں کیا حکمت ہے؟۔

علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں کہ اس کا جواب چار طریقوں سے ہے:

الاول...... پہلا طریقہ یوں ہے کہ درخت اور پھل وغیرہ پیر کے دن پیدا کیے گئے اور اس میں یہ خاص نکتہ اور اشارہ ہے کہ جس طرح انسان کی مادی حیات کے اسباب پیر کے دن بنائے گئے، اسی طرح اس کی روحانی حیات کا سبب کامل (یعنی حضور نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کو) بھی پیر کے دن پیدا کیا گیا۔

الثانی......دوسرا طریقہ یوں ہے کہ "ربیع" کے معنی ہیں "بہار" اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسانیت کا گلشن یوں تو صدیوں سے آباد تھا لیکن اس میں بہار اس وقت آئی جب حضور سید عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

الثالث......تیسرا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح "فصل ربیع" تمام فصلوں سے افضل و اعلیٰ ہوتی ہے، اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی شریعت بھی تمام شریعتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔

الرابع...... چوتھا طریقہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اگر رمضان المبارک، لیلۃ القدر، جمعہ کی شب کو پیدا ہوتے تو ان اوقات سے آپ ﷺ کو فضیلت ملتی اور جب آپ ﷺ ماہ ربیع الاول میں پیر کے دن پیدا ہوئے تو اس ماہ اور اس دن کو آپ ﷺ کی بدولت عظمت و فضیلت ملی ہے۔ اور امر واقعہ بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی سے فضیلت نہیں پاتے بلکہ کائنات میں جو بھی فضیلت پاتا ہے وہ آپ ﷺ کی (نسبت کی وجہ) سے ہی فضیلت پاتا ہے۔ (المدخل: جلد ۱ صفحہ ۲۶۔۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)

محقق علی الاطلاق حضرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: "بے شک حضور سرور عالم ﷺ کی شب ولادت، شب قدر سے بھی افضل ہے، کیونکہ شب ولادت حضور نبی کریم ﷺ کے اس دنیا میں جلوہ گر ہونے کی رات ہے، جب کہ لیلۃ القدر حضور نبی کریم ﷺ کو عطا کردہ شب ہے اور جو رات ظہور ذات سرور کائنات ﷺ کی وجہ سے مشرف ہو، وہ اُس رات سے زیادہ شرف و عزت والی ہے جو ملائکہ کے نزول کی

بنیاد پر مشرف ہے"۔ (ماثبت بالسنۃ، صفحہ ۲۸۹، مطبوعہ کراچی)

ولادتِ نبوی ﷺ کے انعامات

ولادتِ مصطفوی ﷺ تمام کائنات کے لیے بالعموم اور انسانیت کے لیے بالخصوص ابدی مسرتوں، حقیقی کامیابیوں اور اخروی فلاح و نجات کی پیغامبر بن کر آئی تھی جس سے کائنات کی ہر شے خوشیاں منا رہی تھی اور مسرتوں کا اظہار کر رہی تھی۔ فرشتے بھی اس نعمت خداوندی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لا رہے تھے۔ انبیاء سابقین نے آپ ﷺ کی آمد مبارکہ کی خوشخبریاں دیں۔ عرش اور فرش میں جشن اور بہار کا سماں تھا لیکن ایک ذات ایسی بھی تھی جو کہ فریاد کناں اور چیخ و چلا رہی تھی، جسے ولادت نبوی ﷺ کی خوشی نہیں تھی اور وہ ملعون ابلیس کی ذات تھی اور سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی ولادت مبارک پر شیطانیت غمگین ہوئی تھی۔

چنانچہ علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن السہیلی (متوفی ۵۸۱ھ) اپنی کتاب "الروض الانف" میں تحریر فرماتے ہیں کہ: "ابلیس ملعون زندگی میں چار مرتبہ چیخیں مار کر رویا ہے۔ پہلی مرتبہ جب اس کو ملعون (مردود) قرار دیا گیا۔ دوسری مرتبہ جب اسے بلندی سے پستی کی طرف دھکیلا گیا۔ تیسری مرتبہ جب حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اور چوتھی مرتبہ جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ کو نازل فرمایا"۔

(الروض الانف: جلد ۱ صفحہ ۱۸۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

حاصل یہ ہے کہ حضور رحمت دو عالم ﷺ کے میلاد شریف کی برکت سے نہ صرف حضرت ثویبہ کو غلامی سے آزادی ملی بلکہ لاتعداد غلاموں کو نعمتِ آزادی ملی..... ابولہب ایسے کافر کو عذاب دوزخ میں تخفیف ملی ..... اہلِ کفر کو ایمان کی دولت ملی..... اہل ضلالت کو رشد و ہدایت کی سعادت ملی ..... تمام مخلوقات کو رحمتِ مصطفوی ﷺ میسر آئی..... اہلِ قرن (زمانہ) کو افضل ترین زمانہ ملا..... بے زبانوں اور بے جانوں کو بھی سلام و کلام اور کلمہ پڑھنے کا شرف ملا..... اہل لسان کو فصاحت و بلاغت کا عظیم شاہکار ملا..... اہل ایمان

صحبت یافتہ کو "صحابیت" ایسی انمول ترین نعمت وسعادت حاصل ہوئی ...... اور ان شاء اللہ! میلاد النبی ﷺ کی برکت سے تمام صاحبان ایمان کو دنیوی اور اُخروی نعمتیں، سعادتیں، جنت الفردوس کی اعلیٰ ترین دولت، رفاقت مصطفوی ﷺ اور دیدار خداوندی ایسی لازوال اور عظیم الشان نعمتیں ملیں گی، جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تمام عالم اسلام میں ماہ ربیع الاوّل میں محافل میلاد کا انعقاد اور خوشی ومسرت کا اظہار کرنا، انواع واقسام کے صدقہ وخیرات کرنا اور دعوت طعام کا اہتمام کرنا وغیرہ ہمیشہ سے مسلمانوں کا محبوب طرز عمل رہا ہے اور میلاد شریف کے خواص میں سے یہ ہے کہ میلاد شریف کی برکت سے اس سال اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہوتا ہے۔

وہ لوگ خدا شاہد قسمت کے سکندر ہیں   جو سرورِ عالم کا میلاد مناتے ہیں
آقا کی ثناء خوانی دراصل عبادت ہے   ہم نعت کی صورت میں قرآن سناتے ہیں

عالم اسلام کے تمام مسلمان بارہ ربیع الاوّل کو یہ عظیم الشان اور ایمان افروز تہوار جشن عید میلاد النبی ﷺ ہمیشہ سے مناتے چلے آرہے ہیں اور جب تک یہ دنیا قائم ودائم ہے اور ایک بھی مسلمان روئے زمین پر باقی ہے، یہ جشن عید میلاد النبی ﷺ اسی طرح عقیدت ومحبت، خوشی ومسرت اور پوری آب وتاب کے ساتھ منایا جاتا رہے گا اور اہل ایمان میلاد شریف کی برکتوں، رحمتوں اور دنیوی واُخروی سعادتوں سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

عیدوں کی عید...... میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا محمد ناصر خان چشتی

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند

موسمِ بہار کی ایک دلآویز اور نورانی صبح تھی۔ ماہِ ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ دو شنبہ (پیر) کی مبارک صبح تھی، جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند! یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مبارک گھر میں حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے تاجدارِ عرب وعجم، محسن کائنات، روحِ کائنات، سیدالانبیاء والمرسلین، تاجدارِ ختمِ نبوت پیغمبر انقلاب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بزمِ عالم میں جلوہ گر ہوئے۔ آمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر طرف نور پھیل گیا ......ہر جانب روشنی چھا گئی...... ہر سمت اُجالا ہو گیا...... چہار سو توحید و رسالت کا چاند جگمگانے لگا......آپ آئے تو سارے جہاں کو نورِ نبوت اور شمع رسالت سے روشن ومنور کردیا......جس سے کائنات ارض وسماء کا کونا کونا بقعۂ نور بن گیا۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معنیٰ ومفہوم

عید کا معنی اور مفہوم بیان کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) رقمطراز ہیں کہ: "عید" لغت کے اعتبار سے" اس دن کو کہتے ہیں کہ جو بار بار لوٹ کر آئے" اور اصطلاح شریعت میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو کہتے ہیں اور یہ دن شریعت میں خوشی منانے کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ (المفردات)

عرفا یوم عید

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے الفاظ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شرعی اور اصطلاحی عیدیں تو صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں اور یوم عرفہ اور یوم جمعہ عرفاً عید

ہیں اور جس دن کوئی نعمت اور خوشی حاصل ہو، وہ بھی عرفاً عید کا دن ہے اور تمام نعمتوں کی اصل سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ سو جس دن یہ عظیم نعمت حاصل ہوئی۔ وہ تمام عیدوں سے بڑھ کر عید ہے اور یہ بھی عرفاً عید ہے، شرعاً عید نہیں ہے۔ اس لئے مسلمان ہمیشہ سے اپنے نبی ﷺ کی ولادت کے دن یعنی بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ مناتے ہیں۔ (تفسیر تبیان القرآن، جلد ۳ صفحہ ۶۸، مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور)

مقدس مذہبی تہوار:

میلادُ النبی ﷺ..... "حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کا دن"۔ عید اور خوشی کا یہ دن مسلمانوں کا عظیم مذہبی تہوار ہے، جو سال کے بارہ مہینوں میں بالعموم اور ماہِ ربیع الاوّل میں بالخصوص اور بارہ ربیع الاوّل کو خصوصاً بالخصوص انتہائی عقیدت و محبت، جوش و خروش اور ذوق و شوق کے ساتھ منایا جاتا ہے اور اس دن خصوصی اجتماعات اور دینی محافل کا اہتمام کیا جاتا ہے، جن میں حضور سید عالم ﷺ کی ولادت مبارکہ، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ، آپ ﷺ کے خصائص و شمائل، آپ ﷺ کے معجزات اور آپ ﷺ کی عظمت و فضائل کو بیان کیا جاتا ہے اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں بہ کثرت درود شریف، نعتیں اور صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے اور فقیروں اور مسکینوں میں کھانا وغیرہ تقسیم کیا جاتا ہے، ان محافل کو عرف عام میں "میلاد" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یوم عید، میلادُ النبی ﷺ

ہر خوشی اور مسرت حاصل ہونے کے دن کیلئے لفظ "عید" استعمال ہوتا ہے اور جس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت و رحمت نازل ہو تو وہ بدرجہ اولیٰ عید کا دن ہوتا ہے اور بارہ ربیع الاوّل کو تمام اہل ایمان عید کہتے ہیں اور اس دن کو عید اس لئے کہتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم ترین نعمت (حضور رحمت دو عالم ﷺ) کا نزول ہوا، جس دن اللہ تعالیٰ کے محبوب، روح کائنات اور تمام نعمتوں کی جان یعنی حضور سید عالم ﷺ اس گلشن ہستی میں رونق افروز ہوئے، وہ دن اگر عید کا نہیں تو پھر کون سا دن عید کا ہو

گا......بلاشبہ! یومِ میلادُ النبی ﷺ اہل ایمان کیلئے یقیناً تمام عیدوں (یعنی عیدالفطر، عیدالاضحیٰ، یوم الجمعہ، یوم عرفہ وغیرہ) سے بڑھ کر عید کا دن ہے، کیونکہ باقی تمام عیدیں اور اللہ تعالیٰ کی تمام تر نعمتیں (یعنی اسلام، قرآن، آل اولاد، مال ومتاع، ہاتھ پاؤں، آنکھیں وغیرہ) سب اسی نعمت کے صدقے سے ہمیں نصیب ہوئی ہیں۔

نثار تیری چہل پہل پہ ہزار عیدیں ربیع الاوّل
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منارہے ہیں

یوم عید، نزول دسترخوانِ عیسیٰ علیہ السلام:

نعمت حاصل ہونے کے دن کو عید کہنا یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے اللہ! ہم پر اپنی نعمتوں کا دسترخوان اُتار، تاکہ وہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کیلئے عید کا دن ہو جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد خداوند کریم ہے۔

قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ○

(سورۃ المائدہ: آیت ۱۱۴)

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی ،اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان (نعمت طعام) نازل فرمادے تاکہ (اس کے اترنے کا دن) ہمارے لئے عید ہوجائے، ہمارے اگلوں کیلئے بھی اور ہمارے پچھلوں کے لئے بھی اور خوانِ نعمت تیری طرف سے (تیری قدرت کی اور میری نبوت کی) نشانی ہو اور ہمیں رزق عطا کر اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دن کو اپنی تمام امت کے لئے عید

قرار دے رہے ہیں جس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت (خوانِ طعام) نازل ہوگی۔ پھر آپ اندازہ کیجئے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کے محبوب، روحِ کائنات اور تمام نعمتوں کی جان یعنی حضور سید عالم ﷺ اس گلشنِ ہستی میں جلوہ گر ہوئے، وہ دن اگر عید کا نہیں تو پھر کون سا دن عید کا ہوگا؟۔ بلاشبہ یوم میلاد النبی ﷺ! اہل ایمان کے لئے یقیناً تمام عیدوں (یعنی عید الفطر، عید الاضحیٰ، یوم الجمعہ، یوم عرفہ وغیرہ) سے بڑھ کر عید ہے، کیونکہ باقی تمام عیدیں بھی تو اسی دن کے صدقے سے ہمیں نصیب ہوئی ہیں۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۶۷ھ) اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں: "یعنی ہم اس (خوان طعام) کے نزول کے دن کو عید منائیں، اس کی تعظیم کریں، خوشیاں منائیں، تیری عبادت کریں، شکر بجا لائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص رحمت نازل ہو، اس دن کو عید منانا اور خوشیاں منانا، شکر الٰہی بجا لانا طریقہ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ حضور سید عالم ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے، اس لئے حضور اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الٰہی بجا لانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے"۔

(تفسیر خزائن العرفان)

مومنوں پر اللہ کا احسانِ عظیم

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنا پیارا محبوب امام الانبیاء، تاجدارِ ختم نبوت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرما کر تمام صاحبان ایمان پر احسان جتایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ

بلاشبہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب اس نے ان میں ایک عظمت والا رسول بھیجا انہیں میں سے جو اُن پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور ان (کے باطن) کو

ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ○ پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔
(آل عمران: آیت ۱۶۴)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کو احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ بلاشبہ حضور رحمت دوعالم ﷺ کی ولادت باسعادت عالم انسانیت پر احسان عظیم ہے۔ واضح رہے کہ احسان نعمت کے نزول وحصول پر ہوتا ہے، لہٰذا حضور سید عالم ﷺ کی ذات گرامی نعمت قرار پائی۔ اللہ تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں، ان کا ذکر کرنا باعث فلاح ونجات اور ان نعمتوں کا شکر بجالانا اور تحدیث نعمت کرنا ضروری ہے اور حضور اکرم ﷺ چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں عظیم ترین نعمت ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ کا ذکر خیر کرنا دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے اور محافل میلاد کا انعقاد، حضور اکرم ﷺ کے ذکر پاک کی ایک عظیم اور بہترین صورت ہے۔

نعمت واحسان کا چرچا

احسان اس لئے جتایا جاتا ہے تاکہ اس احسان ونعمت کو یادرکھا جائے، اس کا تذکرہ کیا جائے، اس کو کبھی فراموش نہ کیا جائے بلکہ اس نعمت ورحمت اور اس فضل واحسان کا خوب چرچا کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ اور تم اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔
(سورۃ الضحیٰ: آیت ۱۱)

اللہ تعالیٰ کی نعمت وفضل پر خوشیاں منانا

پھر اللہ تعالیٰ نے اس فضل ورحمت اور نعمت واحسان کے چرچے کے ساتھ اس پر خوشیاں منانے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا (اے رسول محترم ﷺ) آپ فرما دیجئے

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ

(سورۂ یونس: آیت ۵۸)

کہ (یہ سب کچھ) محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے۔ پس تم (سب مومنوں) کو چاہئے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ اس (سارے مال و دولت) سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔

محافلِ میلاد کا انعقاد

اس آیت مبارکہ سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فضل و کرم اور اس کی نعمت و رحمت کے حصول پر فرحت و خوشی کا اظہار کرنا چاہئے اور خوشی و مسرت پر اظہار کرنے کے کئی طریقے ہوتے ہیں، مثلاً اس نعمت اور رحمت کا خوب ذکر کرنا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا، محفلیں منعقد کرنا (مثلاً بچے کی ولادت پر عقیقہ، نکاح کی خوشی میں دعوتِ ولیمہ و تقریب طعام کا اہتمام کرنا) وغیرہ۔ چونکہ حضور سید عالم ﷺ کی ذات گرامی، تمام مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت و رحمت ہے، اس لئے آپ ﷺ کی آمد کا دن مسلمانوں کے لئے تمام عیدوں سے بڑھ کر عید کا دن ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی آمد مبارکہ پر مومنوں کو بے پناہ خوشی و مسرت منانی چاہئے اور محفل میلاد النبی ﷺ منعقد کرنا اجتماعی طور پر خوشی کے اظہار کی ایک بہترین اور عظیم صورت ہے۔

پیر کے دن روزۂ نبوی ﷺ

حضور سید عالم ﷺ اس بزمِ جہاں میں "پیر" کے دن تشریف لائے، اس لئے آپ ﷺ اظہارِ تشکر کے لئے ہر "پیر" کے دن روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہر پیر کے دن روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

یہ وہ دن ہے جس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی الٰہی نازل

(ہونے کی ابتداء) ہوئی۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہر پیر کے دن روزہ رکھتے تھے۔ نیز یہ کہ آپ ﷺ نے خود اپنے یومِ میلاد کی عظمت و اہمیت کو اجاگر بھی کیا اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ظاہر کرتے ہوئے تحدیث نعمت کے طور پر اللہ تعالیٰ کا (روزے کی صورت میں) شکر بھی ادا کیا۔

میلاد النبی ﷺ منانے کی برکتیں اور سعادتیں

احادیث مبارکہ کی کتب میں یہ روایت منقول ہے کہ ابولہب جو ایک مشہور کافر اور حضور سید عالم ﷺ کے نسبی رشتہ میں چچا تھا۔ جب حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت مبارک ہوئی تو ابولہب کی لونڈی (کنیز) ثویبہ نے آپ ﷺ کی ولادت کی خوشخبری اپنے مالک ابولہب کو سنائی تو ابولہب نے اسی وقت حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو اپنی غلامی سے آزاد کر دیا۔

جب ابولہب مر گیا تو اس کے گھر والوں میں سے کسی (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) نے اسے خواب میں دیکھا اور اس کا حال دریافت کیا، تو اس نے کہا کہ کفر کی وجہ سے دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں مگر ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہر پیر کے دن میرے عذاب میں کچھ تخفیف (کمی) ہو جاتی ہے اور جس انگلی سے میں نے اشارہ کر کے اپنی لونڈی ثویبہ کو غلامی سے آزاد کیا تھا، اس انگلی سے مجھے (پانی وغیرہ) پلایا جاتا ہے۔

(بہ حوالہ: صحیح بخاری، فتح الباری)

☆ علامہ ابن الجزری (متوفی ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ جب ابولہب ایسے کافر، جس کی مذمت میں قرآن مجید کی ایک سورت (سورۃ اللہب) نازل ہوئی اس کو (حضور اکرم ﷺ کے میلاد کی خوشی منانے پر) یہ انعام ملا تو اس مسلمان کو کیا صلہ ملے گا جو اپنے رسول کریم ﷺ کی ولادت کی خوشی مناتا ہے، مجھے میری عمر کی قسم! اس کی جزا یقیناً یہی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جنت نعیم میں داخل فرمائے گا"۔

(المواہب اللدنیہ: جلد ا صفحہ ۷۸)

☆ محقق علی الاطلاق حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۵۲ھ) ثویبہ کو آزاد کرنے اور ابولہب کے عذاب میں تخفیف کا ذکر کرنے کے بعد اپنی مایہ ناز کتاب "مدارج النبوت" میں فرماتے ہیں کہ:

"اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی شب "محفل میلاد" منعقد کرنے والوں اور اس پر خوشیاں منانے والوں کے لئے دلیل ہے کہ وہ اس پر مال و متاع خرچ کرتے ہیں کیونکہ ابولہب جو کہ کافر تھا اور اس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا، جب اسے بھی میلاد النبی ﷺ کی خوشی منانے اور اپنی لونڈی (ثویبہ) کے دودھ کو آنحضرت ﷺ کے لئے خرچ کرنے کی وجہ سے جزا دی گئی تو اس مسلمان و موحد کی جزا کا عالم کیا ہوگا جو محبت اور خوشی سے لبریز ہو کر اپنا مال و متاع خرچ کرتا ہے"۔

(مدارج النبوت: جلد ۲ صفحہ ۱۹)

میلادِ نبوی ﷺ کے انعامات

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حضور رحمت دو عالم ﷺ کے میلاد شریف کی برکت سے نہ صرف حضرت ثویبہ کو غلامی سے آزادی ملی بلکہ لاتعداد غلاموں کو نعمتِ آزادی ملی .....ابولہب ایسے کافر کو عذاب دوزخ میں تخفیف ملی .....اہلِ کفر کو ایمان کی دولت ملی.. ..اہل ضلالت کو رشد و ہدایت کی سعادت ملی.....تمام مخلوقات کو رحمتِ مصطفوی ﷺ میسر آئی.....اہلِ قرن (زمانہ) کو افضل ترین زمانہ ملا.....بے زبانوں اور بے جانوں کو بھی سلام و کلام اور کلمہ پڑھنے کا شرف ملا.....اہل لسان کو فصاحت و بلاغت کا عظیم شاہکار ملا .....اہل ایمان صحبت یافتہ کو "صحابیت" ایسی انمول ترین نعمت و سعادت حاصل ہوئی ......اور ان شاء اللہ! میلاد النبی ﷺ کی برکت سے تمام صاحبان ایمان کو دنیوی اور اُخروی نعمتیں، سعادتیں، جنت الفردوس کی اعلیٰ ترین دولت، رفاقت مصطفوی ﷺ اور دیدار خداوندی ایسی لازوال اور عظیم الشان نعمتیں ملیں گی، جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

شاہ عبدالرحیم دہلوی اور محفل میلاد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں میلاد شریف کے دنوں میں ہر سال حضور نبی کریم ﷺ کے میلاد شریف کی خوشی میں کھانا پکوایا کرتا تھا لیکن ایک سال مجھے سوائے بھنے ہوئے چنوں کے اور کچھ مجھے میسر نہیں ہوا۔ چنانچہ میں نے وہی بھنے ہوئے چنے لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ اسی رات کو خواب میں مجھے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہی بھنے ہوئے چنے حضور سید عالم ﷺ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور حضور ﷺ ان سے بہت خوش نظر آرہے ہیں"۔ (الدر الثمین: صفحہ ۸)

☆ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ "اور مشرب (طریقہ) فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولد (میلاد) میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں"۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ: ص ۵)

☆ حضرت علامہ عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں:...... "جس وقت بھی محفل میلاد کی جائے، باعث ثواب ہے اور حرمین شریفین، بصرہ، شام، یمن اور دوسرے ممالک کے لوگ بھی ربیع الاوّل کا چاند دیکھ کر میلاد کا اہتمام کرتے ہیں، چراغاں کرتے ہیں، خوشی کا اظہار کرتے ہیں، کار خیر کرتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں نعت اور سماعت میلاد کا اہتمام کرتے ہیں اور روح پرور محافل کا انعقاد کرتے ہیں، یہ ان کے معمولات میں شامل ہیں"۔

(مجموعۃ الفتاویٰ: جلد ۲ صفحہ ۲۱۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ تمام عالم اسلام میں ماہ ربیع الاوّل میں محافل میلاد کا انعقاد اور خوشی و مسرت کا اظہار کرنا، انواع واقسام کے صدقہ وخیرات کرنا اور دعوت طعام کا اہتمام کرنا وغیرہ ہمیشہ سے مسلمانوں کا محبوب طرز عمل رہا ہے۔ اور میلاد شریف کے خواص میں سے یہ ہے کہ میلاد شریف کی برکت سے اس سال اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہوتا

ہے۔

وہ لوگ خدا شاہد قسمت کے سکندر ہیں   جو سرور عالم کا میلاد مناتے ہیں

عالم اسلام کے تمام مسلمان بارہ ربیع الاوّل کو یہ عظیم الشان اور ایمان افروز تہوار جشن عید میلادُ النبی ﷺ ہمیشہ سے مناتے چلے آرہے ہیں اور جب تک یہ دنیا قائم ودائم ہے اور ایک بھی مسلمان روئے زمین پر باقی ہے، یہ جشن عید میلادُ النبی ﷺ اسی طرح عقیدت ومحبت، خوشی ومسرت اور پوری آب وتاب کے ساتھ منایا جاتا رہے گا اور اہل ایمان میلاد شریف کی برکتوں، رحمتوں اور دینوی واُخروی سعادتوں سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

صدائیں درودوں کی آتی رہیں گی جنہیں سن کے دل شاد ہوتا رہے گا
خدا اہلسنت کو آباد رکھے، محمد کا میلاد ہوتا رہے گا

حضور سید عالم ﷺ کی عظیم سیرت نگاری

حضور رحمت دوعالم ﷺ کی حیات مبارکہ کے بارے میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ یقین ویمین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اتنا کسی اور شخصیت کے بارے میں نہیں لکھا گیا۔آپ ﷺ کی انقلاب وحیات آفرین سیرت کا ایک ایک گوشہ...... ایک ایک انگ......ایک ایک جہت......ایک ایک پہلو......ایک ایک پیشین گوئی اور ایک ایک معجزہ کو مؤرخین، اہل سیر علماء اور محدثین کرام نے اقوامِ عالم کے سامنے اجاگر کیا اور دینوی واُخروی سعادتیں پائیں اور حقیقت یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی سیرت نگاری ختم ہونے والی نہیں ہے،لیکن اس عظیم صف میں جگہ پانا باعثِ سعادت اور ذریعۂ نجات ہے۔

اوراسی طرح آپ ﷺ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا بھی ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پالینا قابل عزت وعظمت اور باعث فخر وسعادت ہے۔ چنانچہ میں نے بھی حضور رحمت دوعالم ﷺ کی سیرت طیبہ پر لکھنے کی سعادت حاصل کرنے کیلئے یہ چند سطور رقم کی ہیں۔اللہ تعالیٰ اسے قبول ومنظور فرمائے اور میرے

لئے باعث شفاعتِ مصطفیٰ ﷺ اور ذریعۂ نجات بنائے اور اللہ جل شانہ کے پیارے حبیب آقائے دوعالم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں التجا ہے کہ:

چمک تجھ سے پاتے ہیں، سب پانے والے　　میرا دل بھی چمکا دے، چمکانے والے

علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا

"اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے تیرے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں۔ میرے تمام اعمال فسادِ نیت کا شکار ہیں، البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلسِ میلاد کے موقع پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور بہت ہی عاجزی وانکساری اور خلوص ومحبت کے ساتھ تیرے حبیب پاک ﷺ پر درود وسلام بھیجتا ہوں...... اے اللہ! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلادِ مبارک سے زیادہ تیری خیر وبرکت کا نزول ہوتا ہے۔

اس لئے اے ارحم الراحمین! مجھے پختہ یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بے کار نہیں جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود وسلام پڑھے اور اس کے ذریعے دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہو سکتی"۔ (اخبار الاخیار: صفحہ نمبر ۶۲۴)

اہلِ ایمان سے التماس والتجا:

آخر میں تمام اہل ایمان واہل محبت سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ محافل میلاد ضرور منعقد کریں، اس میں شرکت بھی کریں لیکن محافل میلاد کے آداب واحترام کو ملحوظ رکھیں اور محافل میلاد کی تمام تقریبات میں باوضو شرکت کریں اور سراپا ادب بن کر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کا ذکر پاک کریں اور سنیں اور بالخصوص حضور سید عالم ﷺ کی کامل اطاعت ومحبت میں اپنی زندگی گزارنے کا عزم مصمم کریں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور رحمت دوعالم ﷺ کی ایسی سچی محبت نصیب فرمائے کہ ہم خود بہ خود سنتِ مصطفوی ﷺ کے سانچے میں ڈھلتے چلے جائیں اور ہمارا وجود دوسروں کیلئے مینارۂ نور اور مشعلِ راہ بن جائے۔ (آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

حضور سید عالم ﷺ کی ولادت اقدس

مولانا مولوی الشاہ محمد قاسم حسین ہاشمی مصطفائی فضل رحمانی بریلوی

اللہ رب العزت جل جلالہ' اپنی خدائی کا اظہار فرمانا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اپنے حبیب اقدس و اکرم ﷺ کا نور مقدس اپنے نور اقدس شریف سے پیدا فرماتا ہے ، پھر اس نور مقدس سے عرش و کرسی و لوح و قلم چاند سورج بہشت اور جمیع موجودات کو عالم ظہور میں لاتا ہے۔ مجلس میثاق میں رب العزت جل جلالہ، اپنے حبیب اعظم ﷺ کا خود میلاد اقدس شریف پڑھتا ہے اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام سنتے ہیں اور حضور کی اطاعت کا قول دیتے ہیں بلکہ ان کی نبوت ہی حضور (ﷺ) کے مطیع و امتی بننے پر مشروط ہوتی ہے تو سب سے پہلے حضور کا ذکر تشریف آوری کرنے والا اللہ جل جلالہ ہے اور ذکر پاک کی سب میں پہلی مجلس انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام ہے جس میں پڑھنے والا اللہ جل جلالہ اور سننے والے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

پھر سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک پتلا مبارک بنایا جاتا ہے اور روح کو اس میں داخل ہونے کا فرمان اقدس شریف فرمایا جاتا ہے۔ روح اس قالب خاکی میں بوجہ تاریکی داخل ہوتے ہوئے گھبراتی ہے تو پیشانی میں نور محمدی ﷺ امانت رکھا جاتا ہے روح خوشی کے نعرے لگاتی ہوئی داخل ہوتی پھر ملائکہ علیہم السلام کو سجدہ تعظیمی کا فرمان اقدس شریف پہنچتا ہے سب تعمیل کرتے ہیں مقبول ہوتے ہیں۔ شیطان انکار کرتا ہے، مردود ہوتا ہے۔ سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسجود ملائک ہونا اسی پر مبنی ہے کہ ان کی پیشانی میں یہ مقدس نور ودیعت ہوتا ہے جو بعد میں تشریف لاکر تمام عالم کو روشن و منور فرمانے والا ہے۔

پھر سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہشت میں داخل فرمایا جاتا ہے اور سیدنا حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا جاتا ہے جب براہ نسیان دانہ گندم کھاتے ہیں تو بحکمت الٰہی آپ اور آپ کی زوجہ جنت سے اتار دیے جاتے [illegible] جب دنیا میں آتے ہیں تو توبہ کرتے ہیں۔ تقریباً سو برس [illegible] روتے [illegible] میں حیران پھرا کرتے ہیں مگر رحمت الٰہی بظاہر ان کی طرف متوجہ

نہیں ہوتی ہے۔ آخر کار آپ اس مقدس ذات کو وسیلہ بناتے ہیں جو دربار الٰہی جل جلالہٗ میں سب سے زیادہ مقرب ہے اور دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ جل جلالہ تو محمد ﷺ کے واسطے ان کے باپ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خطا معاف فرما۔

چنانچہ دعا مقبول ہوتی ہے اور ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ اے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس نام کے وسیلہ جلیلہ سے اگر تو تمام عالم کی مغفرت چاہتا تو میں قبول فرمالیتا۔ اس سے حضور کا سردار انبیاء ہونا اور سب پر ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے (علیہم الصلوٰۃ والسلام)۔ پھر یہ نور اقدس شریف پاک پشتوں اور پاک شکموں میں درجہ بہ درجہ منتقل ہوتا رہتا ہے اور ہر زمانے میں ذکر ولادت وتشریف آوری ہوتا چلا آتا ہے اور نئی نئی شان کے معجزات بکثرت ہر جگہ اس سے صادر ہوتے رہتے ہیں۔ ہر قرن میں انبیاء و مرسلین آدم سے لے کر ابراہیم وموسیٰ وداؤد وسلیمان وزکریا علیہم الصلوٰۃ والسلام تک تمام نبی ورسل اپنے اپنے زمانہ میں مجلس حضور ترتیب دیتے رہے ہیں یہاں تک کہ یہ سب میں پچھلا ذکر شریف سنانے والا کنواری ستھری پاک بتول کا بیٹا جسے اللہ جل جلالہٗ نے بے باپ کے پیدا کیا۔ نشانی سارے جہاں کے لئے یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ ذکر ولادت اقدس شریف پڑھتا ہوا تشریف لاتا ہے کہ میں بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو عنقریب میرے بعد تشریف اقدس تشریف لانے والے ہیں جن کا نام پاک احمد (ﷺ) ہے۔

یہ ہے مجلس میلاد جب زمانہ ولادت اقدس شریف کا قریب آتا ہے تمام ملک وملکوت میں محفل میلاد منعقد ہوتی ہے۔ عرش پر محفل میلاد فرش پر محفل میلاد ملائکہ میں مجلس میلاد ہو رہی ہے، خوشیاں مناتے حاضر آتے ہیں، سر جھکائے کھڑے ہیں۔ جبریل ومیکائیل علیہما السلام حاضر ہیں اس دولہا کا انتظار ہو رہا ہے جس کے صدقہ میں ساری برات بنائی گئی ہے۔ سبع سموات میں عرش وفرش پر دھوم ہے، ذرا انصاف کرو تھوڑی سی مجازی قدرت والا اپنی مراد کے حاصل ہونے پر جس کا مدت سے انتظار ہے اب وقت آیا ہے کیا کچھ خوشی کے سامان نہ کرے گا۔

یہ عظیم مقتدر جل جلالہٗ جو چھ ہزار برس بیشتر بلکہ لاکھوں برس سے ولادت محبوب کے پیش خیمہ تیار فرما رہا ہے، اب وقت آیا ہے کہ یہ مراد المرادین ظہور فرمانے والے ہیں قادر

علیٰ کل شئی کیا کچھ خوشی کے سامان مہیا نہ فرمائے گا۔ شیاطین کو اس وقت جلن ہو رہی تھی اور اب بھی جو شیاطین اور ان کی زیارت ہیں جلتے ہیں اور ہمیشہ جلیں گے۔ پہاڑوں میں ابلیس اور تمام گروہ سرکش قید کر دیئے جاتے ہیں۔ ملائکہ سبع سموات دھوم مچا رہے ہیں، عرش عظیم ذوق و شوق میں جھوم رہا ہے، ملائکہ اور افلاک کے ساتھ ان کو سجدے کر رہا ہے ایک علم مشرق اور دوسرا مغرب اور تیسرا بام کعبہ پر نصب کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ ان کا دارالسلطنت کعبہ ہے اور ان کی سلطنت مشرق سے مغرب تک تمام جہان انھیں کی سلطنت انھیں کی قلمرو میں داخل ہے چاہنے والے نے دونوں جہان کو سجا دیا ہے، زینت سے منور فرما دیا ہے، ابر رحمت گھرا ہوا ہے، عرشی و فرشی شوق دیدار میں منتظر لقائے اقدس شریف کھڑے ہیں ہر طرف شور مرحبا و مبارک باد مچا ہے، کونین میں شادی رچی ہے، اس مراد کے ظاہر ہونے کی گھڑی آ پہنچی کہ اول روز سے اس کی محفل میلاد اس کے خیر مقدم کی مبارک باد ہو رہی ہے۔

قادر علیٰ کل شئی نے اس کی خوشی میں کیسے کچھ انتظام فرمائے ہیں۔ جبرئیل امین ایک پیالہ شرب جنت سے سیدتنا آمنہ رضی اللہ عنہا کے لئے لے کر حاضر ہوتے ہیں اس کے نوش فرمانے سے وہ دہشت جو ایک آواز سننے سے پیدا ہو چکی ہے زائل ہو جاتی ہے پھر ایک مرغ سپید کی شکل بن کر اپنا پر بطن مبارک سے ملتے ہیں اور ان مقدس آوازوں سے بزم کونین گونج رہی ہے۔

تشریف اقدس شریف لائیے۔ اے سیدنا آدم کی توبہ قبول ہونے کا ذریعہ مقدس علیک الصلوٰۃ والسلام تشریف اقدس لائیے۔ اے اول و آخر ظاہر و باطن علیک الصلوٰۃ والسلام تشریف اقدس لائیے اے خزانہ الٰہی کے مختار کل نعمائے الٰہی کے قاسم نائب خدا عالم ماکان و ما یکون عرش خدا کی زینت آئینہ جمال الٰہی محبوب کبریا عکس ذات الٰہی دونوں جہان کے مالک و مولیٰ حبیب خدا شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ خدا کے پیارے دلارے احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیک و آلک و اصحابک وسلم اب ظلمت و کفر پر پانی پھرا چاہتا ہے۔ توحید الٰہی چمکا چاہتی ہے، شیاطین پہاڑوں میں منہ چھپاتے ہیں۔ قیصر و کسریٰ تھر تھرا رہا ہے۔ رحمت مجسم کی ضیاء کونین کو نوری بنا رہی ہے۔ قلوب اہل محبت با ادب و تعظیم ان کو سجدے کر رہے ہیں۔ خدا جل جلالہ، اپنے جمال مقدس کا آئینہ اقدس شریف مخلوق کو دکھا رہا ہے۔ با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب۔

تاریخ وصال النبی ﷺ کی تحقیق

مولانا محمد ناصر خان چشتی

اللہ تعالیٰ نے انسانیت، دین اسلام، اپنی معرفت اور سلسلہ نبوت کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے کی کیونکہ حضرت آدم ہی انسان اوّل اور سب سے پہلے نبی ہیں۔ اسی طرح اسلام کی تکمیل (بذریعہ وحی الٰہی) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نبوت و رسالت اور سلسلہ وحی حضور اکرم ﷺ پر ختم کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ پر آخری وحی یعنی قرآن کی آیت مبارکہ حجۃ الوداع ۱۰ ہجری کے موقع پر میدانِ عرفات میں نازل فرمائی جس میں فرمایا گیا کہ "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا"۔ (سورۃ المائدہ: ۳) اس حجۃ الوداع (جسے حج اکبر بھی کہا جاتا ہے) کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کا یکم ربیع الاوّل ۱۱ ہجری بروز پیر وصال مبارک ہو گیا۔

اکثر مورخین، محققین، محدثین کرام اور اربابِ سیر نے حضور نبی کریم ﷺ کی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاوّل بروز پیر لکھی ہے۔ جبکہ محققین علماء کرام، محدثین، مؤرخین اور سیرت نگاروں نے حضور سید عالم ﷺ کے وصال مبارک کی تاریخ کے حوالے سے "یکم ربیع الاوّل" اور بعض نے "دو ربیع الاوّل" کی روایت کو ترجیح دی ہے، کیونکہ کثیر روایات کے مطابق حجۃ الوداع (۹ ذوالحجہ ۱۰ ہجری بروز جمعۃ المبارک) کے بعد حضور نبی کریم ﷺ ۱۹ صفر المظفر ۱۱ ہجری کو بیمار ہوئے اور آپ ﷺ کل تیرہ (۱۳) دن بیمار رہے اور پھر ماہ ربیع الاوّل میں پیر کے دن وصال فرما گئے۔ اگر وہ صفر کا مہینہ تیس دن کا تھا تو پھر یکم ربیع الاوّل کی روایت محقق اور درست ہے اور اگر وہ مہینہ ۲۹ دن کا تھا تو پھر آپ ﷺ کا وصال ۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو ہوا ہے، کیونکہ پیر کا دن ۱۲ ربیع الاوّل کو قطعاً نہیں پڑتا۔

تاریخ ولادت ووصال نبوی ﷺ میں اختلاف

حضور سیدِ عالم ﷺ کی ولادتِ باسعادت اور وصال مبارک کی تاریخ کے بارے میں محدثین، ارباب سیر اور مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں اور بالخصوص عربوں میں لکھنے، پڑھنے کا رواج بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا اور محققین کی تحقیق کے مطابق حضور نبی کریم کی بعثت سے قبل قریش میں صرف ۱۷ (سترہ) افراد ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس لئے زمانہ قدیم کے لوگ تاریخی امور کو کاغذوں اور صحیفوں میں لکھ کر رکھنے کی بجائے زیادہ تر انھیں اپنے سینوں میں محفوظ اور زبانی یاد رکھنے کے عادی تھے۔

ماضی میں تاریخ ساز واقعات کی تواریخ کے تعین کی بنیاد

چنانچہ جب حضور سیدِ عالم ﷺ اس بزم عالم میں جلوہ گر ہوئے تو اس وقت بھی زمانہ قدیم کے لوگ اسی طریقے پر چل رہے تھے، پھر جب عرصہ دراز کے بعد مسلمانوں نے تدوینِ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو چونکہ اس دور کے وہ لوگ اس جہاں سے کوچ کر چکے تھے، جن کے سامنے یہ واقعات وقوع پذیر ہوئے تھے۔ اس لئے ماضی کے ان تاریخ ساز واقعات کی تواریخ کے تعین کی بنیاد عموماً اندازے اور تخمینے پر رکھی گئی، جن میں اختلاف کا واقع ہو جانا ایک بدیہی و فطری نتیجہ تھا، کیونکہ ہر ایک اندازہ اور قیاس صحیح نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ کی ولادت اور وفات کی تاریخ کے بارے میں بھی کتب سیر و تواریخ میں مختلف اقوال کے پائے جانے کی وجہ یہی امر ہے، جو کوئی تعجب اور اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

تاریخ وصال النبی ﷺ کی روایات

چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کی تاریخ کے بارے میں تین قسم کی روایات منقول ہیں، یعنی یکم ربیع الاوّل، دو ربیع الاوّل اور بارہ ربیع الاوّل کی روایات ملتی ہیں۔ ان

تینوں روایتوں میں باہم ترجیح دینے کیلئے ہم اصولِ روایت اوراصولِ درایت دونوں سے بحث کریں گے، تا کہ حق وصواب واضح ہو جائے۔

تاریخ وصال النبی ﷺ یکم یا دو ربیع الاوّل

حضور اکرم ﷺ کے وصال کی تاریخ کے بارے میں اعلیٰ درجے کی تحقیق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تاریخِ وفات یکم یا دو ربیع الاوّل ہے، بارہ ربیع الاوّل قطعاً نہیں ہے، کیونکہ اس بات پر سب علماء کرام، محدثین، مؤرخین اور اربابِ سیر حضرات کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حج فرض ہونے کے بعد ایک ہی حج (۱۰ ہجری میں) ادا فرمایا تھا اور آپ ﷺ کے اس حج کو "حجِ اکبر" اور "حجۃ الوداع" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس پر تمام علماء ومحدثین کا اتفاق ہے کہ یہ حج "جمعتہ المبارک" کے دن پڑھا گیا تھا۔ چونکہ حج ۹ ذوالحجہ کو (یومِ عرفہ کے دن) پڑھا جاتا ہے، اس لئے اس صورت میں ذوالحجہ کی پہلی تاریخ "جمعرات" کے دن قرار پائی...... نیز اس بات پر بھی تمام محدثین کرام اور مؤرخین کا اجماع ہے کہ حضور اکرما کا وصال مبارک اسی ماہِ ذوالحجہ، محرم اور صفر کے بعد آنے والے ماہِ ربیع الاوّل میں "پیر" کے دن ہوا ہے۔

۱۲ ربیع الاوّل، یومِ وصال النبی ﷺ نہیں ہے

پس یکم ذوالحجہ کو جمعرات کا دن قرار دے کر حساب کیا جائے، خواہ تینوں مہینوں (یعنی ذوالحجہ، محرم الحرام اور صفر المظفر) کو تیس (۳۰) دن کا مانا جائے یا سب مہینوں 92 کا قرار دیا جائے یا ان میں سے بعض کو ۳۰ اور بعض کو ۲۹ روز کا فرض کیا جائے تو کسی بھی صورت میں بارہ (۱۲) ربیع الاوّل پیر کا دن نہیں بنتا، جو اس امر کی ناقابلِ تردید اور واضح ترین دلیل ہے کہ ۱۲ ربیع الاوّل کو حضور نبی کریم ﷺ کا وصال مبارک نہیں ہوا۔

امام عبدالرحمٰن السہیلی کی نکتہ آفرینی

اس نکتہ کو سب سے پہلے امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن سُہیلی (متوفی ۵۸۱ھ) نے

دریافت کیا اور اس کو یوں واضح اور اجاگر کیا، وہ لکھتے ہیں:

"حضور نبی کریم ﷺ کی وفات ماہ ربیع الاوّل میں پیر کے دن ہوئی اور ۱۲/ ربیع الاوّل ۱۱/ ہجری پیر کے دن کسی بھی طرح متصور نہیں ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ۹/ ذوالحجہ ۱۰ ہجری کو جمعہ کے دن حج (حجۃ الوداع) ادا فرمایا۔ پس اس لحاظ سے ذوالحجہ کی پہلی تاریخ "جمعرات" کو واقع ہوئی......اور اسی تقدیر پر محرم الحرام کی پہلی تاریخ جمعہ کو ہوئی یا ہفتہ کو ہوئی۔ اگر جمعہ کو ہوئی تو صفر المظفر کی یکم تاریخ ہفتہ کو ہوئی یا اتوار کو ہوئی، اگر ہفتہ کو ہوئی تو ربیع الاوّل کی یکم تاریخ اتوار کو ہوئی یا پیر کو ہوئی، پس اس لحاظ سے پیر کے دن ۱۲ ربیع الاوّل کسی صورت میں بھی ممکن نہیں ہے اور آگے جا کر لکھتے ہیں کہ یکم ربیع الاوّل روایت زیادہ صحیح اور قیاس کے بھی زیادہ قریب ہے"۔

(الروض الانف: ۴/۴۴۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

اوّلاً آپ وہ احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں کہ جن کو ہم نے بنیاد و مرجع بنا کر یہ سطور رقم کی ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے وصال کی تاریخ کا نقشہ و کیلنڈر تیار کیا ہے اور روزِ روشن کی طرح ثابت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تاریخ وفات 12/ ربیع الاوّل قطعاً نہیں بلکہ یکم یا دو ربیع الاوّل ہے۔

﴿۱﴾ آیتِ عید اور یوم عرفہ

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک یہودی حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین آپ اپنی کتاب (قرآن مجید) میں ایک ایسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں اگر ایسی کوئی آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن عید مناتے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ کون سی آیت ہے تو اس نے کہا، وہ آیت یہ ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورۃ المائدہ: آیت 3)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ آیت مبارک کس مقام پر اور کس دن نازل

ہوئی۔ یہ آیت (دورانِ حج ۹ ذوالحجہ کو) مقامِ عرفات میں جمعۃ المبارک کے دن نازل ہوئی ہے"۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

﴿۲﴾ روزِ دوشنبہ، یوم وصال النبی ﷺ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے مرضِ وصال کے دوران نماز پڑھایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ پیر کا دن آگیا لوگ صفوں میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی اثناء میں حضور نبی کریم ﷺ اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا کر ہماری طرف دیکھا، اس وقت آپ کا چہرۂ انور قرآن کا ورق معلوم ہوتا تھا۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ بہت پیار سے مسکرائے، پس ہم لوگوں نے خوشی اور انتہائے محبت کی وجہ سے دورانِ نماز چاہا کہ ہم حضور اکرم ﷺ کو ہی دیکھتے رہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ ﷺ نماز کیلئے آئیں گے، مصلیٰ امامت سے الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے تاکہ آپ خود صف میں شامل ہو جائیں اور حضور نبی کریم ﷺ مصلیٰ امامت پر آکر جماعت کروائیں۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اشارے سے فرمایا کہ اپنی نماز مکمل کرو اور پھر آپ ﷺ نے دوبارہ پردہ لٹکا دیا اور اسی پیر کے دن آپ ﷺ کا وصال مبارک ہو گیا"۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی)

○ امام محمد بن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) اپنی مشہور کتاب "الطبقات الکبریٰ" میں محمد بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدھ کے دن ۱۹ رصفر ۱۱ رہجری کو بیمار ہوئے اور آپ ﷺ کل تیرہ (۱۳) دن بیمار رہے اور آپ ﷺ پیر کے دن ۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو فوت ہوئے، جبکہ امام ابن سعد ایک روایت ۱۲ ربیع الاوّل کی بھی ذکر کرتے ہیں۔ (الطبقات الکبریٰ: جلد ۲ صفحہ ۲۰۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

O امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) محمد بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدھ کے دن بیمار ہوئے اور آپ ﷺ کل تیرہ دن بیمار رہے اور آپ کا وصال پیر کے دن ۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو ہوا...... جبکہ امام بیہقی ایک روایت یکم ربیع الاوّل اور ایک روایت بارہ ربیع الاوّل کی بھی ذکر کرتے ہیں۔

(دلائل النبوۃ: جلد ۷ صفحہ ۲۳۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

O امام محمد ابن منظور (متوفی ۷۱۱ھ) محمد بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دو ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو فوت ہوئے اور لیث بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یکم ربیع الاوّل کو فوت ہوئے۔

(مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر: جلد ۲ صفحہ ۳۸۷، مطبوعہ دارالفکر دمشق)

تاریخ وفات النبی ﷺ کا نقشہ و کیلنڈر

ذیل کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں اور چاہیں تو اس سے تفصیلی کیلنڈر بھی بنالیں تو معلوم ہوگا کہ ۹ ذوالحجہ ۱۰ ہجری کو جمعہ ہو تو اوائل ربیع الاوّل میں اس حساب سے پیر کا دن کس کس تاریخ کو واقع ہوتا ہے۔ اس نقشہ میں ۱۲ ربیع الاوّل پیر کے کسی دن بھی واقع نہیں ہوتا، جبکہ روایتوں اور نقشہ دونوں کے مطابق یکم اور دو ربیع الاوّل پیر کے دن واقع ہوتے ہیں جو اس امر کی واضح ترین دلیل ہے کہ آپ ﷺ کا وصال مبارک ۱۲ ربیع الاوّل کو نہیں بلکہ یکم یا دو ربیع الاوّل کو ہوا ہے۔

نقشہ ملاحظہ فرمائیں!

نمبر	حجۃ الوداع کے بعد آخری تین مہینوں کی صورت	پیر	پیر	پیر	پیر
1	ذی الحجہ، محرم اور صفر سب ۲۹ دن کے ہوں	۲	۹	۱۶	۲۳
2	ذی الحجہ، محرم اور صفر سب ۳۰ دن کے ہوں	۶	۱۳	۲۰	۲۷

3	ذی الحجہ ۲۹، محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ دن کا ہو	۱	۸	۱۵	۲۲
4	ذی الحجہ ۳۰، محرم ۲۹ اور صفر ۲۹ دن کا ہو	۱	۸	۱۵	۲۲
5	ذی الحجہ ۲۹، محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ دن کا ہو	۱	۸	۱۵	۲۲
6	ذی الحجہ ۳۰، محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ دن کا ہو	۷	۱۴	۲۱	۲۸
7	ذی الحجہ ۲۹، محرم ۳۰ اور صفر ۳۰ دن کا ہو	۷	۱۴	۲۱	۲۸
8	ذی الحجہ ۳۰، محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ دن کا ہو	۷	۱۴	۲۱	۲۸

آخری چار مہینوں کا ایک تفصیلی کیلنڈر:

حضور سید عالم ﷺ کے حجۃ الوداع (۹ ذوالحجہ ۱۰ ہجری، بروز جمعہ) کے بعد آخری چار مہینوں کا تفصیلی کیلنڈر (نقشہ) ملاحظہ فرمائیں، جس میں ذوالحجہ ۲۹ دن، محرم الحرام ۲۹ دن اور صفر المظفر ۳۰ دن کا ہے، کیونکہ اکثر روایات کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ ۱۹ صفر ۱۱ ہجری بدھ کے دن بیمار ہوئے اور آپ ﷺ کل تیرہ (۱۳) دن بیمار رہے اور پھر یکم ربیع الاوّل کو پیر کے دن وصال فرما گئے۔

ذوالحجہ ۱۰ ہجری

جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ
1	2	3	4	5	6	7
8		10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	n	n	n	n	n	n

محرم الحرام ۱۱ ہجری

جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ
n	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	n	n	n	n	n

صفر المظفر ۱۱ ہجری

جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ
n	n	1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	n	n	n

ربیع الاوّل 11 ہجری

جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ
n	n	n	n		2	3
4	5	6	7		9	10

17	16		14	13	12	11
24	23		21	20	19	18
n	30		28	27	26	25

تاریخ وفات النبی ﷺ کی بابت شیخ شبلی نعمانی کی تحقیق:

شیخ شبلی نعمانی نے اپنی مشہور و معروف تصنیف "سیرت النبی ﷺ" میں تاریخ وفات النبی ﷺ کے بارے میں طویل بحث و تحقیق کی ہے اور یکم ربیع الاول کی روایت کو مستند و معتبر اور راجح ترین قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"تاریخ وفات کی تعیین کے بارے میں راویوں کا اختلاف ہے۔ کتب احادیث کا تمام تر دفتر چھان ڈالنے کے بعد بھی تاریخ وفات کی مجھ کو کوئی روایت احادیث میں نہیں مل سکی۔ ارباب سیر کے ہاں تین روایتیں ہیں، یکم ربیع الاوّل، دوم ربیع الاوّل اور ۱۲/ ربیع الاوّل! ان تینوں روایتوں میں باہم ترجیح دینے کے لئے اصولِ روایت و درایت دونوں سے کام لینا ہے اور دوم ربیع الاوّل کی روایت ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابو مخنف کے واسطے سے مروی ہے (طبری: ص ۱۸۔۱۵) اس روایت کو گو اکثر قدیم مؤرخوں (مثلاً یعقوبی و مسعودی وغیرہ) نے قبول کیا ہے لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونوں دروغ گو اور غیر معتبر ہیں۔ یہ روایت واقدی سے بھی ابن سعد و طبری نے نقل کی ہے لیکن واقدی کی مشہور ترین روایت جس کو اس نے متعدد اشخاص سے نقل کیا ہے وہ ۱۲/ ربیع الاوّل کی ہے، البتہ بیہقی نے دلائل میں مسند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاوّل کی روایت نقل کی ہے لیکن یکم ربیع الاوّل کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسیٰ بن عقبہ سے اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے، (فتح الباری) امام سہیلی نے "روض الانف" میں اسی روایت کو "اقرب الی الحق" لکھا ہے اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے درایۃً اس نکتہ کو دریافت کیا کہ ۱۲/ ربیع الاوّل کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہے۔

(سیرت النبی: جلد ۲ صفحہ ۱۰۶، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

شیخ شبلی نعمانی کے نزدیک یکم ربیع الاوّل تاریخ وصال النبی ﷺ

علامہ شیخ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ ان مفروضہ تاریخوں میں سے "۶، ۷، ۸، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۲۰، ۲۱" خارج از بحث ہیں کہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی تائید میں کوئی روایت نہیں۔ رہ گئیں یکم اور دو تاریخیں، دوم تاریخ صرف ایک صورت میں پڑ سکتی ہے جو خلاف اصول ہے، یکم تاریخ تین صورتوں میں واقع ہو سکتی ہے اور تینوں کثیر الوقوع ہیں اور روایات ثقات اُن کی تائید میں ہیں۔ اس لئے وفات نبوی ﷺ کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاوّل ۱۱ھ ہے"۔ (سیرت النبی: جلد ۲ صفحہ ۱۰۷، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

تاریخ وفات النبی ﷺ کی تاریخوں کا خلاصہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یکم ربیع الاوّل کی تاریخیں کثیر الوقوع ہے یعنی اگر ہم دو مہینوں کو ۲۹ دن کا اور ایک مہینہ ۳۰ دن کا قرار دیں تو پھر "پیر" کا دن ۱، ۸، ۱۵ اور ۲۲ ربیع الاوّل کو واقع ہوتا ہے اور اگر تینوں مہینوں کو ۳۰ دن کا مانیں تو پھر پیر کا دن ۶، ۱۳، ۲۰ اور ۲۷ ربیع الاول کو واقع ہوتا ہے اور اگر ۲ مہینے ۳۰ دن کے اور ایک مہینہ 29 دن کا قرار دیں تو پھر پیر کا دن ۷، ۱۴، ۲۱ اور ۲۸ ربیع الاوّل کو واقع ہوتا ہے، لہٰذا نقشہ اور روایات کے مطابق پیر کے دن یکم ربیع الاوّل اور دو ربیع الاوّل واقع ہوتے ہیں.... لہٰذا شبلی نعمانی صاحب کا یہ کہنا کہ "دوم تاریخ صرف ایک صورت میں پڑ سکتی ہے جو خلاف اصول ہے" درست نہیں ہے، کیونکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق زیادہ سے زیادہ مسلسل چار قمری مہینے ۳۰ دن کے ہو سکتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ تین قمری مہینے ۲۹ دن کے بھی ہو سکتے ہیں۔ (تفہیم المسائل بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰ صفحہ ۴۲۸۔۴۳۰)

تاریخ وفات النبی ﷺ کی بابت امام ابن حجر عسقلانی کی تحقیق

امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) نے "فتح الباری شرح صحیح بخاری" میں تاریخ وفات نبوی ﷺ کے بارے میں ایک طویل بحث کی ہے اور کئی

روایتیں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام سلیمان التیمی نے اس قول پر جزم و یقین کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مرض کی ابتداء 22 صفر کو ہفتہ کے دن ہوئی اور آپ ﷺ نے دو ربیع الاوّل کو وصال فرمایا......پس اس لحاظ سے صفر کا مہینہ ناقص (یعنی ۲۹ دن کا تھا) اور صفر کی یکم تاریخ ہفتہ کو ممکن نہیں، مگر اس صورت میں کہ ذوالحجہ اور محرم بھی دونوں ناقص ہوں تو یہ تینوں مہینے مسلسل ناقص (۲۹ دن کے) ہوں گے اور رہا یکم ربیع الاوّل کا قول تو پس دو مہینے ناقص اور ایک مہینہ کامل (۳۰ دن کا) ہوگا اور اسی صورت کو امام سہیلی نے (الروض الانف میں) ترجیح دی ہے"۔

(فتح الباری: ۸/۱۳۰، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

شیخ اشرف علی تھانوی کے نزدیک یکم ربیع الاوّل

شیخ اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ) نے "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" میں لکھا ہے: "اور وفات آپ ﷺ کی شروع ربیع الاوّل سنہ دس ہجرت......(البتہ یہ درست نہیں کیونکہ صحیح سنہ وفات ۱۱ ہجری ہے)......روز دوشنبہ کو قبل زوال آفتاب یا بعد زوال آفتاب ہوئی"۔ نیز اسی عبارت کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ: "اور تاریخ کی تحقیق نہیں ہوئی اور بارہویں جو مشہور ہے، وہ حساب درست نہیں ہوتا، کیونکہ اس سال ذی الحجہ کی نویں جمعہ کی تھی اور یوم وفات دوشنبہ ثابت ہے پس جمعہ کو نویں ذی الحجہ ہو کر بارہ (۱۲) ربیع الاوّل دوشنبہ کو کسی طرح نہیں ہو سکتی۔

(نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب: صفحہ ۲۰۳، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی کے نزدیک دو ربیع الاوّل

مفتی محمد شفیع دیوبندی (متوفی ۱۳۹۶ھ) نے بھی "سیرت خاتم الانبیاء" میں حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کی تاریخ کے بارے میں بارہ ربیع الاوّل کے قول کو خلاف تحقیق قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تاریخ آپ ﷺ کا یوم وصال قطعاً نہیں ہے۔ چنانچہ ملاحظہ کیجیے: "تاریخ وفات میں مشہور ہے کہ ۱۲ ربیع الاوّل کو واقع ہوئی اور یہی جمہور

مؤرخین لکھتے چلے آرہے ہیں، لیکن حساب سے کسی طرح بھی یہ تاریخ وفات نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ بھی متفق علیہ اور یقینی امر ہے کہ وفات دوشنبہ (پیر) کو ہوئی اور یہ بھی یقینی ہے کہ آپ ﷺ کا حج ۹ رذی الحجہ روزِ جمعہ کو ہوا، ان دونوں باتوں کے ملانے سے ۱۲ ربیع الاوّل روزِ دوشنبہ نہیں پڑتی۔ اس لئے حافظ ابن حجر نے شرح صحیح بخاری میں طویل بحث کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ تاریخ وفات دوسری ربیع الاوّل ہے۔ کتابت کی غلطی سے (۲ کا ۱۲) اور عربی عبارت میں "ثانی شہر ربیع الاوّل" کا "ثانی عشر ربیع الاوّل" بن گیا، حافظ مغلطائی نے بھی دوسری تاریخ کو ترجیح دی ہے"۔

(سیرت خاتم الانبیاء: صفحہ ۱۴۴، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی)

علامہ نور بخش توکلی علیہ الرحمتہ کے نزدیک دو ربیع الاوّل:

پروفیسر علامہ نور بخش توکلی اپنی مشہور کتاب "سیرت رسول عربی" میں تاریخ وفات نبوی ﷺ کی بابت تحقیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "ماہ صفر ۱۱ھ کے اخیر عشرہ میں آنحضرت ﷺ بیمار ہو گئے اور ماہ ربیع الاوّل میں وصال فرما گئے۔ وصال شریف کی تاریخ میں اختلاف ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وفات شریف ماہ ربیع الاوّل میں دوشنبہ کے دن ہوئی۔ جمہور کے نزدیک ربیع الاوّل کی بارھویں تاریخ تھی۔ ماہ صفر کی ایک یا دو راتیں باقی تھیں کہ مرض کا آغاز ہوا، بعضے تاریخ وصال یکم ربیع الاوّل بتاتے ہیں، بناء بر قول حضرت سلیمان تیمی ابتدائے مرض یوم شنبہ ۲۲ رصفر کو ہوئی اور وفات شریف یوم دوشنبہ ۲ ربیع الاوّل کو ہوئی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابو مخنف کا قول ہی معتمد ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاوّل کو ہوئی ہے۔ (سیرت رسول عربی: صفحہ ۲۷۳، مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور)

یکم ربیع الاوّل کے مؤیدین

(۱) امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی

(۲) علامہ شبلی نعمانی

(۳) مولوی اشرف علی تھانوی

(۴) موسیٰ بن عقبہ

(۵) مشہور محدث امام لیث مصری

دو ربیع الاول کے مؤیدین

(۱) مفتی محمد شفیع دیوبندی

(۲) علامہ نور بخش توکلی

(۳) علامہ ابن حجر عسقلانی

(۴) حافظ مغلطائی

(۵) امام سلیمان التیمی

تاریخ وصال النبی ﷺ کی تحقیق اور بحث کا خلاصۂ کلام

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کے وصال مبارک کی تاریخ کے بارے میں تین قسم کی روایتیں یعنی یکم ربیع الاوّل، دوم ربیع الاوّل اور بارہ ربیع الاوّل کی روایات وارد ہیں، لیکن محققین علماء کرام، محدثین، مؤرخین اور اربابِ سیر نے "یکم ربیع الاوّل" اور بعض نے "دو ربیع الاوّل" کی روایت کو ترجیح دی ہے، کیونکہ کثیر روایات کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ ۱۹ صفر المظفر ۱۱ ہجری کو بیمار ہوئے اور آپ ﷺ کل تیرہ (۱۳) دن بیمار رہے اور پھر ماہ ربیع الاوّل میں پیر کے دن وصال فرما گئے، اگر وہ صفر کا مہینہ تیس دن کا تھا تو پھر یکم ربیع الاوّل کی روایت محقق ہے اور اگر وہ مہینہ ۲۹/ دن کا تھا تو پھر آپ ﷺ کا وصال ۲/ ربیع الاوّل ۱۱/ ہجری کو ہوا ہے۔

الحمدللہ ان دلائل و براہین اور مستند حوالہ جات کی روشنی میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح بہ خوبی ثابت اور واضح ہوگئی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی وفات بارہ ربیع الاوّل کو قطعاً نہیں ہوئی بلکہ آپ ﷺ کا وصال مبارک یکم ربیع الاوّل یا دو ربیع الاوّل کو ہوا ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

ہم میلاد کیوں مناتے ہیں؟

مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

وارثان منبر و محراب ارباب فکر و دانش، اصحاب محبت و مودت!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے آج ہم سب کو اس عظیم الشان محفل میلاد مصطفیٰ ﷺ میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ میری دعا ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ منتظمین کے انتظام کو اور شرکاء کی شرکت کو اپنے دربار میں قبول فرمائے۔

آج اس اجتماع میں ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

ہم میلاد کیوں مناتے ہیں؟

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن و سنت کا فہم عطا فرمائے اور اس کے ابلاغ و تبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے آغاز ہی میں اس بات کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں جو کچھ بیان کروں گا انشاء اللہ ہر لفظ کا آخری سانس تک تحفظ کروں گا اور جسے گفتگو کے دوران کوئی چیز سمجھ نہ آئے' کوئی اعتراض ذہن میں آئے' کوئی شک وشبہ پیدا ہو جائے تو وہ اسی وقت پوچھ سکتا ہے۔ تاکہ کل کوئی منتظمین کو یہ نہ کہے کہ وہ آئے تھے بیان کر کے چلے گئے یہ بات ایسی تھی کہ ہم نے پوچھنا تھی۔

میں اپنی طرف سے دعوت دے رہا ہوں جس نے جو پوچھنا ہو وہ پوچھ لے اور اس کے بعد جو کچھ ہم فکر پیش کریں گے قرآن و سنت سے اس کو ہر موڑ پہ ثابت کرنا یہ ہماری ذمہ داری ہے اور انشاء اللہ اس کو ثابت کریں گے۔

ہم محفل میلاد مصطفیٰ ﷺ کیوں مناتے ہیں؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس محفل میلاد کا انعقاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا، اس محفل کو پسند رب ذوالجلال نے کیا اور اس محفل پر انعام کی تقسیم حضرت محمد ﷺ نے کی لہٰذا یہ سبب ہے کہ ہم اس محفل کا انعقاد کرتے ہیں۔

یہ کوئی رسم نہیں، یہ کوئی رواج نہیں، یہ کوئی کسی بادشاہ کا گھڑا ہوا طریقہ نہیں، یہ

بعد کی صدیوں بعد کا بنایا ہوا کوئی فنکشن نہیں، محفل میلاد وہ تقریب ہے جس کا انعقاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ شریف میں کیا۔ سید عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کی تصدیق کی اور رب ذوالجلال نے عرش سے اپنی رحمت کا سندیسہ بھیج دیا۔

مسجد نبوی شریف ﷺ میں محفل میلاد

سید عالم نور مجسم ﷺ مسجد نبوی شریف میں تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک اجتماع جاری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ کو اکٹھے بیٹھے ہوئے دیکھا حالانکہ ان کی مصروفیات بہت زیادہ تھیں ہر وقت کسی نہ کسی غزوہ میں، کسی معرکہ میں، کسی نئے افق پر دین کی شمع روشن کرنے میں مصروف تھے اس کے باوجود ایک جلسہ انہوں نے منعقد کر رکھا تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ وَنَحْمَدُهُ عَلَى مَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ وَمَنَّ عَلَيْنَا بِكَ قَالَ آللّٰهِ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذَاكَ قَالُوا وَاللّٰهِ مَا أَجْلَسَنَا إِلَّا ذَاكَ قَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ وَلٰكِنَّهُ أَتَانِي جِبْرِيلُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ

شعب الایمان للبیہقی جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۴۰۰ دارالکتب العلمیہ بیروت، مسلم شریف کتاب الذکر باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۴۶ قدیمی کتب خانہ، معجم الکبیر للطبرانی جلد نمبر ۱۹ صفحہ نمبر ۳۱۱ دارالاحیاء التراث بیروت

طبرانی نے معجم کبیر میں اس حدیث کو روایت کیا اور بیہقی نے شعب ایمان میں اس حدیث کو لکھا ہے، امام مسلم نے صحیح مسلم شریف کی دوسری جلد میں اس حدیث کو روایت کیا ہے اور صرف ایک حرف کے اختلاف کے ساتھ یعنی طبرانی اور شعب ایمان میں (من علینا بک) ہے اور مسلم شریف میں (من بہ علینا) ہے مطلب ایک ہی ہے فرق نہیں ہے کیونکہ بہ میں ضمیر کا مرجع اسلام ہے اور یقیناً اسلام کی وجہ سے احسان حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ ہی سے ہوا ہے اور سند صحیح کے ساتھ یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ جس وقت ہمارے نبی علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے تو سرکار علیہ السلام نے صحابہ کرام سے پوچھ لیا۔

مَا أَجْلَسَكُمْ

میرے صحابہ یہ جلسہ کیسا ہے کس محبت نے تمہیں بٹھا رکھا ہے، کیا بیان ہو رہا ہے جو فرش زمین پر بیٹھ کر عرش بریں کی خبریں دیں وہ اپنی مسجد کے جلسہ سے ناواقف نہیں تھے پوچھنے میں حکمت یہ تھی کہ آج میرے کہنے پر میرے صحابہ جو جواب دیں گے اور پھر جب میں اسکی تصدیق کر دوں گا تو وہ کل قیامت تک کے آنے والے میرے غلاموں کا جواب بن جائے گا

علم غیب مصطفیٰ ﷺ کا انداز

بخاری شریف میں ہے میرے نبی علیہ السلام کے پاس حضرت ام حارثہ رضی اللہ عنہا آ گئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ حارثہ میرا لاڈلہ بیٹا شہید ہو گیا ہے اگر وہ جنت میں پہنچ گیا ہے پھر تو میں صبر کر لیتی ہوں اور اگر جنت میں نہیں پہنچا تو پھر مجھے رونے کی تو اجازت دے دو میں اپنے حارثہ کو رو لوں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں یہ نہیں فرمایا جو آج کچھ لوگ نبوت کا تعارف کرواتے ہیں کہ وہ ہم جیسے اور ہم ان جیسے ہم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ حارثہ کی امی مجھ سے مسئلہ نماز کا پوچھو، روزے کی بات پوچھو یہ حارثہ کہاں گیا یہ تو غیب کی بات ہے اور میں غیب جانتا نہیں ہوں اور جب ہم نے اسے مٹی میں دفن کیا تو پھر وہ حارثہ اور کہاں گیا ہو گا یہ تبصرہ نہیں کیا بلکہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یَا اُمَّ حَارِثَةَ اِنَّهَا جِنَانٌ فِی الْجَنَّةِ وَاِنَّ ابْنَكِ اَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰی

صحیح البخاری کتاب الجہاد والسیر باب من اتاہ سہم غرب جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۳۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی

حارثہ کی امی تم ایک جنت کی بات کرتی ہو میرے رب کی تو بہت سی جنتیں ہیں اور میں جانتا ہوں کہ تیرا حارثہ کس جنت میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے ام حارثہ تیرا بیٹا تو سب سے اونچی جنت میں پہنچ چکا ہے۔

سات آسمانوں کے پار جنت ہے تو جو مدینہ شریف میں بیٹھ کر سات آسمانوں کے اوپر جنت میں کسی کے پہنچنے کی اطلاع دیکھ کر دے سکتے ہیں وہ اپنی مسجد کے جلسے سے

ناواقف ہوں یہ ہو نہیں سکتا تھا۔ بلکہ آپ نے امر عظیم کیلئے پوچھا تا کہ صحابہ کرام علیہم جو جواب دیں گے میں اس کی رجسٹریشن کر دوں گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر انعام اتر جائے گا تو قیامت تک جو میری بزم سجائیں گے ان کو جو بھی طعنہ دیں گے وہ انہیں اپنا نہیں ہمارا جواب پڑھ کر سنا دیں گے۔

اب صحابہ کرام علیہم کا جواب سنو! صحابہ کیا جواب دیتے ہیں میں اس واسطے عربی عبارت پڑھ رہا ہوں ایک تو کسی کو شک نہ رہے اور دوسرا یہ ہے کہ ہم چونکہ اس محفل کی تقلید کر رہے ہیں، اسی محفل کا عکس ہم پیش کر رہے ہیں تو جن باتوں کی خوشبو وہاں تھی ان کی خوشبو یہاں بھی ہو جائے۔

چونکہ نبی علیہ السلام اور صحابہ کے الفاظ ہمارے لئے بہترین تبرک ہیں اور محفل کیلئے بہترین مہک ہیں جب نبی علیہ السلام نے پوچھا میرے صحابہ تمہارے اس جلسے کا عنوان کیا ہے، آج تمہارے اس جلسے کا موضوع کیا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا موضوع بیان کیا عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ

جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ وَنَحْمَدُهٗ عَلٰى مَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ وَمَنَّ عَلَيْنَا بِكَ

خلاصہ یہ ہے یا رسول اللہ ﷺ آج کے ہمارے اس جلسے کا موضوع بس یہ ہے کہ ہم سارے بیٹھ کے یہ کہہ رہے ہیں کہ

فضل رب العلیٰ اور کیا چاہیے؟

مل گئے مصطفیٰ ﷺ اور کیا چاہیے

(جَلَسْنَا) اسکا معنی یہ ہے کہ ہم بیٹھے ہیں جیسے آج تم بھی بیٹھے ہو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم بیٹھے ہیں۔...... (نَذْكُرُ اللّٰهَ) خدا کو یاد کر رہے ہیں اور اس کو پکار رہے ہیں (جس طرح تم نعرہ تکبیر لگاتے ہو)...... (وَنَحْمَدُهٗ) اور اس کی تعریف کر رہے ہیں سبب کیا بنا؟...... (عَلٰى مَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ) اس رب نے ہمیں اس دین اور اسلام کی ہدایت دی ہے۔...... (وَمَنَّ عَلَيْنَا بِكَ) اور اس رب نے تجھے بھیج کر ہم پر کرم فرمایا ہے...... (وَمَنَّ عَلَيْنَا) اس نے ہم پہ احسان کیا (بِكَ) تمہارے صدقے، تمہاری وجہ سے، تمہاری آمد

سے، تمہاری جلوہ گری سے، تمہاری ولادت سے جو ہم پہ احسان ہوا ہے ہم اس کا حوالہ دے رہے ہیں، رب کا شکر ادا کر رہے ہیں۔

اہلِ حق مبارک ہو تمہیں صدیاں گزر گئی ہیں آج بھی تم اس موضوع کا جلسہ بھی منعقد کرتے ہو جس میں روح یہ ہوتی ہے کہ امت کے افراد با وضو، با ادب بیٹھ کر رب کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اے اللہ تو نے انہیں بھیجا، ہم پر کرم فرمایا ہے، صحابہ کرام علیہم الرضوان کہنے لگے۔ وَمَنَّ عَلَيْنَا بِكَ (صحیح المسلم کتاب الذکر والدعاء باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن) (سنن الترمذی کتاب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ ما جاء فی القوم یجلسون فیذکرون اللہ عز و جل) ہم یہ بیان کر رہے ہیں کہ اس جلسہ کا موضوع نماز کے مسائل نہیں ہیں، اس جلسہ کا موضوع روزے کے احکام نہیں ہیں، اس جلسہ کا موضوع حج کا طریقہ نہیں۔

پیکرِ حبیبِ کبریا ﷺ کی برکتیں

یا رسول اللہ ﷺ ہم سارے بیٹھ کے اس بات کو بیان کر رہے ہیں کہ ایک وقت تھا ہمیں کوئی جانتا نہیں تھا، ہمیں کوئی پوچھتا نہیں تھا، ہماری کوئی حیثیت نہیں تھی، ہم عرب کے وحشی ماحول میں رہنے والے تھے، تہذیب و تمدن اور سیوی لائزیشن سے ہمارا کوئی تعلق نہیں تھا، اندھیروں میں ہمارے بسیرے تھے اور صراطِ مستقیم سے کوسوں دور ہمارے ڈیرے تھے، آج وقت وہ آیا ہے تمہاری ولادت اور جلوہ گری سے اتنی عظمت ملی ہے کہ اب بلال اگر زمین پر چلے تو قدموں کی آہٹ جنت میں سنائی دیتی ہے۔

اب فرشتے جھک جھک کے ہمیں سلام کرتے ہیں اب ہمیں ہدایت کا ستارہ کہا جاتا ہے، اب صراطِ مستقیم کا تعارف ہمارے ناموں سے ہوتا ہے اب ہم فرش پہ ہوتے ہیں ہمارے چرچے عرش پہ ہوتے ہیں۔

جب تک بکے نہ تھے تو کوئی پوچھتا نہ تھا تم نے خرید کے ہمیں انمول کر دیا

یا رسول اللہ ﷺ تمہاری آمد سے جو کانٹے گلاب بن گئے اور ذرے آفتاب بن گئے ہم اسکا ذکر کر رہے ہیں، رب کا شکر ادا کر رہے ہیں، یہ جواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جلسہ منعقد کرنے پہ دیا

جب نبی علیہ السلام نے انکا یہ جواب سنا تو اس پر کئی تبصرے ہو سکتے تھے جن لوگوں

کی آج یہ رائے ہے کہ یہ ٹائم ضائع کرنے کیلئے بیٹھے ہوئے ہیں تو نبی علیہ السلام کے صحابہ کا ٹائم ہم سے کئی ہزار مرتبہ قیمتی تھا۔

صحابہ کرام کے ایک ایک لمحے کی قدر و قیمت

ابن ماجہ شریف میں یہ حدیث شریف ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابہ کے ٹائم کی ویلیو بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لَمَنَامُ اَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ اَحَدِكُمْ عُمْرَهُ (مرقات شرح مشکوۃ جلد نمبر ۱۱، صفحہ ۲۷۳ مکتبہ امدادیہ ملتان) اے بعد والو! تم زندگی بھر کی نمازیں، روزے، حج، زکوٰۃ، جہاد اور تہجد اور سارے اچھے کام ایک پلڑے میں رکھو اور صحابی کی ایک لمحہ کی نیند دوسرے پلڑے میں ہو تو ان کی نیند والا پلڑا بھاری ہو جائے گا، کتنا زرخیز وقت ہے صحابہ کرام کا' انہوں نے ٹائم نکالا ہے اور پھر نبی علیہ السلام نے سن کے یہ نہیں فرمایا کہ میرے صحابہ کتنا جہاد کرنا ابھی باقی ہے، کتنی تبلیغ ابھی باقی ہے۔ تم بیٹھے جلسے منعقد کر رہے ہو، ابھی تو لوگوں کو کلمہ پڑھانا ہے میں نے آنا تھا آ گیا ہوں، احسان ہونا تھا ہو گیا۔ اب اس احسان پر جلسوں کی ضرورت کیا ہے؟ یہ بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرما سکتے تھے۔

کیونکہ نبی علیہ السلام سے بڑھ کر امت کے ٹائم کی قیمت کو کون جان سکتا ہے اور کون حفاظت کر سکتا ہے میرے محبوب علیہ السلام نے نہ غصے کا اظہار کیا، نہ ناراضگی کا اظہار کیا اور نہ ہی کوئی ایسا تبصرہ کیا بلکہ رسول اللہ نے وہ قسم لی اس عمل کیلئے جس کی کوئی مثال نہیں تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آللّٰهِ مَا اَجْلَسَكُمْ اِلَّا ذَالِكَ؟ میرے صحابہ اب تم مجھے حلف دو کہ واقعی تم بیٹھے یہ باتیں کر رہے تھے۔ ہزاروں حدیثوں کا ذخیرہ جو میری نظر کے سامنے ہے اس ذخیرہ سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ نبی علیہ السلام کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس کام کیلئے کہا ہے کہ ہم یہ کام کر رہے ہیں نبی علیہ السلام نے قسم نہیں مانگی یہاں باقاعدہ حلف چاہا کہ واقعی تم میری آمد کا ذکر کر کے رب کا شکر ادا کر رہے ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باقاعدہ حلف دیا لفظ یہ تھے۔ وَاللّٰهِ مَا اَجْلَسَنَا اِلَّا ذَالِكَ خدا کی قسم ہے ہمارا اور کوئی مقصد نہیں بس یہ ہی کہہ رہے تھے۔

فضل رب العلیٰ اور کیا چاہیے   مل گئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور کیا چاہیے

جب یہ حلف ہو گیا نبی علیہ السلام کی نگاہ چونکہ سارے حالات دیکھ رہی تھی آج

جب ہم نے اس حدیث کو بیان کرنا تھا تو تھرڈ پرسن لوگوں نے یہ سن کر کہا کہ میلاد کا ثبوت دیتے دیتے مزید پھنس گئے کیسے کہ ادھر تو عقیدہ یہ ہے کہ پیغمبر دلوں کی باتیں بھی جانتے ہیں اور ادھر حلف کیوں لے رہے ہیں قسم تو وہ لیتا ہے جس کو پتہ نہیں کہ دل میں کیا ہے تا کہ تاکید ہو جائے حلف وہ لیتا ہے جو دل سے بے خبر ہے تو اگر دل کی بات جانتے تھے تو قسمیں لینے کی ضرورت کیا تھی ویسے جب جانتے تھے تو پھر حلف کیوں لیا آج کسی نے اعتراض کرنا تھا میرے نبی علیہ السلام نے اسی جلسے میں جواب دے دیا۔

تیری نظر خارزار شب میں گلاب تحریر کر چکی تھی　　اجاڑ نیندوں کے خواب میں انقلاب تحریر کر چکی تھی

میرے ذہن کے فلک پر جو سوال چمکے تو میں نے دیکھا　　تیرے زمانے کی خاک ان کے جواب تحریر کر چکی تھی

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ ...... صحابہ سنو! میں نے شک کی وجہ سے حلف نہیں لیا مجھے تمہارے کام کے بارے میں شک نہیں تھا۔ میں نے حلف کیوں لیا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے عمل کی عظمت کو ظاہر کرنا تھا اور جو تم نے محفل منعقد کی اس کا اعزاز بتانا تھا۔ إِنَّهُ أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَأَخْبَرَنِي أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ میرے صحابہ تم تھے بزم میلاد میں، اور میں تھا کاشانہ نبوت میں، میرے رب نے مجھے بھی دیکھا تمہیں بھی دیکھا تو رب ذوالجلال نے جبریل علیہ السلام کو میرے پاس بھیجا ابھی وہ مجھے پیغام دے کے گئے ہیں کہ پیغمبر اپنے صحابہ کو بتا دو کہ رب یہ فرما رہا ہے کہ اے فرش زمیں پر محفل میلاد منانے والو! عرش بریں پر رب تمہیں یاد فرما رہا ہے أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخْبَرَنِي میرے پاس جبریل امیں آئے انہوں نے مجھے خبر دی۔ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ (صحیح المسلم کتاب الذکر و الدعاء باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن)، (سنن الترمذی کتاب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ ما جاء فی القوم یجلسون فیذکرون اللہ عز و جل) بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر کر رہا ہے۔

رب ذوالجلال فرشتوں کو تمہاری طرف متوجہ کر کے تمہارا جلسہ دکھا کے رب فرشتوں کو کہتا ہے یہ ہوتے ہیں امتی، یہ ہیں میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام یہ احسان فراموش نہیں نکلے کہ پیغمبر سے قرآن تو وصول کر لیں اور ایمان وصول کر لیں لیکن اپنے نبی علیہ السلام کو بھول جائیں۔

اے میرے فرشتو! آج بھی ان کو دیکھو وہ بیٹھ کر میرا شکر ادا کر رہے ہیں۔ تو رب ذوالجلال اس بزم کو دیکھ کر آسمان پر فخر فرما رہا تھا فخر ذکر کے بغیر نہیں ہوتا ہر ایک کا نام لیا ہر ایک کا چرچا ہوا تو محفل میلاد رسم نہیں، رواج نہیں یہ معمولی کارِ ثواب نہیں اتنا بڑا کارِ ثواب ہے کہ اس کا اجتماع تو فرش زمیں پر ہوتا ہے بھائیو حاضری عرش بریں پر لگائی جاتی ہے۔

آج کسی کا نام کوئی تھانے، کچہری میں لے لے' کسی دفتر میں لے لے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتا میرا نام تھانوں میں چلتا ہے ایوانوں میں گھومتا ہے کہاں کے یہ ایوان اور کہاں وہ احکم الحکمین کی بارگاہ۔

محفل میلاد میں بیٹھنے کی فضیلت

محفل میلاد میں آنے والو! یہاں بڑے مقدر والا کوئی آتا ہے ایک سادہ بندہ جسے محلے میں بھی کوئی جانتا نہ ہو۔ اس بزم کا کمال ہے کہ جب وہ اس محفل میلاد میں آ بیٹھتا ہے تو اس وقت وہ بیٹھا تو فرش زمیں پر ہے لیکن اس کا چرچا عرش پہ ہو گیا ہے بات سوچنے کی ہے جن کا نام سننے سے اتنا کام بنتا ہو ان کی ذات کے فیض کا عالم کیا ہو گا کہاں تک انسان کو پہنچایا گیا اس کی عظمت کتنی بڑی ہے۔ رب ذوالجلال نے نام لیا فرشتو فلاں بھی بیٹھا ہے فلاں بھی بیٹھا ہے فلاں بھی آ گیا ہے رب ذوالجلال تذکرہ بھی کر رہا ہے اور ساتھ اپنے بندوں کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر فرما رہا ہے۔

صحابہ کرام کا عمل اور جشن میلاد مصطفیٰ ﷺ

جس وقت عرش سے یہ پیغام آیا ایگزیکٹ اس ٹائم صحابہ کا عمل کیا تھا؟ کیا میدان بدر میں تھے؟ یا احد میں تھے؟ وہ خندق میں تھے یا حنین میں تھے؟ وہ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے یا عرفات میں وقوف کر رہے تھے؟ وہ حالت رکوع میں تھے یا حالت سجود میں تھے۔ کیا عمل تھا ان کا؟ رب کعبہ کی قسم ہے یہ کام سب انہوں نے کیے بارہا کیے مگر جس وقت کی میں بات کر رہا ہوں اس وقت صحابہ کرام علیہم الرضوان نہ بدر میں تھے، نہ احد میں تھے، نہ خندق میں تھے، نہ حنین میں تھے، نہ یرموک میں تھے، نہ تبوک میں تھے، نہ حالت طواف میں تھے، نہ حالت سجود میں تھے، نہ حالت وقوف میں تھے، نہ حالت رکوع میں تھے، نہ حالت سجود میں تھے، نہ حالت جہاد میں تھے بلکہ وہ تو محفل میلاد میں تھے۔ انہوں نے ثابت کیا بعد والو! سوچنا ہم سے بڑا متقی کون ہو سکتا ہے اور ہم سے بڑا ٹائم کی اہمیت کو جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے۔

ہم بدر میں بھی جاتے ہیں، احد میں بھی جاتے ہیں، خندق میں بھی جاتے ہیں، حنین میں بھی جاتے ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں، روزہ بھی رکھتے ہیں، حج بھی بڑا ضروری ہے، جہاد بھی ضروری ہے مگر بیٹھ کے کچھ وقت محبوب کی یاد بھی ضروری ہے۔

صحابہ کرام علیہم کا جو یہ مقدس عمل تھا اس کو رب ذوالجلال نے پسند بھی کیا اور فرشتوں کے سامنے ان پر فخر بھی کیا۔ آج بھی ہمیں امید ہے کہ کوئی شخص ریا کے بغیر آداب کے ساتھ ایسی محفل میں آجاتا ہے اس پر بھی ابر کرم برسنے کی قوی امید ہے اللہ کے فضل سے اس واسطے کہ ایسے اعزاز امت کیلئے عام ہوتے ہیں۔

میدان عرفات میں حاجیوں کو رب کا سلام

حدیث صحیح میں ہے کہ میرے نبی علیہ السلام میدان عرفات میں ہیں حج کا موقع ہے شام کا وقت ہو گیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بلال لوگوں سے کہو کہ چپ ہو جائیں میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں لبیک اللھم لبیک کی صدائیں جب کچھ دھیمی ہوتی ہیں تو میرے نبی علیہ السلام کی آواز گونجتی ہے عرفات والو! خوش ہو جاؤ عرش سے رب نے تمہیں سلام بھیجا ہے۔ صحابہ کی حیرت اور خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری غلامی ہمیں میسر نہ آتی تو ہمیں کون عرش سے سلام بھیجتا۔ ہمیں محلے میں کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ عرش سے سلام آیا ہے سب بڑے خوش ہیں۔ صائب فکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور ہماری نمائندگی بھی کر دی پوچھنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہمیں سلام آیا ہے یہ ہمارے ساتھ ہی خاص ہے یا بعد والوں کو بھی آیا کرے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے صحابہ کا عقیدہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سوال سے بھی پتہ چل رہا ہے کہ ان کا نبوت کے بارے میں یقین کیا ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں سمجھتے کہ پیغمبر کو تو (معاذ اللہ) کل کی بھی خبر نہیں اگر یہ عقیدہ ہوتا تو قیامت تک کی خبر نہ پوچھتے لیکن انہوں نے پوچھا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا بعد والوں کو بھی یہ سلام آیا کرے گا تو میرے نبی علیہ السلام نے بھی فوراً جواب دیا عمر سن لو آج تمہیں بھی یہ سلام آیا ہے اور قیامت تک جو بھی میرا امتی اس وقت یہاں ہو گا اس کو بھی رب کا سلام آئے گا تو پتہ چلا قیامت تک جب سلام آئے گا تو پھر جو

بزم وہاں سجی تھی اس پہ جو انعام آیا ہے وہ بھی قیامت تک آئے گا جو اس پیٹرن پر اس موضوع پر آداب پر آداب کے ساتھ جشن منائے گا بزم سجائے گا رب ذوالجلال کی طرف سے اس پر فضل ہوگا اور پھر اس لحاظ سے اس وقت تو ولادت کو ابھی اتنے سال نہیں ہوئے تھے یہ جو صدیوں بعد بھی بھولنے والے نہیں ہیں تو رب ذوالجلال ان پہ بھی ضرور ابر کرم برسائے گا۔

یہ ہے اصل محفل کی جو میلاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منعقد کی اب اس پر کچھ یہ بھی تبصرہ ہے لوگ کہتے ہیں یہ تم جھنڈیاں لگاتے ہو، صحابہ جھنڈیاں نہیں لگاتے تھے، تم دیگیں پکاتے ہو وہ دیگیں نہیں پکاتے تھے، تم بینر لگاتے ہو وہ بینر نہیں لگاتے تھے یہ چیزیں ثابت کرو تو پھر ہم سمجھیں گے کہ جائز ہے۔

اصل محفل میلاد کی جو روح ہے وہ میں نے تمہارے سامنے حدیث پیش کی ایک نہیں ہمارے پاس اس کے علاوہ بھی متعدد دلائل ہیں چونکہ رب ذوالجلال جب قرآن میں کہہ رہا ہے۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (پارہ ۱۱ سورۃ یونس آیت ۵۸) تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں وہ ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے

اللہ کے فضل اور رحمت کے حصول پر اظہار خوشی کیا جائے تو صحابہ اس پر عمل کر رہے تھے تو اگر فضل صرف ان پر ہوتا ہے تو خوشی صرف وہ کرتے اور اگر ایمان ہمارے کلیجوں میں بھی ہے تو فضل ہم پر بھی ہوا ہے جیسے ان کا خوشی کا انداز تھا ہم پر بھی خوشی کا منانا لازم ہو گیا ہے یہ جو فرق ہے اگر جھنڈیاں دکھاؤ تو پھر ہم میلاد منائیں گے۔

میں اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں اور ان لوگوں کو ٹھنڈے دل سے دعوت فکر دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے حالات اور ہیں اور ہماری مصروفیات اور ہیں ہمارے احوال اور ہیں بعد والوں کو ہر بات میں صحابہ کیساتھ ملایا نہیں جا سکتا اور اگر کوئی شخص ایسا کر سکتا ہے تو پھر اس کو اس محفل میلاد کے علاوہ بھی کچھ سوچنا چاہیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا گھر ظاہر میں آج کے بنگلوں جیسا نہیں تھا ایک صحابی نے جب گھر اونچا بنایا دوسرے دن نبی علیہ السلام وہاں سے گزرے صحابی جب ملنے آئے تو سرکار نے چہرہ مبارک پھیر لیا سلام نہیں لیا۔ اب صحابی کو جب ایسی صورت حال نظر آئی کہ سب کچھ جنہوں نے سرکار کیلئے چھوڑا ہوا تھا ان سے یہ کیسے برداشت ہو سکتا تھا کہ محبوب علیہ الصلوۃ والسلام مجھ سے ناراض رہیں۔ لہٰذا وہ صحابی دوستوں سے پوچھنے لگے۔ کیا ہوا

میرے نبی علیہ السلام ناراض کیوں ہو گئے ہیں تو دوستوں نے کہا کہ کل تیرے مکان کے پاس سے گزرے تھے تو تیرا اونچا گھر دیکھا تو رسول اکرم ﷺ نے پوچھا تھا کہ یہ گھر کس کا ہے تو ہم نے بتایا تھا۔ اس وقت سے وہ ناراض ہیں صحابی اٹھے اپنا گھر گرایا اور کہنے لگے محبوب جس گھر کو دیکھ کر تم ناراض ہو جاؤ ہمیں چین کیسے آئے گا۔

اب ذرا غور کریں کہ اس وقت صحابی تین منزلہ بھی نہ بنائے اور آج کا امتی دس منزلہ بنا لے اس وقت یاد نہ آئے کہ صحابی کا عمل کیا تھا اور محفل میلاد میں کہے کہ جیسے ان کا عمل تھا ایسے ہی ہونا چاہیے۔ وہ صحابہ جو صفہ پر بیٹھنے والے ہیں ایک کپڑا ہے جو زیب تن کیا ہوا ہے اوپر لینے کیلئے کسی کو چادر نہیں ملتی، کسی کو قمیص نہیں ملتی۔ اس وقت ان کا یہ زندگی گزارنے کا طریقہ تھا۔

آج اگر کوئی دھوتی پہ گزارا کرتا ہے تو وہ ہم سے مطالبہ کر لے اور اگر بیس بیس سوٹ پہنتا ہے تو پھر وہاں بھی صحابہ کا طرز عمل یاد آنا چاہیے صحابہ آدھی کھجور پر ہفتہ گزارا کریں اور یہ ایک وقت کھانے میں دس ڈشیں استعمال کرے اور اس کو دین سمجھے اور کہے کہ یہ جائز ہے اس واسطے رب ذوالجلال کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جس کے پاس نعمتیں ہوں اس کو نعمت کا اظہار بھی کرنا چاہیے۔ تو میں کہتا ہوں اگر کپڑے پہنتے وقت نعمت کا اظہار شریعت ہے تو میلاد مناتے وقت بھی جشن کا اظہار شریعت ہے صورت حال کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کی ضرورت ہے۔

صحابہ کرام اصل ہیں اور بعد والے فرع ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین کی اصل ہیں اور بعد والے فرع ہیں ۔اصل جڑ کو کہتے ہیں اور فرع ٹہنی کو کہتے ہیں صحابہ جڑ ہیں بعد والے ٹہنی ہیں صحابہ جڑیں اور کتنی گہری جڑیں۔ صدیاں گزر گئیں آج تک اس درخت کو کوئی ہٹا نہیں سکا۔ صحابہ جڑ ہیں ہم ٹہنی ہیں اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہم اصل نہیں بلکہ ہم جڑ ہیں۔ جڑ تو صدیق اکبر ہیں، جڑ عمر فاروق ہیں، جڑ حضرت عثمان ہیں، جڑ حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ وہ جڑ ہیں بعد میں کوئی غوث ہو، قطب ہو جو کچھ بھی ہو جتنا بڑا رتبہ ہو وہ ٹہنی ہے، وہ جڑ نہیں ہے۔

جڑ اور ٹہنی کا مسلک

جڑ کا اور ٹہنی کا مسلک ایک ہوتا ہے مشن ایک ہوتا ہے مگر خوشبو ٹہنی کے پھول

سے آتی ہے سوز جڑ میں ہوتا ہے مگر پھل ٹہنی سے ملتا ہے سایہ زمانے کو ٹہنی سے ملتا ہے جڑ اصل پاور ہے ٹہنی اس کا ایک رکن ہے۔ جڑ کی ڈیوٹی ٹہنی دے رہی ہے۔ مشن ایک، مسلک ایک، ضابطہ، حیثیات بھی ایک لیکن فرق بھی ہے۔ اگرچہ جڑ اور ٹہنی کا مشن ایک ہے مگر فرق بھی واضح ہے کہ

جڑ پر کوئی پتہ نہیں ہوتا ٹہنی پتوں سے خالی نہیں ہوتی۔...... جڑ پر پھول نہیں ہوتے ٹہنی پر پھول ہوتے ہیں...... جڑ نیچے جاتی ہے اور ٹہنی اوپر آتی ہے۔...... جڑ دبی ہوئی ہوتی ہے ٹہنی ننگی ہوتی ہے۔...... جڑ جمی ہوتی ہے ٹہنی وجد بھی کرتی ہے۔

اب اگر کوئی دنیا کا دانشور کسی ٹہنی کو پکڑ کر بیٹھ جائے اور اسے طعنے دے روزانہ کہے ٹہنی تو بدعتی ہو گئی اس ٹہنی نے کہا کہ تجھے کیا ہوا آگے وہ کہتا ہے کہ تم نے تو جڑ والا مسلک ہی بدل لیا تیری جڑ کا مسلک اور تھا اور تیرا اور ہو گیا تو ٹہنی نے کہا کہ ثبوت پیش کرو تو وہ کہتا ہے کہ یہ پتے ہیں تجھ پر جبکہ تیری جڑ پر تو کوئی پتا نہیں تھا اگر تو جڑ والی ہے جڑ کے مسلک والی ہے تو تجھ پر بھی پتے نہیں ہونے چاہیے تھے تو ٹہنی نے سر ہلا کر کہا زمانے کے بے وقوف میرے پتوں کو تو نے بدعت بتایا ہے جسکی جڑ ہوتی ہے۔ اسکے پتے ضرور ہوتے ہیں جڑ نہ ہو تو پتے نہیں ہوتے جڑ ہو تو پتے ہوتے ہیں اب جڑ اور ٹہنی کا مسلک ایک ہے مگر فرق ہے جڑ کے جڑ ہونے کا لحاظ ہے اور ٹہنی کے ٹہنی ہونے کا لحاظ ہے۔ اب مشن ایک مقصد ایک مگر پھر بھی فرق ہے ٹہنی کو جڑ نہیں بنایا جا سکتا جڑ کو ٹہنی نہیں بنایا جا سکتا۔

صحابہ کرام کا اور ہمارا مسلک ایک ہے

لہٰذا ہمارا اصول ایک ہے صحابہ کے ساتھ، ہمارا مسلک ایک، ہمارا دین ایک مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے احوال کے مطابق اپنی بزم سجائی ہے اور بعد والوں نے اپنے شوق سے محفل منائی ہے اب دیکھو ناں! بات کرنی آسان ہے جب حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخاری لکھنے لگے تھے تو یہی اعتراض ان پر بھی تھا کہ بخاری جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو جلدوں میں کتاب نہیں لکھی تو تم کیوں لکھتے ہو، اے امام مسلم تم مسلم شریف کیوں لکھتے ہیں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہیں لکھی۔ تو کیا امام بخاری نے ان لوگوں کی فکر کو قبول کیا؟ نہیں بلکہ انہوں نے کتابیں لکھیں اور بتایا وہ جڑ ہیں ہم ٹہنی ہیں۔ جڑ نے جڑ والے کام کیے اور ٹہنی نے ٹہنی والے کام کیے۔ کیوں کہ ہمیں ہزار کتاب

پڑھنے سے بھی وہ علم نہیں آتا جو صحابہ ایک نگاہ دیکھتے تھے تو پڑھ جاتے تھے اب بعد والے کتابیں بھی نہ لکھیں اور وہ نگاہ بھی نہ ملے تو جائیں گے کہاں۔

میرے بھائیو ہم دس گھنٹے کی محفل میلاد منائیں اور سارے خیالات ذہن سے نکال دیں اور گنبد خضریٰ کی طرف متوجہ رہیں، حلیہ مبارک سنتے رہیں، درود وسلام پڑھتے رہیں، سیرت طیبہ کے فضائل کا بیان ہوتا رہے تو دس گھنٹے میں بھی ہمیں وہ لذت نہیں آسکتی جو صحابہ کو ایک سیکنڈ میں آجاتی تھی۔ تو جب ان کا مرتبہ یہ ہے تو ہمیں کیسے ان کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔ اب امام بخاری نے بخاری لکھ کر کہا مجھ پہ کوئی اعتراض نہ کرے وہ جڑ کا اپنا گزارا تھا، ہم ٹہنیوں کا اپنا گزارا ہے ہم ضرور لکھیں گے کیوں کہ اصل موجود ہے کہ سرکار نے دو صفحے لکھوانا جب حدیث سے ثابت ہے تو پھر دو جلدیں ثابت ہو جائیں گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب بیٹھ کر بزم سجائی ہے تو اس بزم کی پیٹھ پر آج کا یہ پورا گلشن آباد ہو چکا ہے۔ صحابہ جڑ ہیں بخاری و مسلم ٹہنی ہیں یہ سارے مدارس ٹہنیاں ہیں، یہ آج کے دور کی مساجد ٹہنیاں ہیں۔ اس وقت تو پکی مسجد نہیں ہوتی تھی اس وقت دیر تک فتویٰ رہا کہ مسجدیں جو ہیں انکو پختہ نہ بنایا جائے۔ چونا گچ نہ کیا جائے یہی امت میں رائج رہا اور پھر دیکھئے تصوف ہو فقہ ہو اصول حدیث ہو صرف ونحو ہو یہ سب کچھ یہ ٹہنیاں ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی صحابہ کے زمانے میں موجود نہیں تھی سبب یہ تھا کہ ان کو کچھ کرنے کیلئے سارے فنون کی ضرورت نہیں تھی ان کیلئے نگاہ مصطفیٰ علیہ السلام کافی تھی اب دیکھنا جڑ کیلئے جو انداز ہے یقیناً ٹہنی کیلئے نہیں ہاں مسلک ایک ہے مشن ایک ہے اصول، ضابطہ ایک ہے قرآن وسنت میں سے مخالفت کسی چیز کی نہیں ہوگی ہاں فرق جو ہے وہ بنتا جائے گا۔

صحابہ کرام کے جھنڈیاں نہ لگانے کی وجہ

پہلی وجہ:۔ اب دیکھو جس زمانے میں قرآن لکھنے کیلئے کاغذ نہ ملتا ہو اور قرآن لکھا جائے ہڈیوں پر، قرآن لکھا جائے چھتوں پر، قرآن لکھا جائے پتھروں پر تو اس زمانے میں بارہ ربیع الاول شریف کی جھنڈیوں کو ڈھونڈنا یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

دوسری وجہ:۔ حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ احد میں شہید ہو گئے کفن کیلئے کپڑا نہیں تھا وہی دھوتی جو انہوں نے باندھی ہوئی تھی شہادت کے بعد وہی اوپر دی گئی ہے اور پھر کیا ہوا کہ سر پر ڈالتے تھے تو قدم ننگے ہو جاتے تھے قدموں پر ڈالتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا

کتنی چھوٹی دھوتی تھی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء ہیں ہمارے نبی علیہ السلام کے چچا ہیں مگر کفن کیلئے کپڑا نہیں مل رہا۔ میرے محبوب علیہ السلام فرمانے لگے میرے صحابہ میرے چچا کے سر پر کپڑا ڈال دو قدموں پر اس کے گھاس ڈال دو اب جب حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کی تدفین کے وقت کفن کا کپڑا نہ ملتا ہو تو اس زمانے کی بارہ ربیع الاول میں بینر کا کپڑا کہاں سے آئے۔

سوچو! بات سوچنے والی ہے تبوک کی طرف قافلہ جا رہا تھا صحیح مسلم (کتاب الایمان) میں موجود ہے میرے نبی علیہ السلام کا کاروان جب جا رہا تھا رستے میں چونکہ سب سے لمبا سفر تبوک والا ہی تھا رستے میں راشن ختم ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تجاویز پیش کیں۔ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ ذبح کر لیں زندگی تو بچائیں تو میرے نبی علیہ السلام کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے کہنے لگے میرے محبوب میری تجویز بھی سن لو۔ میں اونٹ کو ذبح کرنے کے حق میں بھی ہوں پھر ہم ذبح کیسے کریں گے۔ میں یہ کہتا ہوں جس کے پاس جو بچا ہوا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے۔ آپ اس پر ختم پڑھ دیں، دعا مانگ دیں سب کی بوریاں بھر جائیں گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز مان لی گئی اعلان ہو گیا جو کچھ کسی کے پاس ہے وہ لے آئے ڈھیر کر دے اب سارا لشکر ہزاروں پر جو مشتمل ہے ان کے توشہ دان کی تلاشی لی گئی سب نے جو کچھ تھا جھاڑا، اکٹھا کیا کھانے والی چیزیں روٹی کا ٹکڑا کھجور آدھی اور کھجوروں کی گٹھلیاں سب کچھ جمع کر کے لے آئے۔ تو وہ کتنا ڈھیر بنا۔ جتنا بیٹھی ہوئی بکری کا جسم ہوتا ہے۔ اور اس میں واضح تعداد گٹھلیوں کی تھی میرے نبی علیہ السلام نے دعا مانگ دی آج کی پلیٹ پہ دعا مانگے تو شرک کے فتوؤں کی زد میں آ جاتا ہے۔

میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ڈھیر پر دعا مانگ کے قیامت تک کی فتوؤں کے بیج بو دیے وہی ہوا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے سب کی بوریاں بھر گئیں ساری کمی دور ہو گئی۔ محدثین نے یہاں پر بحث کی ہے کہ اعلان تو یہ ہوا تھا کہ کھانے والی چیزیں لائی جائیں تو گٹھلیاں کیوں لے آئے؟ ڈھیر میں ایک تعداد تو گٹھلیوں کی تھی۔ حالانکہ کھجور تو کھائی جاتی ہے گٹھلی پھینک دی جاتی ہے گٹھلیاں کیوں سٹور کرتے تھے؟ محدثین کہتے ہیں لوگو اعتراض نہ کرو تمہیں پتہ نہیں کہ وہ زمانہ کیسا تھا جب صحابہ جہاد کر رہے تھے کھجور کھا کے گٹھلی نہیں پھینکتے تھے بلکہ سنبھال کے رکھتے تھے اس لئے جب کچھ بھی نہیں ملے گا منہ میں دو گٹھلیاں رکھیں گے

ساتھ پانی پئیں گے تو کچھ نہ کچھ پانی میٹھا ہو جائے گا کچھ نہ کچھ غذائیت مل جائے گی۔

صحابہ کرام کے لنگر نہ پکانے کی وجہ

اب سوچو جس زمانے میں گٹھلیوں سے یوں غذائیت حاصل کی جاتی ہو اس زمانے کے بارہ ربیع الاول شریف میں میلاد کے لنگر کی دیگیں ڈھونڈنا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنا انداز تھا اس کے مطابق بھرپور طریقے سے انہوں نے بزم کو سجایا اور آج کے احوال کے مطابق بعد میں آنے والی امت نے اپنے انداز میں میلاد منایا ہے۔

صحابہ کرام کا ہر لمحہ ہی محفل میلاد میں

پھر اس سے بھی اگلا مسئلہ ہے اس کو بھی سوچنا چاہیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگی میں کسی گستاخ کو سر نہیں اٹھانے دیا۔ ان کی چمکتی تلواریں میلاد منا رہی ہیں بدر میں، احد میں، خندق میں، یہ ان کی غیرت ہے اور ہر منٹ ان کا میلاد کا ہے لہٰذا صحابہ کرام کے لئے یہ کہنا کہ سال کے بعد میلاد مناتے تھے یہ تو بڑی دور کی بات ہے وہ تو جس وقت محبوب علیہ السلام کو دیکھتے تھے، درود و سلام پڑھتے تھے اور ہر وقت یہ پیش نظر تھا کہ اگر یہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ ہوتے تو ہم کہاں ہوتے۔ یہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے ہیں تو ہمارے سر پر امامت کے تاج سج گئے، ہر لمحہ ان کا تو میلاد کی محفل میں گزرتا تھا۔

جبکہ ہماری صورت حال ان سے مختلف ہے وہ اس طرح کہ ہماری فضاؤں میں گستاخی کا دھواں ہے اور ہم سے وہ ختم نہیں ہوا ڈنمارک میں خاکے بنے گستاخی ہوئی اور آج اس ملک پاکستان میں نجمہ ہاؤس کے اندر ڈنمارک سے ایک بہت بڑی گستاخی کی گئی اور یہ بھی انہی لوگوں نے کی جنہوں نے ڈنمارک والی گستاخی کروائی تھی اور وہ کون لوگ ہیں اس عبارت کو پڑھ لیجئے تو پتا چل جائے گا۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

نجمہ ہاؤس کراچی سے جو رسالہ چھپا ہے اس میں کلمۂ اسلام کی تصویریں بنا کر تشریح کی گئی مثلاً اشہد کیلئے ہتھوڑی سندان پر مار کر یہ اشہد کا ترجمہ ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت

اب دیکھنا میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضلیت کہ بتاؤ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیسے تھے تو

یہ سند میں پڑھ رہا ہوں۔ زُهْرِیْ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ...... زہری سالم سے اور سالم ابن عمر سے روایت کرتے ہیں...... جتنی بھی اصول حدیث کی کتابیں ہیں ان سب میں اس سند کو صحیح ترین سندوں میں شمار کیا گیا ہے حضرت عبد اللہ بن عمر عظیم صحابی ہیں وہ کہتے ہیں۔...... رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ بِعَیْنَیَّ هَاتَیْنِ...... اپنی دونوں آنکھوں کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں میں نے نبی علیہ السلام کو ان دو آنکھوں سے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں کہتے ہیں۔...... كَانَ نُوْرًا ...... آپ نور ہیں...... آپ کے ہونٹ مبارک نور ہیں یا رخسار مبارک نور ہیں کہتے ہیں۔...... كَانَ نُوْرًا كُلُّهٗ ...... سر کی چوٹی سے لے کر قدم کے ناخن تک نور ہیں۔ بلکہ آگے کہتے ہیں۔...... بَلْ نُوْرًا مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ...... وہ عام سا نور نہیں بلکہ اللہ کے نور سے نور ہیں۔...... یہ درود تاج میں جو ہم (نور من نور اللہ) پڑھتے ہیں یہ ہم نے گھڑا نہیں ہے یہ تو صحابہ کے الفاظ ہیں...... كَانَ نُوْرًا كُلُّهٗ بَلْ نُوْرًا مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لوگو! ہمارے نبی علیہ السلام کل نور ہیں اور اللہ کے نور میں سے نور ہیں۔

نور کا کھلونا

یہ ہے ہمارے محبوب علیہ السلام کی افضلیت ہم جو نور کا لفظ بھی بولتے ہیں تو اس سے مراد کوئی نارمل سا نور نہیں ہوتا وہ نارمل نور تو ہمارے نبی علیہ السلام کے کھلونوں کا بھی ہے۔

جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا (پارہ ۱۱ سورۃ یونس آیت ۵) رب نے سورج کو ضیاء بنایا قمر کو نور بنایا۔...... اور پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رَأَیْتُكَ فِی الْمَهْدِ تُنَاغِی الْقَمَرَ وَتُشِیْرُ اِلَیْهِ بِاِصْبَعِكَ (دلائل النبوۃ للبیہقی باب ما جاء فی حفظ اللہ تعالی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے تجھے پنگوڑے میں دیکھا تھا جب تم چاند سے باتیں کرتے تھے۔...... حَیْثُ اَشَرْتَ اِلَیْهِ مَالَ ...... جدھر تمہارا اشارہ ہوتا تھا ادھر چاند جھک جاتا تھا۔

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں   کیا اشاروں پہ وہ چلتا تھا کھلونا نور کا

وہ ذات جن کا کھلونا نور کا ہو ان کی اپنی نورانیت کیسی ہو گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کامل کی جھلک

قرآن مجید میں لفظ نور دس معانی پر بولا گیا ہے اور مخلوق انوار میں سے جو پہلے نمبر کا نور ہے وہ ہمارے نبی علیہ السلام کے نور کی کوالٹی ہے وہ کیسی ہے جبریل علیہ السلام کو سب نور

مانتے ہیں مگر معراج کی رات جس وقت سدرہ پر پہنچے تھے کہنے لگے۔ لَوْدَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ (تفسیر کبیر سورۃ النجم زیر آیت ۱۳) (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح باب بدء الخلق)

محبوب اگر ایک پورے برابر بھی میں آگے گیا تو میں جل جاؤں گا کیوں کہ اللہ کا نور مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اللہ تعالی کا اتنا پاور فل نور ہے اگر چہ میں بھی نور ہوں مگر مجھ سے برداشت نہیں ہو سکے گا۔

انہوں نے معذرت پیش کر دی کہ یا رسول اللہ ﷺ میرا جی نہیں چاہتا کہ آپ کو مکہ شریف سے یہاں لا کر اکیلا چھوڑ دوں۔ حق تو یہ بنتا ہے کہ ساتھ جاؤں مگر میری مجبوری یہ ہے کہ میں ساتھ جا نہیں سکتا میں آگے بڑھا تو پھر بھی آپ کو تنہا ہی جانا پڑے گا کیونکہ اللہ تعالی کے نور سے جل جاؤں گا اور آپ پھر تنہا ہو جاؤ گے تو اسی میں اچھائی ہے کہ آپ چلے جائیں اور میں پیچھے رہ جاؤں اس لئے کہ اگر میں پورے برابر بھی آگے گیا تو میں جل کے راکھ ہو جاؤں گا یہ جبریل علیہ السلام کا نور ہے۔

جس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ سنا تو کیا میرے نبی علیہ السلام نے کیا یہ فیصلہ کیا تھا کہ جبریل جب تم نہیں بچ سکتے تو میں کیسے بچ سکتا ہوں میں بھی واپس جاتا ہوں۔ کیا آقا علیہ الصلوۃ والسلام واپس آ گئے تھے؟ نہیں آگے بڑھے اور کہاں تک گئے۔...... ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا ...... فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (پارہ ۲۷ سورۃ النجم آیت ۸) پھر خوب اُتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

سر کی آنکھوں سے رب کا دیدار

کمان کے دو (۲) سروں سے قریب ہو کر جب رب کی ذات کو دیکھا تو کیا بدن جل کے راکھ ہو گیا؟ نہیں اللہ نے اپنے نور کا وہ جلوہ محبوب علیہ الصلوۃ والسلام کو دیا تھا کہ جب میری ذات کا جلوہ تمہارے نور میں پڑے گا تو جبریل تو جل سکتے ہیں محبوب علیہ الصلوۃ والسلام تم نہیں جل سکو گے۔ جبریل کو خطرہ ہے کہ میں جل جاؤں گا سرکار نے یہ نہیں کہا کہ جبریل تم جلو گے تو میں کیسے بچ سکوں گا۔ واپس چلتا ہوں نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ دُوْنَ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ (المعجم الکبیر للطبرانی)

میں آگے بڑھا ستر ہزار پردے میرے بدن سے لگ کر پھٹ گئے میں نے کمان کے دو سروں سے قریب ہو کر اپنے رب کی ذات کو دیکھا۔

لذت کی بات یہ ہے جہاں جبریل علیہ السلام کو اپنے جلنے کا خطرہ تھا۔ وہاں میرے

نبی علیہ السلام کے سر پر عمامہ شریف بھی سلامت تھا۔ بدن پر کپڑا بھی سلامت رہا۔ وہ کیسا نور ہے کہ جس کے نور نے کپڑے کو بھی طاقت دے دی ہے۔ رب کی ذات کے جلوے پڑتے رہے مگر پھر بھی وہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام جنکا نور کامل ہے گھبرائے نہیں بے ہوش نہیں ہوئے قرآن کہتا ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (پارہ ۲۷ سورۃ النجم آیت ۱۷) آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔...... ٹکٹکی لگا کے نظریں جما کے رب کو دیکھتے رہے۔
......بات بڑی قابل غور ہے میں کوئی مجنوں لیلیٰ کی داستان تمہارے سامنے بیان نہیں کررہا۔ میں تو رب کا قرآن بیان کررہا ہوں۔

کلیم اللہ علیہ السلام کو رب کے دیدار کی چاہت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیدار چاہا تو اسکا انکار ہوگیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ۔ فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (پارہ ۹ سورۃ الاعراف آیت ۱۴۳) پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کردیا اور موسیٰ گرا بے ہوش۔......... اللہ نے طور (پہاڑ) پر اپنی صفت کا جلوہ پھینکا، تو کیا ہوا طور ریزہ ریزہ ہو گیا اور انڈریکٹ جو کلیم نے جلوہ دیکھا تو ہوش نہ رہ سکے بے ہوش ہو گئے اب جس رب کی صفت کی ایک جھلک طور پر آگرے تو طور طور نہ رہ سکے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہڈیوں اور گوشت کا بندہ عرش پہ چلا جائے اور رب کے پاس سے ہوکر بھی سلامت لوٹ آئے۔

اب قرآن نے کہا کہ جلوہ طور پر گرا تو طور ریزہ ریزہ ہوا اور جس رب کے جلوے کا جلال طور کو پگھلا دے اس رب کے پاس عرش پہ جا کے کوئی بندہ ہڈیوں اور گوشت والا ہم جیسا بچ کے آسکتا تھا نہیں تو ماننا پڑے گا ہم جیسے وہ نہیں انکو رب نے وہ نور دیا ہے کہ جب وہاں سے ہوکے صحیح سلامت واپس آگئے تھے تو دنیا کو بتایا جارہا تھا کہ طور کا معاملہ اور ہے حضور ﷺ کا معاملہ اور ہے جو بدن رب کی تجلیوں کی گرمی کے سامنے پگھل نہ سکا برقرار رہا آخر وہ افضلیت ہماری عقل کے ترازو پر تولی نہیں جاسکتی لیکن ان احمقوں نے جو رسالہ چھاپہ کراچی سے اس میں کیا لکھا ہے عبد کی تفسیر کرتے ہوئے (معاذ اللہ) ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بنایا گیا یورپ کے وہ خاکے اور یہ ہڈیوں کا ڈھانچہ جیسے یہ بجلی کے پولوں پہ خطرے کی علامت ہوتی ہے ایک ڈراونی سے شکل معاذ اللہ ایسی

کھوپڑی اور پورا ڈھانچہ اور ساتھ ٹوٹا ہوا ایک قدم رکھا ہے۔ جس پہ پٹی لپٹی ہوئی ہے اور نیچے لکھا ہوا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود۔ اتنی بڑی گستاخی وہ بھی نہ کر سکے یہ بننے والے مثل کی عادتیں ہم نے کئی سال پہلے کہا تھا۔ کہ وہ ہمارا بھی عقیدہ ہے ان آیات کو پڑھنے کا ہم بشر مانتے ہیں مگر پس منظر دیکھ کے بیان کرو کہ وہ بشریت ہم جیسی نہیں وہ بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے۔ مگر اب وہ گند باہر نکل آیا جس نے غیروں کو یہ جرأت اور جسارت دی کہ وہ خا کے بنا رہے ہیں کہ خود آیات لکھ کے محبوب علیہ السلام کی کتنی توہین کی جا رہی ہے تو

دورِ حاضر میں محفلِ میلاد کی ضرورت

میرے بھائیو! جس ماحول میں اتنا زہر اگلا جا رہا ہو تو ہم اس ماحول میں اگر محبت کا چھڑکاؤ نہیں کریں گے تو ایمان بچے گا کیسے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اندازہ اور تھا انہوں نے گستاخی کے سارے دھوئیں ختم کر دیئے تھے ہم سے اگر وہ نہ ہو سکے۔ تو کم از کم یہ تو ہم ضرور کریں گے اور یہ جائز ہی نہیں بلکہ محفل میلاد واجب ہو گئی ہے کہ دنیا کو بتایا جائے ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ نہیں کہ جن کے یہ ڈھانچے بنائے جا رہے ہیں ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام تو وہ ہیں جو اللہ کے خاص جلوؤں کی ایک تجلی ہیں۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مسئلہ اصول

اس بات کو سمجھنے کیلئے اصول ذہن میں رکھنا چاہیے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ اصول کا یوں سمجھایا کہ ایک شخص کے گھر میں آگ لگ گئی ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وقت وقت سے حکم بدل جاتا ہے اصل ایک قرآن مجید کی آیت کی مخالفت نہیں ہو گی۔ حدیث کی مخالفت نہیں ہو گی۔ مگر مسئلہ صورت حال کو دیکھ کر بتایا جائے گا۔

مثلاً ایک شخص کے گھر میں آگ لگ گئی اندر کمرے میں دو چیزیں پڑی تھیں ایک پیسوں سے بھری بوری پڑی تھی اور دوسری کرسی بطور مثال، جب آگ لگی تو ٹائم اتنا تھا کہ صرف ایک چیز کو اٹھایا جا سکتا تھا ایک چیز دوسری کے اٹھاتے جل جائے گی۔ وہ عقل مند تھا اس نے فیصلہ کیا کہ یہ بوری پیسوں کی زیادہ قیمتی ہے جس سے ہزاروں کرسیاں آ جائیں گی کرسی اٹھاؤں گا بوری جل جائے گی تو پھر نقصان زیادہ ہو گا لہٰذا اس نے بوری اٹھائی واپس آنے تک کرسی جل گئی باہر تماشائیوں کا رش تھا سارے دیکھ رہے تھے کہ دو چیزیں تھیں اس نے کیا اٹھائی یہ دیکھنے کے بعد سارے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

چند دنوں کے بعد ان تماشیوں میں سے ایک بندے کے گھر ہفتہ بعد آگ لگ گئی اب اس کے گھر جب آگ لگی تو اس کے کمرے میں بھی دو چیزیں تھیں ایک اس کا دو سالہ بیٹا تھا اور دوسرا پیسوں سے بھرا تھیلا تھا۔ اب وقت اتنا ہے کہ صرف ایک ہی اٹھا سکتا ہے۔ اب یہ ہے مکھی پر مکھی مارنا اور یہ ہے تدبر کے بغیر دین کی بات کرنا، یہ بغیر فقاہت کے دین کو گھڑ لینا اب جس وقت اس نے سوچا تو کہنے لگا وہ بندہ جس کو سارے عقل مند کہتے تھے اس کے گھر آگ لگی تھی تو اس نے بھی پیسوں والا تھیلا اٹھایا تھا تو مجھے بھی یہ کام کرنا چاہیے لہٰذا گیا پیسوں والا تھیلا اٹھایا واپس لوٹا تو بیٹا جل چکا تھا لوگوں نے کہا کتنا بے وقوف ہے تو۔ تو نے بیٹا کیوں نہیں اٹھایا یہ ہزار تھیلا بھی تو دے دے بیٹا تجھے نہیں ملے گا تو نے بیٹا اٹھانا تھا۔ تو سب کو کہ ہے کہ مجھے تم بے وقوف کہتے ہو کل جس نے تھیلا اٹھایا تھا اسے تم عقل مند کہتے ہو اگر وہ عقلمند ہے تو میں بھی عقلمند ہوں لوگوں نے کہا نہیں اس کو عقلمند اس لیے کہا تھا کہ جب اس نے تھیلا اٹھایا تھا تو اس کا بیٹا اندر نہیں تھا۔ تیرا بیٹا تو ہزار مرتبہ تھیلے سے قیمتی تھا تجھے اپنی صورت حال کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے تھا تجھے مکھی پہ مکھی نہیں مارنی چاہیے تھی۔

لہٰذا ہم ان دونوں کو دعوت فکر دیتے ہیں جو آج ٹہنی کو جڑ کے دعوے کر کے ٹہنی کو جڑ کا پابند کرنا چاہتے ہم بتاتے ہیں کہ جب گستاخیوں کا دھواں اٹھ رہا ہو اس وقت محفل میلاد کا یہ پروگرام نفلی نہیں واجب ہو جاتا ہے۔

خارجیوں کا سیرت بیان کرنے کا انداز

اب دیکھیے کہ جس وقت لوگوں کو مقام نبوت کی شناخت معاشرے میں یوں کرائی جائے پھر کتابوں میں اور سیرت النبی علیہ السلام کے جلسے کر کے یہ سمجھایا جائے کہ (معاذ اللہ) ڈاکیے کی طرح تھے ڈاک دے کر چلے گئے ہم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہاں یہ ہے کہ ان پر وحی اترتی ہے ہم پر نہیں اترتی یہ بھی بڑی مشکل سے فرق مانتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ نبی کو بڑا مانو تو صرف اتنا جتنا بڑا بھائی ہوتا ہے اور جتنا گاؤں کا چوہدری ہوتا ہے یہ ہے تبلیغ اور یہ ہے ان کی سیرت تو ہم اس وقت یہ بتانا چاہتے ہیں۔

فلک کو اس بلندی پر بھی وہ عظمت نہیں حاصل جبینِ خاک سے پوچھو مقام نقش پا کیا ہے

کہ ان کا پیکر تو پیکر رہا جہاں ان کے قدم لگ جائیں وہ زمین بھی آسمان بن جاتی ہے۔

صحابہ کرام اور تعظیم مصطفیٰ ﷺ

بخاری شریف میں ہے حدیبیہ کے مقام پر حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے سفیر بن کر آئے جب انہوں نے وہاں کا منظر دیکھا تو سب کچھ بھول گئے واپس قریش کے پاس جا کر کہنے لگے۔ جس دن سے مدینہ دیکھ لیا ہم ساری بہاریں بھول گئے۔

اے قریش مکہ میں قیصر کے پاس گیا، میں کسریٰ کے پاس گیا، میں نجاشی کے پاس گیا، مجھے رب کعبہ کی قسم ہے میں نے وہ چمک کہیں نہیں دیکھی جو میں حدیبیہ میں دیکھ کے آیا ہوں۔ قریش نے کہا عروہ بتا تم نے کیا دیکھا قیصر کی سونے کی کرسیوں سے تجھے کچھ نہیں ہوا اور حدیبیہ میں تو پتوں کے بچھاؤنے تھے تو کیا دیکھ کے آ گیا ہے تو کہنے لگے وَاللّٰهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدًا (صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۳۷۹ قدیمی کتب خانہ کراچی) میں نے دنیا میں کسی بادشاہ کی وہ تعظیم نہیں دیکھی جو تعظیم انکے صحابہ اپنے نبی ﷺ کی کرتے ہیں آج تعظیم نبی ﷺ میں شرک کے فتوے لگتے ہیں مگر یہ جس وقت آیا تو مشرک تھا اور وہ اتنا بڑا ان کا لیڈر تھا کہ نبوت کا کینڈیڈیٹ انہوں نے بنایا ہوا تھا قرآن میں ذکر ہے۔ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (پارہ ۲۵ سورۃ الزخرف آیت ۳۱) اور بولے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر

وہ مشرکین کہتے تھے کہ رب کو یا تو قرآن عروہ پر اتارنا تھا یا ولید پر اتارنا تھا لیکن یا اللہ تو نے قرآن کہاں اتار دیا وہ عروہ جس وقت صحابہ کی تعظیم کو دیکھتے ہیں تو شرک ٹوٹتا ہے ایمان آ جاتا ہے اب کیا دیکھا کہنے لگے میں نے دنیا میں کسی بادشاہ کی وہ تعظیم نہیں دیکھی جو تعظیم صحابہ اپنے نبی علیہ السلام کی کرتے ہیں وہ تعظیم کیا تھی پانچ باتیں انہوں نے بیان کیں۔ وہ پانچوں کی پانچوں اس وقت سنی کے سینے میں موجود ہیں ان میں سے پہلی کیا تھی کہنے لگے۔ وَاللّٰهِ إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ کہتے ہیں اور تو اور رہا ان کے نبی علیہ السلام اگر تھوک مبارک اپنے ہونٹوں سے جدا کریں ان کے صحابہ کرام زمین پر نہیں گرنے دیتے ہاتھوں پہ سجاتے ہیں اور ہاتھوں پہ لے کے کپڑوں سے صاف نہیں کرتے۔...... فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ (صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۳۷۹ قدیمی کتب خانہ کراچی) جسکو ملے وہ ماتھے پہ لگاتا ہے۔ اس بات کو دیکھ کے کافر کا کفر مٹا، اس بات کو دیکھا تو اسے پتہ چلا کہ رب ایک ہے۔

سرکار ﷺ کے عشق سے پتہ چلا کہ رب ایک ہے اور پھر ان کے دل میں توحید آئی تو سبب کیا تھا؟ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی علیہ السلام کے تھوک مبارک کا جو ادب کیا اور یہ تھوک کا لفظ مجھے پسند نہیں صرف ترجمے کیلئے بول رہا ہوں۔

لعاب دہن کی برکت

میرے نبی علیہ السلام کا لعاب دہن وہ کوئی تھوک تو نہیں وہ تو لوح محفوظ کا شبنم ہے ،وہ تو وحی الٰہی کی خوشبو ہے ،وہ تو سوز یقیں ہے، وہ منبع ایمان ہے، وہ تو چشم رحمت کی جھاگ ہے ،جب گل قدس کی پتیوں سے وہ جھاگ جدا ہوتا ہے صحابہ نیچے نہیں گرنے دیتے ماتھوں پہ لگاتے ہیں اور دنیا والوں کو بتاتے ہیں جن کے لعاب کی مثال نہ ہو رسالت مآب ﷺ کی مثال کہاں سے آئے گی۔

یہ وہ دین ہے کہ جس میں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ ادب، یہ انداز دیکھا تو پرانا کفر ٹوٹ گیا لہٰذا اس ماحول میں یہ ہم تو بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن دوسرے کیمپ والے بیان نہیں کر سکتے تجربہ کر کے دیکھ لو۔ ایک طرف کا ایک ان پڑھ کسان کھڑا کر لو اور دوسری طرف اس کیمپ کا شیخ الحدیث کھڑا کر لو اور دونوں سے پوچھو نبی علیہ السلام کے لعاب کی ویلیو کیا ہے۔؟ اگر تمہیں مل جائے تو کیا دو گے۔ تو جو ذات کی برابری کرے وہ لعاب کی عظمت کیا بیان کرے گا۔ مگر اس سنی سے پوچھو جو شیخ طریقت نہیں، عالم دین نہیں ان پڑھ ہے مگر وہ کہے گا جان دے دوں گا لعاب دہن لے لوں گا۔

اس طرف بھی آدمی ہے اس طرف بھی آدمی ہے مگر فرق اتنا ہے کہ ان کے بوٹوں پہ چمک ہے ان کے چہرے پر نہیں۔ لیکن ادھر ان پڑھ کسان کے چہرے پر اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کی چمک موجود رہتی ہے۔

صحابہ کرام کا عمل ہمارے لئے چمک

اس واسطے کہ رب ذوالجلال نے وہ صحابہ والی چمک ہمیں عطا فرمائی ہے اب قول فیصل یہ ہے کہ دنیا کے کسی چوک میں کھڑے ہو جاؤ فیصلہ کروا کے دیکھ لو میں نے درجنوں ممالک کے نمائندہ اجتماعات میں اپنے دلائل پیش کیے ہیں آج تک کوئی جواب نہیں دے سکا۔ صحابہ کرام تھرما میٹر ہیں ایمان چیک کرنے کا۔ ایک طرف نبوت کا یہ بیان کیا جا رہا ہے تھا کہ گاؤں کا چوہدری مانو، بڑا بھائی مانو اور دوسری طرف ہم ہیں اور فیصلہ صحابہ سے کروانا ہے۔ اب میرے بھائیو بتاؤ جو سرکار ﷺ کے لعاب دہن ماتھے پہ لگا

رہے تھے تو وہ کیا بتا رہے تھے کہ بعد والو! ہوش سے بولنا بڑے بھائی کا تھوک کون ماتھے پہ لگاتا ہے گاؤں کے چوہدری اور ڈاکیے کا تھوک کون دیکھتا ہے۔

یہ تو طیبہ کی محبت کا اثر ہے ورنہ کون روتا ہے لپٹ کے درو دیوار کے ساتھ

یہ تو سرکار ﷺ کا لعاب دہن ہے۔ لہٰذا حدیبیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اے اہل حق! نبوت کو یوں مانو جیسے حدیبیہ والوں نے مانا ہے اور حدیبیہ والوں نے یوں مانا ہے کہ جن کے لعاب کی مثال نہ ہو رسالت مآب ﷺ کی مثال کہاں سے آئے گی اور یہ حدیبیہ میں بیٹھنے والے کوئی بدو تو نہیں تھے، ان پڑھ تو نہیں تھے، ملنگ تو نہیں تھے، توہم پرست تو نہیں تھے۔ بھائیو! ہوش سے بولنا یہ تو صدیق و عمر تھے، طلحہ و زبیر تھے، سعد و سعید تھے رضوان اللہ علیھم اجمعین۔ نبی علیہ السلام کا لعاب دہن ماتھے پہ لگایا ہے اور دنیا والوں کو بتایا ہے کہ یہ وہ محبوب ہیں کہ جو چیزیں اوروں کی مرکز نفرت ہوتی ہیں ہمارے محبوب ﷺ کی وہ چیزیں بھی سرچشمہ محبت ہوتی ہیں اس واسطے اب یہ وہ چیزیں ہیں جو ہم تو بیان کر سکتے ہیں دوسرا کون بیان کرے گا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

تو اس واسطے گستاخوں کے دور میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریف میں لکھا ہے کہ ہم گائے ذبح کریں یا بھینس برابر کا مسئلہ ہے لیکن جب ہندوستان متحد تھا اس وقت ہندوؤں کی تحریک (گاؤ کے تقدس) کی چلی اور گاؤ کے بارے میں مجدد سے کہنے لگے وہ گائے ذبح نہیں کر سکتے جزیہ دینا قبول کرلیں گے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے۔ ذبح بقرہ درھندوستان از اعظم شعار اسلام است (مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ دوم مکتوب نمبر ۸۱) ہندوستان میں گائے کی قربانی اسلام کے بڑے شعار سے ہے۔

مسلمانو! اب گائے کو ذبح کرنا صرف جائز ہی نہیں رہا بلکہ اب تم پر گائے کو ذبح کرنا واجب ہو گیا ہے۔ تاکہ جنہوں نے اس کو اللہ بنا رکھا ہے ان کے سامنے شوکت اسلام کا اظہار کیا جائے میرے بھائیو! وقت وقت سے حکم بدل جاتا ہے جب گستاخیوں سے فضا زہریلی ہو تو اس وقت محفل میلاد جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہو جاتی ہے۔

شیخ محمد عیسی کا قول

دبئی کے سابق وزیر اوقاف شیخ محمد عیسی مانع حمیری سے کسی نے پوچھا:

هَلْ نَحْتَفِلُ نَعَمْ نَحْتَفِلُ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ وَفِيْ كُلِّ شَهْرٍ وَفِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَفِيْ كُلِّ سَاعَةٍ وَفِيْ كُلِّ لَمْحَةٍ کیا محفل میلاد منائیں تو وہ کہتے ہیں۔ ہاں ہم فِيْ كُلِّ سَنَةٍ ہر سال میں فِيْ كُلِّ شَهْرٍ ہر مہینہ میں، وَفِيْ كُلِّ يَوْمٍ ہر دن میں، وَفِيْ كُلِّ سَاعَةٍ ہر گھنٹے میں، وَفِيْ كُلِّ لَمْحَةٍ ہر آن میں میلاد مصطفےٰ ﷺ مناتے ہیں۔ اس واسطے کے ان کا لایا ہوا نور اور ایمان جب ہر آن میں ہمارے اندر موجود ہے تو پھر خوشی کا اظہار بھی ہر وقت ہونا چاہیے۔

میلاد مصطفےٰ ﷺ کا تقاضا

میں اپنی بات کو اس پہ ختم کرتا ہوں کہ آج جس ماحول میں ہم ہیں محفل میلاد منعقد کرنے کا ہم سے یہ تقاضا ہے ہم اپنی بیٹری چارج کریں اور اندھیروں میں چراغاں کریں صرف بیٹری چارج کر کے پھر سو جانا یہ کوئی مقصد پورا نہیں ہوتا۔ بیٹری چارج کرو اپنی دکان میں، چراغاں کرو اپنے محلے میں، چراغاں کرو اپنی فیکٹری میں، چراغاں کرو جس ماحول میں رہتے ہو، نماز بتاؤ، روزہ بتاؤ، حج بتاؤ، لوگوں کو مسجد کی طرف لاؤ، نام نہاد روشن خیالی کا بھی مقابلہ کرو اور بدعقیدگی کا بھی مقابلہ کرو یہ ہمارے پاس بیٹری ہے جو ان باتوں سے چارج ہوتی ہے لہذا چارج کر کے چراغاں کرنا یہ سب سے بڑا اس محفل میلاد کا تقاضا ہے۔ میں اپنی بات کو اس بات پہ ختم کرنا چاہتا ہوں۔

لٹک جانا تو آتا ہے اٹک جانا نہیں آتا　　کسی کے رعب سے پیچھے دبک جانا نہیں آتا
میں غنچا ہوں جو کھل جائے زمین حرم کعبہ میں　　مجھے ایوان شاہی میں چٹک جانا نہیں آتا
رہ طیبہ میں کر لیں گے ہو جتنی آبلہ پائی　　نجد، دیوبند کے رستوں میں بھٹک جانا نہیں آتا
گزر اوقات کر لیں گے کسی بھی پیڑ کے نیچے　　مگر گستاخ بنگلے میں پھٹک جانا نہیں آتا
غلامان مجدد ہیں رضا کی فکر کے بیٹے　　کسی کے دانے پانی پہ لپک جانا نہیں آتا
شہ بغداد کے سائے میں میں نے آبرو پائی　　مجھے خالی تصنع سے چمک جانا نہیں آتا
علم میں پختگی پائی محمد کی عطا ہے　　سوائے فکر نورانی دمک جانا نہیں آتا
جلالی ہوں پلا ہوں وادیٔ احرار بھکھی میں　　رزم گاہ حقیقت سے کھسک جانا نہیں آتا
خدا توفیق دے آصف بڑھیں گے آخری دم تک　　ہمیں رستے میں آنکھوں کا جھپک جانا نہیں آتا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
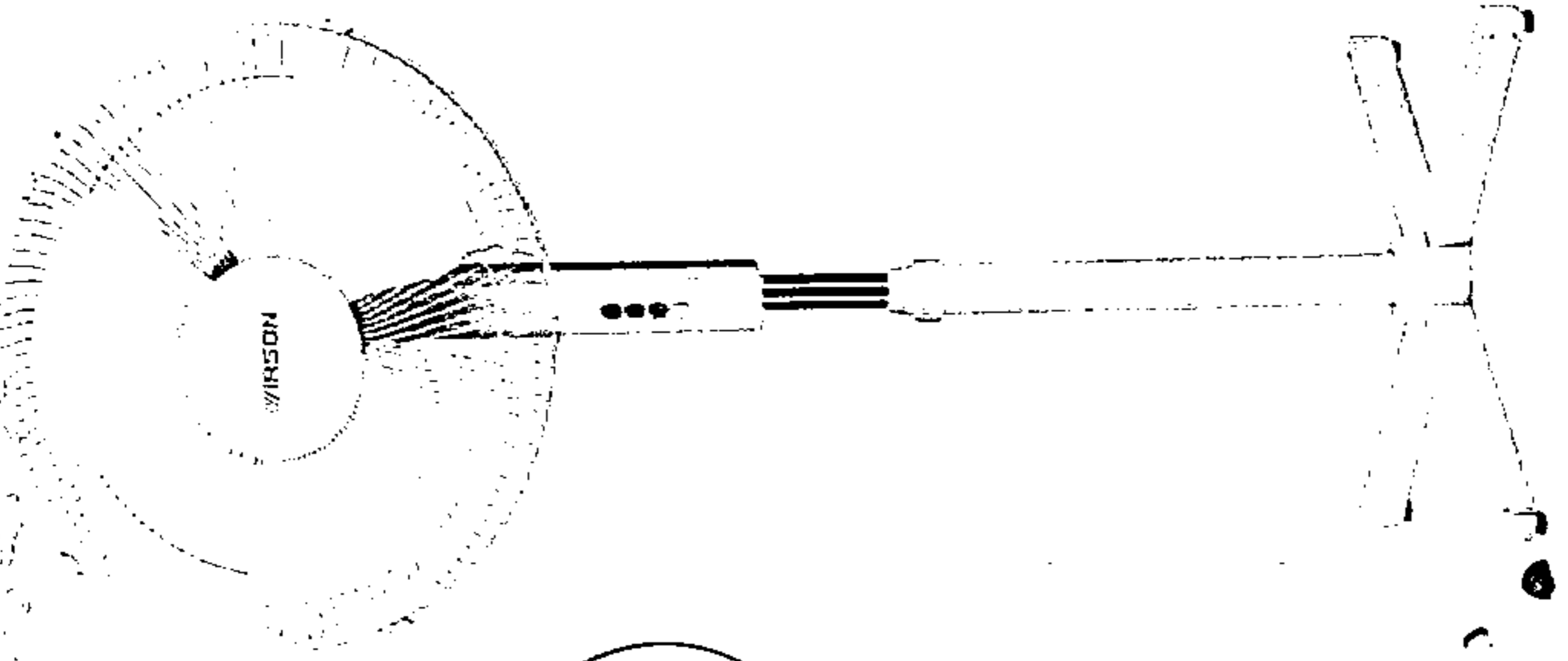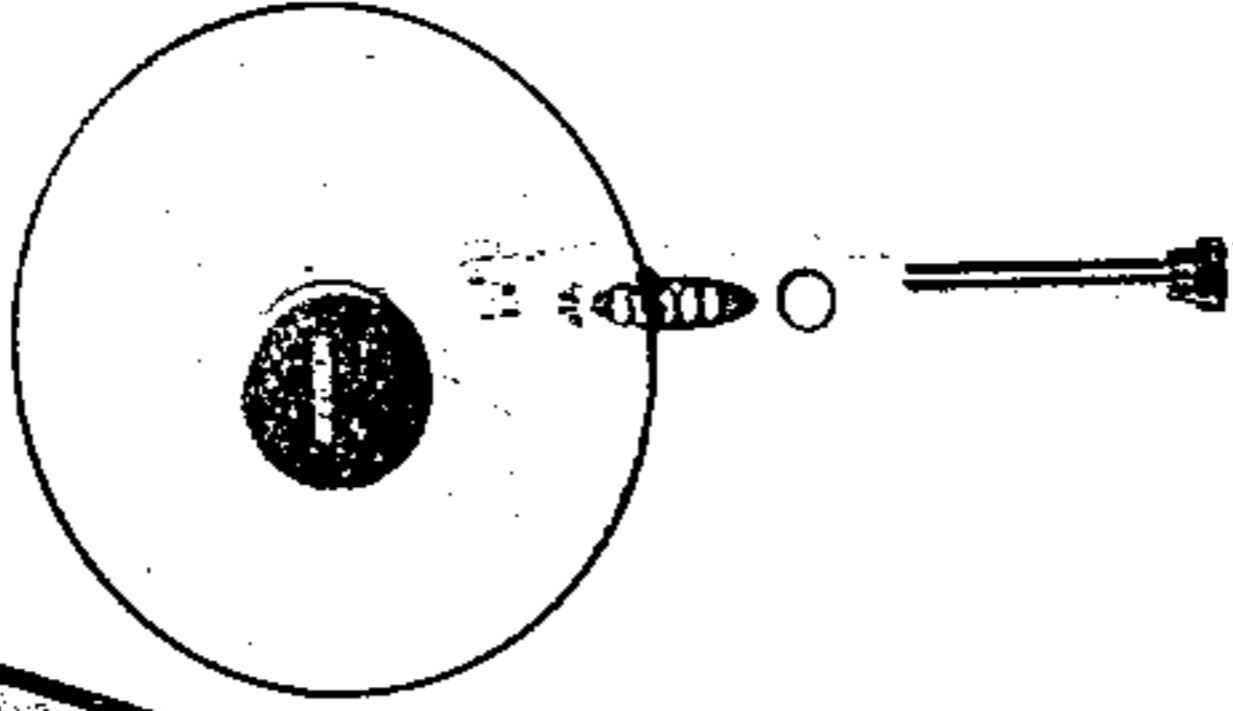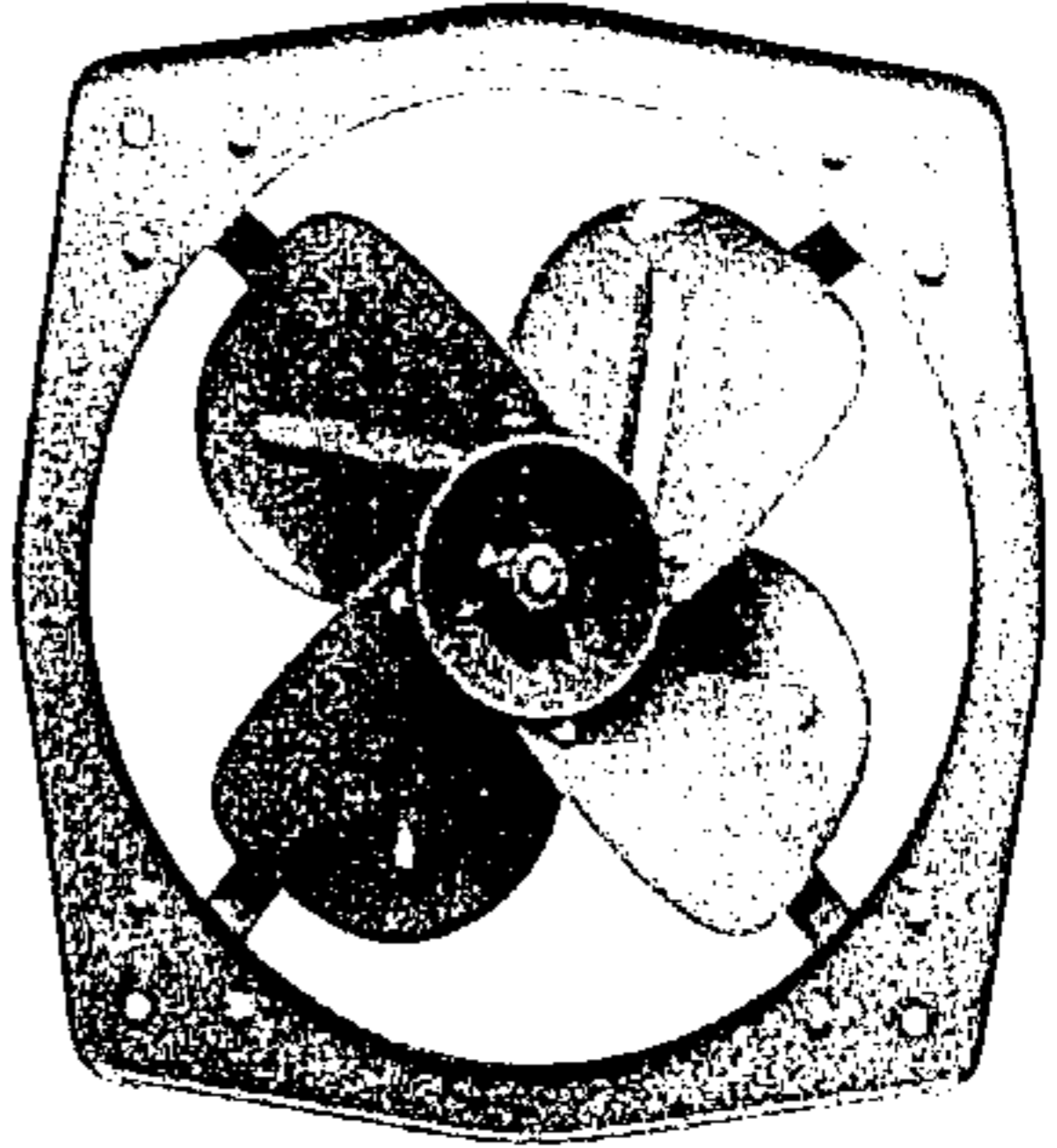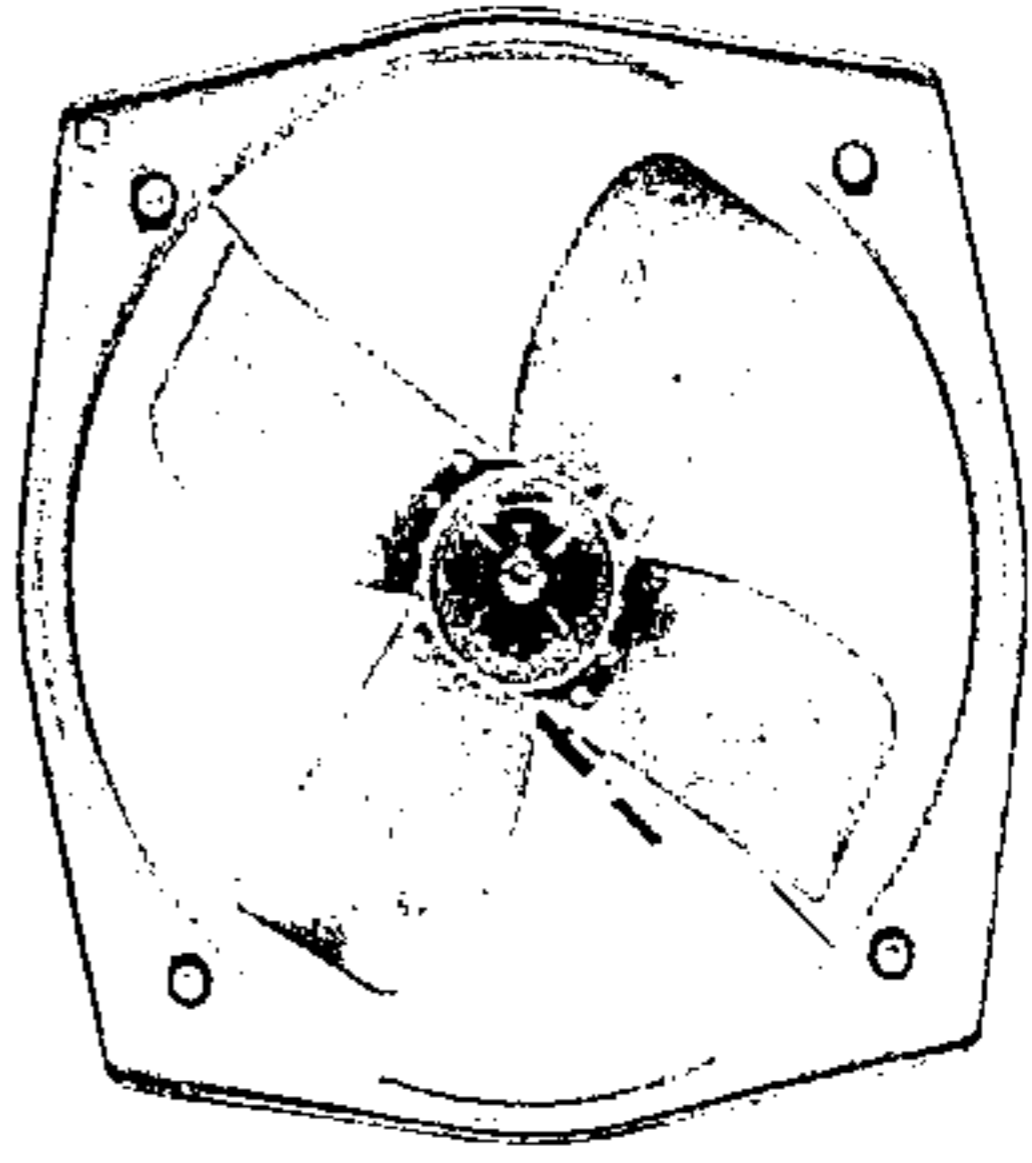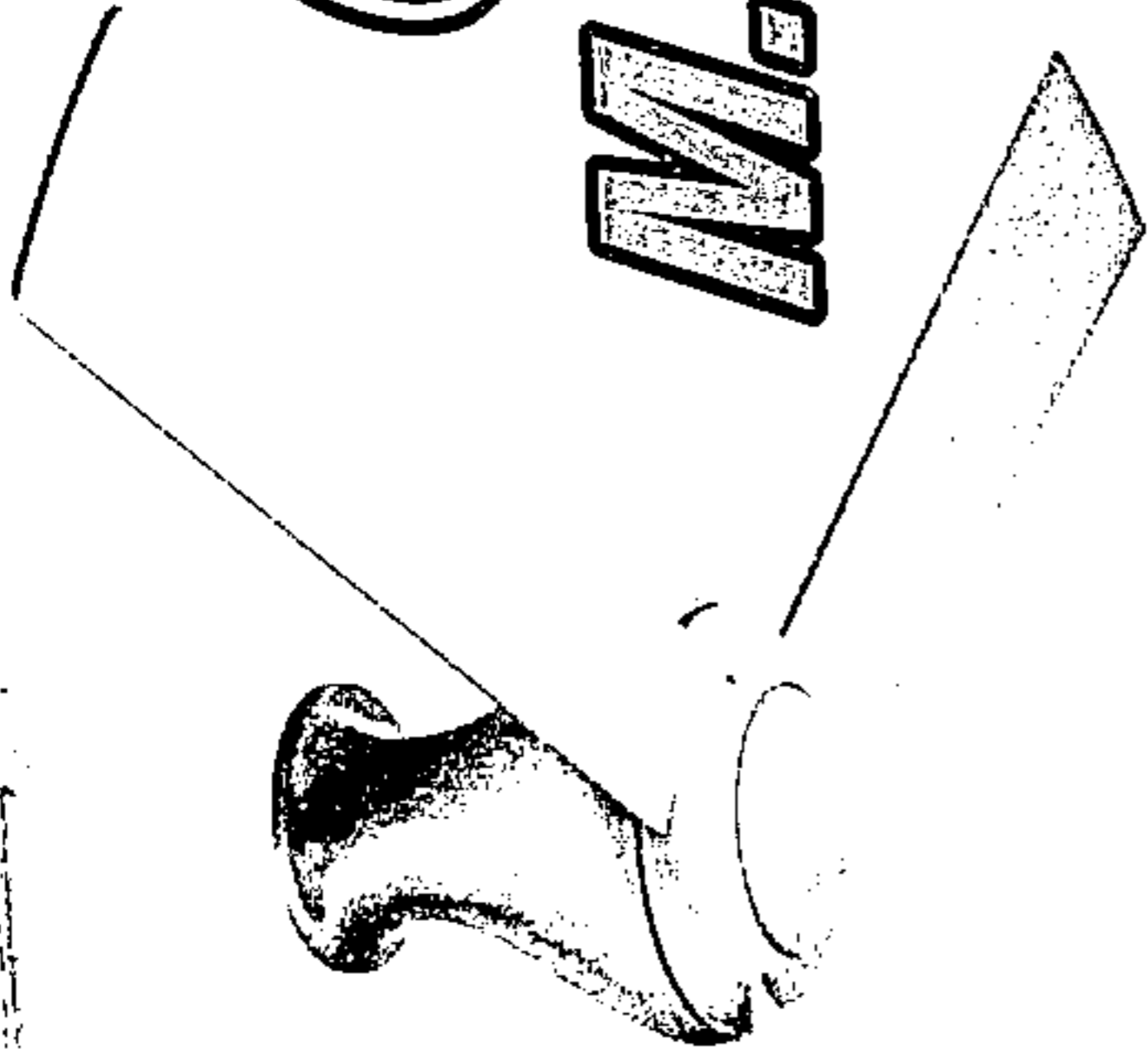
ایم کے فین
M. K. FAN
WIRSON
Dhodak Industries (Regd) Shadiwal Road, Gujrat. Ph: 514268, 520253

علمی ذوق کے حامل
قارئین کی توجہ کے لیے
اسلامک میڈیا سنٹر...... سہ ماہی انوارِ رضا...... علامہ شاہ احمد نورانی ریسرچ سنٹر
......انوارِ رضا لائبریری...... ایسے پلیٹ فارم ہیں جو دین و دانش اور قلم و قرطاس کے
حوالے سے ملک و ملت اور اُمت کی دینی و علمی، فکری و نظری سرحدوں کی حفاظت کے لیے
میدانِ عمل میں ہیں۔ آپ بھی اپنی ضرورت و حیثیت کے مطابق ان سے استفادہ کر سکتے
ہیں...... ہم آپ کی مدد کریں گے اگر آپ ہمیں پکاریں......
تصنیف و تالیف کے حوالے سے
کتابوں کی عمدہ، معیاری اور مناسب ریٹ پر چھپائی
ختم نبوت، بزرگانِ دین یا کسی بھی حوالے سے رسالے کی خصوصی اشاعت
سرکاری و غیر سرکاری اداروں کے تعارف، پراسپیکٹس اور دفاتر کے سٹیشنری کی طباعت و تیاری
نظریاتی حوالے سے شائع کی جانے والی کتابوں کی تعارفی تقریبات و تبصرے
قومی پریس میں اہلسنت کی نظریاتی تقریبات اور تہواروں کی بھرپور کوریج
قومی اخبارات میں مضامین، مقالات، لیٹرز اور تصاویر وغیرہ کی اشاعت
اس کے علاوہ...... وہ سب کچھ جو آپ چاہیں
ملک محبوب الرسول قادری
چیئرمین اسلامک میڈیا سنٹر
27-A (شیخ ہندی سٹریٹ) داتا دربار مارکیٹ لاہور
0300/0321-9429027.....042-37214940
mahboobqadri787@gmail.com
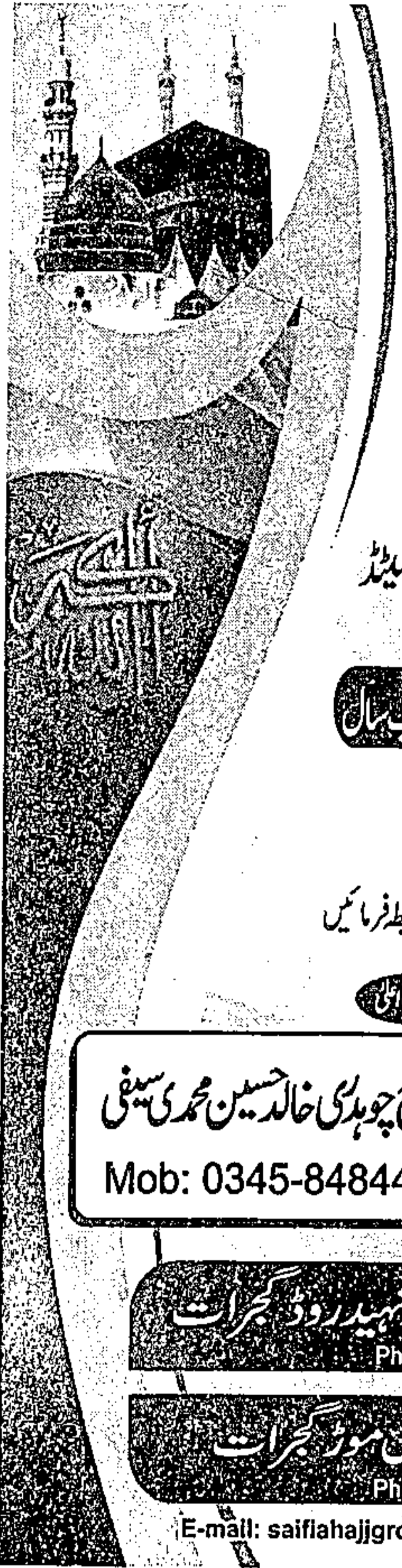
آؤ مدینہ شریف چلیں
آتا نہیں ہے تب تک دل کو قرار میرے
دیتی ہے پیار کتنا یہ سرزمین طیبہ
لگتا نہیں ہے جب تک پھیرا تیری گلی میں
ہر کوئی لگ رہا ہے اپنا تیری گلی میں
حج و عمرہ خدمات میں وسیع تجربہ کا حامل ادارہ
کاروان محمدیہ سیفیہ
حج و عمرہ سروسز
انٹرنیشنل پرائیویٹ لمیٹڈ
علماء کرام و مشائخ عظام کی زیر نگرانی 2012 ہمارا 9 واں کامیاب سال
ہمارے حج و عمرہ کے قافلے سوئے حرمین شریفین روانہ ہوتے ہیں
حج و عمرہ قافلے میں شامل ہونے کے لئے ایڈوانس بکنگ کے لیے رابطہ فرمائیں
چیف ایگزیکٹو
الحاج صوفی غلام مرتضیٰ محمدی سیفی
Mob: 0321-6202022
سرپرست اعلیٰ
الحاج چوہدری خالد حسین محمدی سیفی
Mob: 0345-8484472
آفس بالمقابل عثمان پلازہ رحمان شہید روڈ گجرات
Ph: 053-3601602, 053-3603203
آفس بالمقابل نادرا آفس سروس موڑ گجرات
Ph: 053-3510003, 053-3510004
E-mail: saifiahajjgroup@yahoo.com, E-mail: kms@pakwing.com

زیر تعمیر
جامعہ سیدہ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا (للبنات)
علم کی شمع روشن ہو رہی ہے اہل ثروت اور اصحابِ خیر
مالی تعاون کر کے دارین کی سعادتیں حاصل کریں
اللہ پاک ہمیں علم اور درس کی خدمت کی توفیق عطا
فرمائے اور معاونین کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین
E-mail: ahlaybait@yahoo.com web: www.ahlaybait.com
صاحبزادہ سید انعام الحسنین شاہ کاظمی
0300-7863154
تحریک غلامان اہل بیت
گلشن سادات خانوادی شریف اڈا اسوا آصل فیروز پور روڈ لاہور

ہمارا مقصد حیات
معاشرے میں صحت مند اقدار کا فروغ
ہم صحت مند دینی علمی اور تحقیقی لٹریچر کے ذریعے ایسے رجال کار
تیار کرنا چاہتے ہیں جو ملک وملت کے لیے مفید اثاثہ ثابت ہوں
ہم! اس دھرتی پر نفاذ نظام مصطفیٰ کے لیے مصروف عمل ہیں
آیئے! معاشرتی اصلاح وفلاح کے لیے ہمارا ساتھ دیں
زیر قیادت وسیادت
حضرت پیر طریقت علامہ صاحبزادہ
پیر سید فیض الحسن شاہ بخاری
قائدین وکارکنان
انجمن محبان محمد
مرکزی دفتر
0300-5169745

امیر کاروانِ اسلام
مفتی محمد خان قادری
کا دینی، علمی اور تحقیقی لٹریچر
شرح اج سک متراں دی
حضور ﷺ کے آباء کی شانیں
والدین مصطفیٰ ﷺ کا زندہ ہو کر ایمان لانا
علماء نجد کے نام اہم پیغام
جسم نبوی ﷺ کی خوشبو
کیا سگِ مدینہ کہلوانا جائز ہے؟
ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبی ﷺ
سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ
صحابہ اور بوسہ جسم نبوی
محبت اور اطاعت نبوی ﷺ
نعل پاک حضور ﷺ
صحابہ اور علم نبوی ﷺ
امام احمد رضا اور مسئلہ ختم نبوت ﷺ
قصیدہ بردہ پر اعتراضات کا جواب
خواب کی شرعی حیثیت
علم نبوی ﷺ اور امور دنیا
معراج حبیب ﷺ خدا
محافل میلاد اور شاہ اربل
حضور ﷺ کی رضاعی مائیں
ترک روزہ پر شرعی وعیدیں
عورت کی امامت کا مسئلہ
عورت کی کتابت کا مسئلہ
معارف الاحکام
ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم
ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ششم
ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم
ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم
ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم
فتاویٰ رضویہ جلد چہاردہم
ترجمہ فتاویٰ جلد پانزدہم
ترجمہ اشعۃ اللمعات جلد ششم
ترجمہ اشعۃ اللمعات جلد ہفتم
صحابہ اور محافل نعت
صحابہ کے معمولات
علم نبوی ﷺ اور منافقین
حضور ﷺ رمضان کیسے گزارتے ہیں؟
سدرہ تیری راہ گزر
منہاج اصول الفقہ
ذخائر محمدیہ ﷺ
مسلک صدیق اکبرؓ عشق رسول ﷺ
شرح سلام رضا
نور خدا سیدہ حلیمہ کے گھر
اسلام اور تحدید ازواج
اسلام میں چھٹی کا تصور
فضائل نعلین حضور ﷺ
شب قدر اور اسکی فضیلت
اسلام اور تصور رسول پاک ﷺ
اسلام اور احترام والدین
والدین مصطفیٰ ﷺ جنتی ہیں
نسب نبوی ﷺ کا مقام
وسعت علم نبوی ﷺ
اسلام اور احترام نبوت
اسلام اور خدمت خلق
نظام حکومت نبوی ﷺ
فضیلت درود و سلام
شان نبوت ﷺ
تفسیر سورۃ الضحیٰ والم نشرح
شاہکار ربوبیت ﷺ
ایمان والدین مصطفیٰ ﷺ
حضور ﷺ کا سفر حج
امتیازات مصطفیٰ ﷺ
در رسول ﷺ کی حاضری
صحابہ کی وصیتیں
رفعت ذکر نبوی ﷺ
مزاح نبوی ﷺ
تبسم نبوی ﷺ
منہاج النحو
امام احمد رضا بحیثیت قاطع بدعات
برکات محافل سے محرومی کیوں
زوال امت کا ازالہ کیسے؟
آیئے قرب مصطفیٰ ﷺ پائیں
اساس ایمان۔ محبت الٰہی
جماعت نماز تسبیح
ٹخنے ننگے کرنے کا حکم
قرآنی الفاظ کے صحیح مفاہیم
سرما اور روزہ
کیا اولیاء اللہ اور رب ایک ہیں
یارسول اللہ ﷺ کہنا ایمان یا شرک
اسلام اور ایصال ثواب
منہاج المنطق
مقصد اعتکاف
تفسیر سورۃ الکوثر
تفسیر سورۃ القدر
امامت اور عمامہ
عصمت انبیاء
روح ایمان، محبت نبوی ﷺ
علم نبوی ﷺ اور متشابہات
نقل قدیر ترجمہ تفسیر کبیر (تفسیر سورۃ فاتحہ)
Why Did The BELOVED PROPHET (SAW) Perform Many Nikkahs?

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بے شک اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے آپ بھی اطمینانِ قلب کے لیے ذکرِ الٰہی کی طرف رجوع کریں

حضرت پیر طریقت ڈاکٹر محمد سرفراز محمدی سیفی مدظلہ

ہر طرح کی دینی، روحانی راہنمائی کے لیے اس کا مطالعہ کریں

خصوصاً

عقائد اسلامیہ، صوفیا کے طرزِ معاشرت، اتحاد اہل سنت روحانی بالیدگی،

کے حوالے سے اس رسالہ کا مطالعہ نفع اور خیر کا باعث ہے

خود خریدار بنیئے دوستوں کو خریدار بنائیے
آپ کا یہ عمل کارِ خیر میں تعاون کے مترادف ہوگا

آپ کا اپنا...... ماہنامہ السیف الصارم

پوسٹ بکس نمبر 147۔ جی پی او راولپنڈی

آستانہ عالیہ محمدیہ سیفیہ (ترنول) اسلام آباد 0313-4777147

ago about the inner vitality of the Holy Prophet's Message: "Never has a religion developed with parallel rapidity. In less than half a century Islam spread from the banks of the Indus to the shores of the Atlantic Ocean, and, if this movement slowed down, it still persists after fourteen centuries of existence. After having penetrated in India, in China and Malaysia, Islam continues its invading march in the African Continent which will before long become entirely Muslim. Without special missionaries and without resort to the force of arms, the religion of Muhammad (Peace be with him) has converted the Black Continent, and it is not without some astonishment to point out the existence in England and America of small white communities which..... have adopted the Islamic doctrines and made efforts to propagate them. This invasion of Europe, hardly visible today, will surely grow." (La Grande Encyclopaedie, Tome 20, article: Islamisme).

(Z) ABSORPTION IN THE LOVE OF GOD THE FINAL GOAL

Cultivation of and absorption in the love of Allah, and the permeation of the heart with the sweet ecstasy of that love, until a person becomes virtually incapable of acting against the Divine Commands, is the final goal, which bestows upon a Muslim "Abiding Life" --- a life of Peach, Progress and Perfection.

testimony, has no partisan interest, and seeks only the trust, must acknowledge his claim to belong to that order of Prophets who, whatever the nature of their psychical experience may have been, in diverse manners, have admonished, taught, uttered austere and sublime thoughts, laid down principles of nobler than they found, and devoted themselves fearlessly to their high calling, being irresistibly impelled to their ministry be a power within." (The New International Encyclopaedia. Vol. XVI, p. 72).

Speaking of the glorious success which attended the Holy Prophet Muhammad's (Peace be with him) mission, Caryle observes: "To the Arab nation Islam was a birth from darkness into light; Arabia first became alive by means of it. A poor, shepherd people, roaming unnoticed in its deserts since the creation of the world; a Hero-Prophet was sent down to them with a word they could believe: see the unnoticed becomes world-notable, the small has grown worldgreat. Within one century afterward Arabia is at Granada on this hand, at Delhi on that, glancing in valuour and splendour and the light of genius, Arabia shines through long ages over a great section of the world. These Arabs, the man Muhammad, (Peace be with him) and that one century --- is it not as if a spark had fallen, one spark on what seemed black, unnoticeable sand? But lo ! the sand proves explosive powder, blazes heaven-high from Delhi to Granada!" (Heroes and Hero-Worship: Chappter on "Hero as Prophet").

O. Houdas, the French scholar, said half a century

years the hatred of his people, is the same who was never the first to withdraw his hand from another's clasp; the beloved of children who never passed a group of little ones without a smile from his wonderful eyes and a kind word for them, sounding all the kinder in that sweet-toned voice. The frank friendship, the noble generosity, the dauntless courage and hope of the man, all tend to melt criticism into admiration.

"He was an enthusiast in that noblest sense when enthusiasm becomes the salt of the earth, the one thing that keeps men from rotting whilst they live. Enthusiasm is often used despitefully, because it is jointed to an unworthy cause or falls upon barren ground and bears no fruit. So was it not with Muhammad (Peace be with him). He was an enthusiast when enthusiasm was the one thing needed to set the world aflame, and his enthusiasm was noble for a noble cause. He was one of those happy few who have attained the supreme joy of making one great truth their very lifespring. He was the Messenger of the one God, and never to his life's end did he forget who he was or the message which was the marrow of his being. He brought his tidings with a dignity sprung from the consciousness of his high office together with a most sweet humility." (Speeches and Table-talk of the Prophet Muhammad, Introduction' XXVIII - XXX).

"The essential sincerity of Muhammad's (Peace be with him) nature," says Professor Nathaniel Schmidt, "cannot be questioned; and historical criticism that blinks no fact, yields nothing to credulity, weighs every

tradition. He never first withdrew his hand out of another man's palm, and turned not before the other had turned.

'He was the most faithful protector of those he protected, 'the sweetest and most agreeable in conversation. Those who saw him were suddenly filled with reverence; those who came near him loved him; they who described him would say, 'I have never seen his like either before or after.' 'He was of great taciturnity, but when he spoke it was with emphasis and deliberation and no one could forget what he said.

"He lived with his views in a row of humble cottages separated from one another by palm branches cemented together with mud. He would kindle the fire, sweep the floor, and milk the goats himself. The little food he had was always shared with those who dropped in to partake of it. Indeed, outside the Prophet's house was a bench or a gallery on which were always found a number of poor who lived entirely upon his generosity, and were hence called 'people of the bench'. His ordinary food was dates and water, or barley bread; milk and honey were luxuries of which he was fond but which he rarely allowed himself. The fare of the desert seemed most congenial to him even when he was the sovereign of Arabia...

"There is something so tender and womanly, and withal so heroic, about the man that one is in peril of finding the judgement unconsciously blinded by the feeling of reverence and well-nigh love that such a nature inspires. He who, standing alone, braved for

Muhammad (peace be with him) in Islam. As regards his refulgent personality, that would require volumes even to do bare justice to it.

It is said that the best testimony is that which comes from the enemy's camp. Here, therefore, we might quote a few statements of the Western scholars of Islam.

Muhammad's (peace be with him) figure was highly majestic, his complexion and features were extremely handsome, and "he was gifted", says the renowned Orientalist Lane Poole, "with mighty powers of imagination, elevation of mind, delicacy and refinement of feeling. 'He is more modest than a virgin behind her curtain", it was said of him. He was most indulgent to his inferiors, and would never allow his awkward little page to be scolded whatever he did. 'Ten years,' said Anas, his servant, 'was I about the Prophet and he never said as much as Uff to me.' He was very affectionate towards his family. One of his boys died on his breast in the smoky house of the nurse, a blacksmith's wife. He was very fond of children; he would stop them in the streets and pat their little heads. He never struck anyone in his life. The worst expression he ever made use of in conversation was, 'what has come to him? May his forehead be darkened with mud!' When asked to curse someone, he replied, 'I have not been sent to curse but to be a mercy to mankind.' He visited the sick, followed any bier he met, accepted the invitation of a slave to dinner, mended his own clothes, milked the goats, and waited upon himself, relates summarily another

identical with itself" (Jean Lheureux: Etude sur L'Islamisme, p. 35).

For an appreciation of the Seven Articles and the Five Pillars, the reader is referred to "The Principles of Islam" written by His Eminence Muhammad Abdul Aleem Siddiqi and published in the present series. Here it may be noted, however, that these Seven Articles and Five Pillars constitute only the "first fundaments", while the complete ideology of Islam, which shoots off from these fundaments and which is enshrined in the Holy Qur'an and the Prophetic Traditions, is so comprehensive as to cover the entire sweep of necessary guidance on physical, moral, social and spiritual aspects of human life.

(Y) MUHAMMAD (peace be upon him) THE PINNACLE OF HUMAN PERFECTION

A code alone cannot, by its existence as such, inspire mankind to action. Hence to love the Holy Prophet Muhammad (Allah bless him!) above all human being and things of the world, to believe in him as the Most Perfect Embodiment of Human Perfection and as the Absolute Leader and the Last and the Final Prophet (after whom no new prophet of any category, zilli, buruzi, tashri'ee, ghairtashri'ee --- shadowy or real --- is to come), and to follow him as the "Best Example", form the prerequisite of Islamic Belief.

This is the theological status of the Holy Prophet

(1) SEVEN ARTICLES OF FAITH

They are: Belief in:

1. Allah;
2. Angles;
3. Divine Scriptures;
4. Messengers of Allah;
5. the Hereafter;
6. the pre-measurement of Good and Evil;
7. Resurrection after death.

(2) THE "FIVE PILLARS"

They are:

1. Declaration of faith in the One-ness of God and in the Divine Messengership of Muhammad: (Peace be upon him) La ilaha Illallah Muhammadur-Rasulullah;
2. Obligatory Prayers;
3. Obligatory Fasts;
4. Zakat or Poor-tax;
5. Pilgrimage to Ka'aba at Meccaa by those who possess the means.

A Christian critic of Islam makes the following confession: "Islam had the power of peacefully conquering the souls by the simplicity of its theology, the clearness of its dogma and principles, and the definite number of practices which it demands. In contrast to Christianity which has been undergoing continuous transformation since its origin, Islam has remained

Lecon d'ouverture, April 26, 1909).

As regards perfection in matter of guidance and the authenticity of its text, Laura Veccia Vaglieri observes: "But besides the perfection of form and method, the Book is also revealed inimitable by its very substance, for, we read in it, among other things, previsions or future events and of relations of fact accomplished since many centuries or which are generally ignored, and allusions to the most different sciences, religious or profane. On the whole we find in it a collection of wisdom which can be adopted by the most intelligent of men, the greatest of philosophers and the most skillful politicians..... But there is another proof of the Divinity of the Qur'an: it is the fact that it has been preserved intact through the ages since the time of its Revelation till the present day. And so it will always remain, with God's Will, as long as the universe exists. Read and re-read through out the Muslim world, this book does not rouse in the Faithful any weariness; it rather, through repetition, is found feeling of awe and respect in the one who reads it or listens to it." (Apologie de L'Islamisme, pp.57-59).

(X) RELIGION WITH THE SIMPLEST CREED

The Islamic creed is as simple as the Islamic ideology is profound. Its first fundaments are:

(W) RELIGION WITH AUTHENTIC AND PERFECT DIVINE SCRIPTURE

There are three fundamental merits of the Holy Qur'an, the Scripture of Islam, in which it stands unique among the scriptures of the world. They are: (1) authenticity of its text: (2) perfection of its literary form; (3) rational character, comprehensiveness and profoundness of its guidance. Even a brief discussion of these merits is not possible in the present introductory sketch. They are, however, so well-established that even the non-Muslim western scholars, who are always ready to attack Islam on the slightest pretext had to admit them in forceful words.

Commenting on the beauty of form of the Holy Qur'an Paul Casanova remarks: "Whenever Muhammad (P.B.U.H.) was asked a miracle as a proof of the authenticity of his mission, he quoted the composition of the Qur'an and its incomparable excellence as a proof of its Divine origin. And, in fact, even for those who are non-Muslims nothing is more marvelous than its language with such a prehensile plenitude and a grasping sonority that its simple audition ravished with admiration those primitive peoples so fond of eloquence! The ampleness of its syllables with a grandiose cadence and with a remarkable large rhythm have been of much moment in the conversion of the most hostile and the most sceptic." (L' Enseignement de l'Arabe au College de France,

for Polygamy).

(V) RELIGION OF SALVATION IN THIS LIFE AND THE HEREAFTER

It is the distinctive merit of Islam that it does not concern itself merely with Salvation beyond the grave-salvation in the Hereafter, but also gives full consideration to --- in fact, ensures --- human salvation in this life. For that purpose, it provides comprehensive Guidance which guarantees moral perfection, social progress, economic justice and political health - in short, all that is needed for the practical realisation and attainment of true human happiness in earthly life and all-round harmonious evolution of humanity.

Laura Veccia Vaglieri says: "A religion which is not content with being a theory adapted to the aspirations of our human nature, nor with fixing a code of sublime precepts which may or may not be applied, but which also provides a code of life, establishes the fundamental principles of our morality on a systematic and positive base, precisely formulates the duties of man towards himself and towards others by means of rules which are capable of evolution and compatible with the widest intellectual develo-pment, and which gives its laws a Divine sanction, surely deserves our most profound admiration, as its influence is continual and salutary on man." (Apologie de L' Islamisme, p. 88).

lover has no responsibility for her future, and she is a hundred times worse off than the sheltered wife and mother in the polygamous home. When we see thousands of miserable women who crowed the streets of Western towns during the night, we must surely feel that it does not lie in western mouth to reproach Islam for polygamy. It is better for a woman, happier for a woman, more respectable for a woman, to live in polygamy, united to one man only, with the legitimate child in her arms, and surrounded with respect, than to be seduced, cast out into the streets, perhaps with an illegitimate child outside the pale of law, unsheltered and uncared for, to become the victim of any passer-by, night after night, rendered incapable of motherhood, despised of all."

Another critic of Western social order observes: "The law of the state, based upon the dogma of the Church, which makes it a criminal offence for a man to marry more than one wife, by that same provision makes it illegal for millions of women to have husbands or to bear children...It is untrue that monogamy was advocated by Jesus Christ... whether the question is considered socially, ethically or religiously, it can be demonstrated that polygamy is not contrary to the highest standards of civilisation ..... The suggestion offers a practical remedy for the western problem of the destitute and unwanted female: the alternative is continued and increased prostitution, concubinage and distressing spinsterhood" (J.E. Clare McFarlane: Case

interests of moral health and social wellbeing of womanhood. Similarly, if the first wife is sterile or suffers from any incurable disease, there are only two possible alternatives, namely, either the first wife should be divorced and a fresh wife taken or she may continue in her status undisturbed along with a second wife. The former course would mean distressing, spinsterhood for the first wife while the latter course would provide to her an honourable normal life without temptation to evil. Polygamy can also become a necessity in a medically incurable case of the hypersexed male who, in most cases, would look to more than one woman for the satisfaction of his biological need. In all such cases, the Islamic permission of polygamy with all its responsibilities and restrictions would be a definitely healthier course than the hypocritical adherence to the formal monogamy.

Polyandry (i.e., the marriage of one woman with several husbands) is not permitted in Islam because psychologically it is unsound, sociologically it is impracticable and biologically it is most dangerous for the physical health of the persons concerned. Certain primitive tribes who practice polyandry are infected with the plague of venereal diseases.

Speaking on polygamy, Dr. Annie Besant says: "There is pretended monogamy in the West, but there is really polygamy without responsibility; the 'mistress' is cast off when the man is weary of her and sinks gradually to be the 'woman of the street', for the first

connection with polygamy necessitates a specific statement in that connection.

In the first instance, polygamy was not invented by Islam, nor was it made in any way obligatory. It had existed in pre-Islamic societies since time immemorial with the sanction of religion and had been practiced even by those who were accepted as holy personages as for instance, we find in the Old Testament. There it was governed by no law whatsoever, and so also it was in the Arabian society at the advent of Islam. What Islam did was to regulate it and to subject it to such severe restrictions as to make it prohibitive except in cases of emergency. Indeed, monogamy has been the ideal and polygamy only an exception in Muslim Society. This fact is fully borne out by the present as well as the past history of the Muslims and has been admitted by all fair-minded critics of Islam. For instance, William Kelly Wright says: "Most Mohammedans in all ages have had only one wife." (Philosophy of Religion, New York, 1935).

Islam is a natural religion and it takes a very serious view of sexual vices and social ills. Consequently, it was very natural for Islam to permit limited and restricted polygamy for the maintenance of social health in all those situations where it is the only natural remedy. For instance, when war alters the natural sex ratio, giving to women preponderance over men, there are only two alternatives, namely, widespread prostitution or polygamy. Islam prefers the latter to the former in the

statement of a fair-minded non-Muslim scholar of the last century, who said: "His (i.e., Muhammad's) law of slavery is, 'If slaves come to you, you shall' --- not imprison and then sell by public sale, though no claimant appears, as in the nineteenth century is the law of Christian England in her provinces, but, --- 'redeem them, and it is forbidden to you to send them forth' (Qur'an II, p.85). And this was a man standing up in the wilds of Arabia in the seventh century." (Westminster Review no. IX, p. 221).

Even the hostile and biased Dutch critic of Islam, Prof. Snouck Hurgronje, had to say: "According to the Muhammadan principle, slavery is an institution destined to disappear."

(U) RELIGION OF RATIONAL SEX MORALITY

Problem of polygamy

The Islamic view of the fundamental equality of sexes has been already stated in the section on "Religion of Unity" and an impartial historical appreciation of the problem proves beyond all doubt that it was "Islam which removed the bondage in which women were held from the very dawn of human history and gave them a social standing and legal rights such as were not granted them in England till many centuries later." (Lady Evelyn Cobbold, in "Pilgrimage to Mecca"). But the widespread propaganda of the enemies of Islam in

distinctions of caste, colour or clime, by denying the sin-innate theory and all other theories of the evil origin of mankind by affirming that the progeny of Adam is the noblest creation of God, by raising humanity to the status of the Vicegerency of God on earth, by making imitation of the Divine Attributes the ethical ideal of mankind, and by pointing out the conquest of the universe as the human destiny, Islam has established human dignity on the loftiest pinnacle conceivable.

Humanity was suffering in various ways because of the wrong notions held by pre-Islamic cultures and religions about human dignity, when Islam appeared. Cruelty was being perpetrated in the name of caste, tribe and race, large masses of humanity had been reduced to the status of serfs, and slavery, which had been an age-old institution, was being practiced by various races and peoples of Europe and Asia, including the Arabs, with the sanction of such scriptures as the Bible and without the least moral compunction. Islam raised its masculine voice of protest against all those evils and gave to the world a philosophy and a legislation which has made it the saviour of the downtrodden and the oppressed for all time.

Among the many misconceptions spread about Islam by its enemies, one is that which relates to slavery. For a proper appreciation of the role of Islam in the abolition of slavery, the reader is referred to the present writer's "Islam and Slavery." Here, in this brief brochure, we might confine ourselves to the bri-

(S) RELIGION OF SPIRITUAL DEMOCRAY

In the sphere of worship, Islam stands for the establishment of direct relation between God and human being without the mediation of any priest. Every Muslim man and woman is, therefore, his or her own priest or priestess.

It is wrong to regard the scholars (Ulama) or the leaders (Imams) of congregational prayers in the mosques as priests. Any good Muslim who knows Islam can lead the prayers, while the 'Ulama' are simply scholars and experts of Islamic knowledge and merely fulfil a responsibility which rests on the shoulders of the entire Islamic Brotherhood. For, Islam wants every Muslim man and woman to be a scholar of its teachings, unlike, for instance, Hinduism, where those belonging to the caste of Brahmins alone possess this privilege.

Rev.W.Wilson Cash, the famous Christian missionary and hostile critic of Islam, had to confess: "Islam endowed its people with a dignity peculiarly its own... Direct access to God makes one of the strong appeals of Islam" (The Expansion of Islam p. 177)

(T) RELIGION OF HUMAN DIGNITY

Problem of Slavery

By emphasizing freedom as the birthright of all human beings, by proclaiming human equality without

(R) RELIGION OF BROTHERHOOD

Islam inculcates the love of God's creation in general and of the human family, in particular. "The best of you is he who is best to God's family (i.e., humanity)," says the Holy Prophet Muhammad (God bless him!) Islam regards humanity as 'one Fraternity inside which it affirms the existence of the "Islamic Brotherhood", wherein all distinctions of caste and tribe, race and colour, language and territory are superseded and obliterated, and which has been allotted the function of acting as the servant of, and the torch-bearer of Divine Guidance for, the larger Human Brotherhood.

Side by side with the code of conduct meant to be observed within the circle of Islamic Brotherhood Islam also gives a definite code of Human Love which relates to the dealings of Muslims with the larger human society.

"The brotherhood of Muhammadanism," says Dr. Leither, "is no mere word. All believers are equal and their own high-priest." (Muhammadanism. P.18).

The Dutch Orientalist Snouck Hurgronje observes: "The ideal of a League of Human Races has been approached by Islam more nearly than by any other ideology; for the League of nations founded on Muhammad's religion takes the principle of the equality of all human race so seriously as to put other communities to shame." (Muslim World Today).

but commit not the injustice of attacking them first; verily God loveth not the unjust' - S.II 190...... Jihad had to be waged to defend Islam against aggression... Once the war was terminated, the Muslims always displayed a great tolerance towards the conquered peoples, leaving them their legislation and religious beliefs." (La Grande Encyclopaedia, Tome 20,p. 1006).

"In their wars of conquest," says E. Alexander Powell, "the Muslims exhibited a degree of toleration which put many Christian nations to shame." (The Struggle for Power in Moslem Asia, p. 48).

(Q) RELIGION OF "NO COMPULSION IN CONVERSION"

As regards forcible proselytisation, it has been explicitly banned by Islam with the Qur'anic declaration: "there is no compulsion in matters of faith", and the propaganda that Muslims went out into the world with the sword in one hand and the Qur'an in the other to convert the non-Muslims forcibly is a pure fabrication. Indeed, it is so utterly unfounded that even an enemy of Islam like Rev. Dr. O'Leary had to admit:

"History makes it clear that the legend of fanatical Muslims sweeping through the world and forcing Islam at the point of sword upon conquered races, is one of the most absurd myths that the historians have ever repeated". (Islam at the Croos-Roads, page 8).

-a religion of Struggle (Jihad) --- and does not, therefore, prescribe any course of action which is unnatural or impracticable. Thus, for instance, in international relations, although basically committed to the promotion of Peace and Goodwill, Islam does allow the participation of Muslims in war when it becomes morally inevitable - when no other course remains open for safeguarding justice, nay, peace itself.

The word "Jihad", which has been maligned much by the evil-minded misrepresenters of Islam in connection with the wars of Islamic history, means "struggle" and, according to Islam, it is of two kinds: (1) Struggle for subjugating one's lower self to the higher self. This is the higher form of "Jihad" and its function is purely spiritual: (2) Struggle for defeating the forces of evil on the collective plane. This is the collective Jihad.

The collective Jihad may, again, be either of a peaceful character, namely, propagation of Islam and its establishment in the collective life of the people through preaching and reform, or it may be in the form of war against an aggressor.

The Islamic permission of war is basically for defensive purposes. And not only does Islam rule out all immoral impulses to war but it also lays down a rigid ethics which in its sublimity and humanness surpasses all other ethics of war which humanity has ever known.

Says O. Houdas: " ... The Qur'an states: 'And fight for the cause of God against those who fight against you;

pursued selflessly for its own sake. This concept of religious ethic has led to the highest idealism in human conduct." (Religion in Science and Civilisation, p. 63).

(O) RELIGION OF PEACE AND GOODWILL

The world "Salam", which means "peace", has close root-affinity with the word "Islam". Thus the concept of PEACE forms an integral part of the world ISLAM itself. Indeed, this concept permeates the Islamic religion through and through. For, God, according to the Holy Qur'an, is As-Salam, i.e. (the Source of) peace"; a Muslim's Salutation, which embodies the ideal of Muslim life, is As-Salam-o -alaikum, i.e., "Peace be unto you"; and the abode of the righteous, towards which the Holy Qur'an invites humanity, is Dar-us-Salam, i.e., "the Abode of Peace".

One of the ideals of Muslim life, therefore, is the attainment of peace on all fronts --- peace with self through harmonious self-realisation, peace with fellow creatures through the maintenance of the basic attitude of Goodwill, and peace with God through submission to the Divine Will.

(P) RELIGION OF STRUGGLE (JIHAD)

The Islamic concept of Peace is not, however, utopian, For, Islam is a practical religion par excellence

(M) RELIGION OF THE SANCTITY OF LABOUR

In Islam, all honest labour is sacred and forms the life-blood of human progress. "For man is naught but what he strives for," says the Holy Qur'an, and "the labourer is the beloved of God," says the Holy Prophet Muhammad (God bless him!). Thus "idleness" is a sin and "industry" is a virtue in Islam.

(N) RELIGION OF THE HIGHEST IDEALISM IN ETHICS

Islam lays the foundation of ethics on "submission to the Divine will" and gives to humanity the ethical ideal of imitating the Divine Attributes, even as we have been exhorted by the Holy Prophet Muhammad (God bless him!) who says: "Imbue yourselves with Divine Attributes."

"The highest form of religious ethic," observes Sir Richard Gregory, "is that in which the aim of conduct is complete and implicit obedience to what is conceived to be the Will of God ...(this obedience) may become a joyous and spontaneous acceptance of a mode of life, such as it is conceived would be consonant with the nature of God, subject to such limitations of the flesh as are ineradicable - the ideal of saintliness. Hence arises the desire for uprightness as end-in-itself; either with a view to reward, if not in this world, in the next, or

the Muslims gave to the West the Scientific Method as well as the scientific inspiration. But the Muslims themselves received them from the Holy Qur'an. This fact has also been admitted at last. For instance, Stanislas Guyard observes: "In the seventh century of our era, the Old World was in agony. The Arabian conquest infused into it new blood ... Muhammad gave them (the Arabs) the Qur'an, which was the starting point of new culture. " (Encyclopedia des Sciences Religieuses, Tome IX,p. 501). Challenging the adversaries of Islam and referring to the Holy Qur'an, Dr. A Bertherand says: "Let them read and meditate on this great Book: they will find in it, at every passage, constant attack on idolatry and materialism; they will read that the Prophet incessantly called the attention and the mediation of his people to the splendid marvels, to the mysterious phenomena of creation... those who have followed its counsels have been, as we have described in the course of this study, the creators of a civilisation which is astounding to this day." (Contribution des Arabs auprogres des Sciences Medicales, p. 6).

Emmanuel Deutsch oberves: "By the aid of the Qur'an the Arabs...came to Europe to hold up the light to humanity, they alone, while darkness lay around,...to teach philosophy, medicine, astronomy and the golden art of song to the West as to the East, to stand at the cradle of modern science, and to cause us late epigoni for ever to weep over the day when Granada fell."

Greeks. That spirit and those methods were introduced into the European world by the Arabs... Neither Roger Bacon nor his later namesake has any title to be credited with having introduced the experimental method. Roger Bacon was no more than one of the apostles of Muslim science and method to Christian Europe; and he was never wearied of declaring that knowledge of Arabic and Arab Science was for his contemporaries the only way to true knowledge. Discussions as to who was the originator of the experimental method...are part of the colossal misrepresentation of the origins of European civilisation. The experimental method of the Arabs was by Bacon's time widespread and eagerly cultivated throughout Europe ... Science is the most momentous contribution of Arab civilisation to the modern world..... It was not science only which brought Europe back to life. Other and manifold influences from the civilisation of Islam communicated its first glow to European life. "(Making of Humanity, pp 190-202).

H.G. Wells, another great Western authority, had to admit that: "Through the Arabs it was, and not by the Latin route, that the modern world received that gift of light and power (i.e., the Scientific Method)."

Because of its deep-rooted hostility to Islam, implanted during the Middle Ages, the West has been very slow in acknowledging the merits of Islam. Admissions and confessions have, however, been gradually coming forth grudgingly or ungrudgingly. Thus, as we have seen above, it has been admitted that

over fellowbeings, but the advancement in the love of God through progress in the knowledge of His works and the service of humanity through the acquisition of control over the "forces of nature".

Speaking of the role of Islam as the inaugurator of the modern scientific era, Briffault, the reputed scholar of the history of civilisation, says:...although there is not a single aspect of European growth in which the decisive influence of Islamic culture is not traceable, nowhere is it so clear and momentous as in the genesis of that power which constitutes the permanent distinctive force of the modern world and the supreme source of its victory - natural science and the scientific spirit ... The debt of our science to that of the Arabs does not consist in startling discoveries of revolutionary theories; science owes a great deal more to Arab culture, it owes its existence. The ancient world was, as we saw, pre-scientific. The Astronomy and Mathematics of the Greeks were a foreign importation never thoroughly acclimatised in Greek culture. The Greeks systematised, generalised and theorised; but the patient ways of investigation, the accumulation of positive knowledge, the minute methods of science, detailed and prolonged observation and experimental inquiry were altogether alien to Greek temperament... What we call science arose in Europe as the result of a new spirit of inquiry, of new methods of investigation, of the method of experiment, observation, measurement, of the development of Mathematics in a form unknown to the

the former as the ground and the latter as the sequence.

(K) RELIGION OF BALANCED PROGRESS

Islamic life is a life of the attainment of "Falah" which means, "The furrowing out of latent faculties". A Muslim, therefore, has to continuously strive for progress.... a progress controlled by righteousness and illumined by Divine Guidance, a progress grounded in spirituality, a progress balanced and comprehending all aspects of human life: spiritual, mental, moral, aesthetic and physical.

Paying tribute to the balanced character of Islam and the progress which it inspires, the famous Orientalist Prof. H. A. R. Gibb says:

"Within the Western world, Islam still maintains the balance between exaggerated opposites...For the fullest development of its cultural life, particularly of its spiritual life, Europe cannot do without the forces and capacities which lie within Islamic society." (Whither Islam? p.378).

(L) RELIGION OF SCIENTIFIC QUEST

While other religions may feel shy of science Islam has made the scientific quest a religious obligation. The aims of that quest, however, are not the unbalanced indulgence in physical pleasures and the tyrannisation

opposed to the mystery cults and religions of mysterious dogmas whose acceptance is generally claimed on the basis of blind faith.

Speaking of the negation of superstition and the affirmation of Reason in Islam, Godfrey Higgins says: "No relic, no image, no picture, no mother of God disgrace his (Muhammad's) religion. No such doctrines as the efficacy of faith without works, or that of a death-bed repentance, plenary indulgences, absolution or auricular confession, operate first to corrupt, then to deliver up his followers into the power of a priesthood, which would of course be always more corrupt and more degraded than themselves. No indeed! The adoration of one God, without mother, or mystery, or pretended miracle, and the acknowledgement that he, a man, was sent to preach the duty of offering adoration to the Creator alone, constituted the simple doctrinal part of the religion of the Unitarian of Arabia." (Apology for Muhammad).

(J) RELIGION OF ACTION

Islam stands in sharp contrast with those religions which interpret the Salvation of man in terms of the acceptance of certain intricate and inexplicable formulae. Simplicity is its watch-word and rationality its lifeblood, and as such it gives to both "Faith" and "Action" their due place. Wherever the Holy Qur'an mentions the problem of human salvation, it bases it on "right belief" as well as "righteous action", emphasizing

moral and spiritual principles. In Islam the concept of "Beauty" permeates the entire human activity - nay, the whole cosmic order, "Allah," says the Holy Prophet Muhammad (peace be with him!), "is Beautiful and loves what is beautiful." Beauty in thought, words and deed, and beauty in all creative activity is the Islamic ideal.

Islam permits the creation of Art, within the limitations of its spiritual and moral framework. But its motto is not "Art for the sake of Art" but "Art for the sake of Life", whereby alone a true blending of spiritual, moral and physical beauty - the rational and harmonious goal of human life - is achievable.

(H) RELIGION OF REASON

Islam regards Reason as man's distinctive privilege and God's noble gift, and the Holy Qur'an has repeatedly exhorted mankind to employ Reason in the matters of social and natural phenomena and in understanding its Message and practicing its Guidance, thus giving to "personal judgment," its due place in the life of a Muslim.

"Intellectual Culture" in general, forms one of the noblest pursuits of human life in Islam and the acquisition and cultivation of knowledge has been made obligatory upon every Muslim man and woman.

(I) RELIGION OF THE NEGATION OF SUPERSTITION

Islam is a positively rational religion and stands

fundamental value in the elaborate Islamic Moral Code - a value which forms the foundation-stone of Muslim character, but God Himself has been mentioned in the Holy Qur'an as "The Truth", or "the True", the Holy Prophet Muhammad (God bless him!) as the "Bearer of Truth", the Qur'an itself as "the Truth", and the abode of the righteous after death as the "Seat of Truth".

(F) RELIGION OF TEMPERANCE

Islam is the religion of Purity and Temperance par excellence. It stresses purity not only of the mind and the heart, which certain other religions also stress, but also of the body, its fundamental principle being the harmonious development of human personality. Consequently; it strictly prohibits the use of all drinks and foods which might be unhealthy and injurious to the body, or the mind or both. Thus its prohibitive injunctions cover not only all the intoxicants, e.g., wine, opium, etc., but also those foods which are harmful to healthy human growth. Ultimately, Islamic Temperance covers all evil thoughts, feelings and deeds.

(G) RELIGION OF BEAUTY

Unlike certain religions, Islam is not the religion of contempt for the world, of the negation of any fundamental value. It is positively and definitely a religion of fulfilment - fulfilment of all the faculties and positive capabilities with which God has endowed man.

Aesthetic culture, therefore, forms part of Islamic life - of course, governed and controlled by Islam's

means conformity to the Natural Law.

(D) RELIGION OF DISCIPLINE

The concepts of Submission to the Divine Will and Conformity to the Natural Law, when actively realized in human life, give rise to the healthiest form of ISCIPLINE and Islam is the religion of Discipline par excellence.

In his famous book; First and Last Things, H.G. Wells says:

"The aggression, discipline and submission of Muhammadanism makes, I think,... fine and honourable religion for men. Its spirit, if not its formulae is abundantly present in our modern world... I have no doubt that in devotion to a virile... Deity and to the service of His Empire of stern Law and Order, efficiently upheld, men have found and will find salvation."

The German Orientalist Friedrich Delitzsch admits that the Muslim shows "owing to his religious surrender to the Will of God an exemplary patience under misfortune and he bears up under disastrous accidents with an admirable strength of mind." (Die Welt des Islam, p.28).

(E) RELIGION OF TRUTH

The concept of "Truth" forms the keynote of Islamic ideology and pervades the entire universal order presented by Islam. Not only is "truthfulness" a

endeavour to advance the knowledge of God in all his undertakings. From the cradle to the grave the true Muslim lives for God and God alone."

(B) RELIGION OF "SUBMISSION TO THE DIVINE WILL"

The word "Islam" means "submission" and, as a religious term, it connotes "submission to the Divine Will and Commands". As such, ISLAM is co-extensive with NATURE. For, everything in Nature submits to the Divine Will without demur. The only exception is man. He has to choose "Islam" through his free will and thus to attain his destiny by falling in line with the rest of God's Creation.

Goethe, the renowned poet-philosopher of Germany, says:

"Naerrisch, dass jeder in seinem Falle Seine besomdere Meinung priest! Whenn Islam Gott ergeben heisst, Im Islam leben und sterben wir alle"

viz:

"It is lack of understanding that everyone praises own special opinion;(for) Islam means submission to God and in Islam we all live and die."

(C) RELIGION OF NATURE

The above statement brings out, and the Holy Qur'an emphasises in clear terms, that to be a Muslim is to live and grow in accordance with true human nature and in harmony with the Nature around. Islam, thus,

from widespread cruelty and social oppression than any society that had ever been in the world before" (Outline of History, p.325).

H.A.R. Gibb says: "Within the Western world Islam still maintains the balance between exaggerated opposities. Opposed equally to the anarchy of European nationalism and the regimentation of Russian communism, it has not yet succumbed to that obsession with the economic side of life which is characteristic of present-day Russia alike." (Whither Islam? p.378).

Prof. Louis Massignon says: "Islam has the merit of standing for a very equalitarian conception... It occupies an intermediate position between the doctrines of bourgeois capitalism and Bolshevist communism." (Whither Islam? p.378).

(7) Unity of Human Activity

Islam conceives of the human personality as a "unity" and consequently regards the distinction of "secular" and "religious" as unscientific, irrational and absurd. The life of a Muslim, both in its individual and social manifestation, is a life lived for God and God alone.

"Islam," says Dudley Wright, scholar of Comparative Religion, "is no mere creed; it is a life to be lived. In the Qur'an may be found directions for what are sometimes termed the minor details of daily life, but which are not minor when it is considered that life has to be lived for God. The Muslim lives for God alone. The aim of the Muslim is to become God-bound, and to

essence and the same source and consequently possess the same human status. Their functions and interests, instead of being antagonistic, are meant to be mplementary. The natural relation between the sexes, in all its aspects, is therefore, that of love and harmony, without which no true human progress can be possible.

(6) Unity of Classes

Islam aims at the creation of a classless society by eliminating all possible social conflicts (through revolving the different interests).

In the sphere of economics, Islam lays down the principle that wealth should not be allowed to circulate among the wealthy only, and envisages, through its laws and institutions, a "Cooperative Common-wealth of Talents".

In the political sphere, Islam stands for the "Cooperative Commonwealth of the Pursuers of Righteousness".

Taken as a whole, the Islamic state is a "welfare state" where sovereignty belongs to Allah alone and no human being has a right to govern other human beings except in the name of Allah and according to His Will, and where nobody, not even the Head of the State, is above the law. Absolute Justice is the watchword and the Establishment of Righteousness is the goal.

The merits of Islam's social ethics have elicited praise even from the otherwise hostile critics. For instance:

H.G. Wells says: "Islam created a society more free

Dispensations were sent, and humanity continued to advance from infancy to maturity. At last, when the stage of maturity was reached - when humanity was practically to become one family --- instead of sectional Guidance, a perfect, final and abiding Revelation, addressed to entire mankind and for all time, was granted in the seventh century of the Christian era. That Revelation, which recapitulates all former Revelations and thus sets a seal on the Unity of Religion, is ISLAM; the Scripture which enshrines it is the HOLY QUR'AN; and the Prophet who brought it is the Leader of Humanity, MUHAMMAD (Allah bless him!).

Thus all the Prophets of God, from Adam down to Noah, Abraham, Moses and Jesus (peace be upon them all), are the Prophets of a Muslim the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him!) being the Last and Final one, and all the Divine Scriptures are the Scriptures of a Muslim, though he follows only the Holy Qur'an because it alone exists in its original purity and it alone contains the religion of Islam which has been followed by all rightly-guided people since the day the first human being came into existence.

(5) Unity of Sexes

Differentiation of functions have misled certain cultures of the world to regard woman as a being who belongs, so to say, to a different and inferior species: and to meet out to her inhuman treatment accordingly. Islam emphatically repudiates that notion and teaches that both man and woman have sprung from the same

righteousness".

Prof. H.A.R. Gibb, the famous English critic of Islam says, ".....Islam.....possesses a magnificent tradition of inter-racial understanding and co-operation. No other society has such a record of success in uniting in an equality of status, of opportunity and of endeavour so many and so various races of mankind... If ever the opposition of the great societies of East is to be replaced by co-operation, the mediation of Islam is an indispensable condition." (Whither Islam? p.379).

(4) Unity of Religion

According to Islam, the human intellect, though a great and powerful asset, has its natural limits, and, therefore, neither the normative nor the empirical sciences are capable of leading humanity to a sure knowledge of ultimate truths and the code of life based upon them. The only source of sure knowledge open to humanity is, consequently, Divine Guidance, and that course has been actually open ever since the beginnings of human life on earth. Allah raised His "Prophets" and "Messengers" and revealed His Guidance to them for transmission to humanity. Coming from the same Source, all revealed religions have, therefore, been one, i.e., ISLAM.

Allah's Prophets and Messengers continued to come to every country and community to work in their respective limited fields. Time after time, the revealed Guidance was either lost or corrupted through human interpolation, and new Prophets with fresh

and the Qur'an is a glorious testimony to the unity of God. The Prophet of Mecca rejected the worship of idols and men, of stars and planets, on the rational principle that whatever is corruptible must decay and perish, that whatever is born must die, that whatever rises must set. In the Author of the universe his rational enthusiasm confessed and adored an infinite and Eternal Being, without form or place, without issue or similitude, present to our secret thoughts, existing by the necessity of His own nature, and deriving from Himself all moral and intellectual perfections. These sublime truths ...are defined with metaphysical precision by the interpreters of the Qur'an. A philosophic theist might subscribe to the popular creed of the Muhammadans."

(2) Unity of the Universe

From the Unity of the Creator, according to Islam, proceeds the Unity of the Universe, i.e., Unity of Creation and Unity of Purpose. In other words, the Cosmos is a Moral Order.

(3) Unity of Mankind

Islam regards the whole of mankind as an "organic unity" --- a single family, and emphatically says that the distinctions on the mundane plane, the distinctions, namely, of race, colour, language or territory, cannot form the ground for claims of superiority of one group over the other. The only distinction that has "value" is that which arises at the moral and spiritual planes - namely, the distinction of "taqwa", or, "piety and

WHAT IS ISLAM

Dr. Fazl - ur - Rehman Ali Ansari

(A) RELIGION OF UNITY

(1) Unity of God

Islam teaches the purest form of Monotheism and regards polytheism as the deadliest sin. A Muslim addresses GOD by His Personal Name: ALLAH --- the word "god" and its equivalents in other languages being unstable in the matter of connotation. Allah, according to Islam, is the One God, who is Indivisible in Person and Who has no partner: wife, son or daughter. He is the Matchless and "naught is as His likeness". "He begetteth not, nor was He begotten". He is the First, the Last, the Eternal, the Infinite, the Almighty, the Omniscient, the Omnipresent. He is the Creator, the Nourisher, the Cherisher of all things. He is the All-just, the Avenger of the wrongs done to the weak and the oppressed, the Compassionate, the Merciful and Loving, the Guide, the Friend, the Magnificent, the Glorious, the Beautiful and the True. In short, He is the Possessor of all Excellence.

Speaking of the conception of God in Islam, Gibbon, the famous western historian, says: "The Creed of Muhammad is free from the suspicion of Ambiguity

showing grief. Therefore, the rules of Divine Law indicate that it is recommended to show joy during the month of the Prophet's birth, and not to show sorrow for his death."

Furthermore, Ibn Rajab, in his book Al lata'if, dispraising the rejecters of Mawlid based on the above argument, said, "Some designated the day of Aashura as a funeral ceremony for the murder of Al Hussein. But neither Allah nor His Prophet commanded that the days of the prophets' great trials or deaths should be declared days of mourning, let alone those with lesser rank."

We conclude this article with a saying of the Prophet, which has been narrated by Abu Ya'la, from Hudhaifa and about which Ibn Kathir said, "It's chain of transmission is good." Abu Ya'la said, "The Prophet has said, "One of the things that concerns me about my nation is a man who studied the Qu'ran, and when its grace started to show on him and he had the appearance of a Muslim, he detached himself from it, and threw it behind his back, and went after his neighbor with a sword and accused him of associating partners with Allah.' I then asked, "Oh, Prophet of Allah, which one is more guilty of associating partners with Allah, the accused or the accuser?' The Prophet said, "It is the accuser.'"

Completed, with all Praises to Allah and salutations and peace be upon our master Muhammad and the family of Muhammad and his Companions.

Yet another misconception those opposed to Mawlid hold can be seen in their statements such as these: "What occurs during Mawlid is mixing between men and women, singing and playing musical instruments, and drinking alcohol." I myself know this to be a lie, for I have attended many Mawlids and have not seen any mixing, and never heard any musical instruments. And as for drunkenness, yes, I have seen it, but not that of worldly people. We found people intoxicated with the love of the Prophet, a state surpassing even the agony of death, which we know overcame our master Bilal at the time of his death. In the midst of this sweet stupor he was saying, "Tomorrow I shall meet the loved ones, Muhammad and his Companions."

To continue, those opposed to Mawlid say, "The day of the Prophet's birth is the same day of the week as his death. Therefore, joy on this day is no more appropriate than sorrow, and if religion is according to one's opinion, then this day should be a day of mourning and sorrow." This kind of lame eloquence, is answered by the Imam Jalal al Din al Suyuti, in Al hawi lil fatawi (pg.193), "The Prophet's birth is the greatest bounty, and his death is the greatest calamity. Religious law urges us to express thankfulness for bounties, and be patient and remain calm during calamities. Religious law has commanded us to sacrifice an animal on the birth of a child [and distribute the meat to the needy], which is an expression of gratitude and happiness with the newborn, while it did not command us to sacrifice at the time of death. Also, it prohibited wailing and

for example the plea of Imam Al Busiery to Prophet Muhammad, "Oh, most generous of creation, I have no one to resort to, save You, when the prevailing event takes place." They must examine carefully the saying of Imam Al Busiery: inda hulul il amim, when the prevailing event takes place. What is al Amim? It means that which prevails over the whole universe, and all of creation, in referring to the Day of Judgment. Imam Al Busiery is asking intercession from the Prophet on the Day of Judgment because on that Day we will have no one to resort to, or appeal to. Imam Al Busiery seeks his intercession to Allah through the Prophet, for when all other Messengers and Prophets will be saying, "Myself, myself," the Prophet will be saying, "I am the one for it, I am for it [the Intercession]" It becomes even more clear now that the doubts of those opposed to Mawlid are unfounded, just as their charges of associating partners with Allah are unfounded. This is due to their blindness, both physical and spiritual.

Another similar example can be found in the well-known saying transmitted by the distinguished Imam Al Kamal bin Al Hammam Al Hanafi, author of Fath il Qadeer fi manasik al Farisi, and Sharh al Mukhtar min al sada al ahnaf. When Imam Abu Hanifa visited Medina, he stood in front of the honorable grave of the Prophet and said, "O, most honorable of the Two Weighty Ones (humankind and jinn)! O, treasure of mankind, shower your generosity upon me and please me with your pleasure. I am aspiring for your generosity, and there is no one for Abu Hanifa in the world but you." Again, we must not misinterpret this entreaty, but realize its true meaning.

" Reciting the Prayer of Completion of the Qu'ran in Salat al Tarawih and also in Salat al Tahajjud.

" Designating the 27th night of Ramadan to complete reading the entire Qu'ran in the two Holy Mosques.

" A caller saying, after Salat al Tarawih, in the Qiyam prayer, "May Allah reward you."

" Founding organizations which did not exist in the time of the Prophet, such as Islamic universities, societies for committing the Qu'ran to memory, and offices for missionary work, and committees for enjoining good and forbidding evil. We are not objecting to these things, since they are forms of good innovation. We merely list these innovations to point out that those who oppose Mawlid clearly contradict their own rule stating that anything that neither the Prophet nor his Companions did is innovation. And since they claim that all innovation is bad, they themselves are guilty.

Yet another claim they make is to say that those who commemorate the Mawlid are mostly indecent and immoral. This is a vulgar statement and it only reflects the character of the one saying it. Are all the distinguished scholars that we have mentioned, from the point of view of those opposed to Mawlid, indecent and immoral? We won't be surprised if this is what they believe. This is a most serious slander. We say, as the poet said, "When Allah wants to spread a virtue that has been hidden, He would let a tongue of an envious person know about it."

Those opposed to Mawlid, may Allah guide them, have confused some expressions, and claim that some religious scholars associate partners with Allah. Take

thing prohibited. The proof is in the Prophet's saying, "Whoever establishes, in Islam, a good practice..." cited earlier. This is the strongest evidence that gives encouragement to innovate whatever practices have foundations in religious law, even if the Prophet and his Companions did not do them. Al Shafi'i said, "Anything that has a foundation in religious law is not an innovation even if the Companions did not do it, because their refraining from doing it might have been for a certain excuse they had at the time, or they left it for something better, or perhaps not all of them knew about it." Therefore, whoever prohibits anything based on the concept that the Prophet did not do it, his claim has no proof and must be rejected.

Thus we say to the rejecters of Mawlid: based on the rule you have attempted to found, that is, that whoever does anything that the Prophet or his Companions did not do is committing innovation, it would follow that the Prophet did not complete the religion for his nation, and that the Prophet did not convey to the nation what they should do. No one says this or believes this except a heretic defecting from the religion of Allah. To the doubters of Mawlid we declare, "Based on what you say, we convict you." For you have innovated in the basics of worship a large number of things that the Prophet did not doâ¦£128;â¦£128;Ânor did his Companions, the Generation after the Companions, or the Generation after them. For instance:

" Congregating people behind one Imam to pray Salat al Tahajjud after Salat Al Tarawih, in the two Holy Mosques and other mosques.

turns the nights of the month of the Prophet's birth into festivities in order to decrease the suffering of those whose hearts are filled with disease and sickness."

There are others who wrote and spoke about Mawlid, such as Imam Al Sakhawi, Imam Wajihu Din bin `Ali bin al Dayba' al Shaybani al Zubaidi, and many more, which we will not mention due to the limited space available. From these many evidences, it should be clear by now that celebrating the Mawlid is highly commendable and allowed. Surely we cannot simply shrug off as heretics the scholars and dignitaries of this nation who approved the commemoration of the Mawlid and wrote countless books on the subject. Are all these scholars, to whom the whole world is indebted for the beneficial books they have written on Prophetic sayings, jurisprudence, commentaries, and other sorts of knowledge, among the indecent who commit sins and evil? Are they, as those opposed to Mawlid claim, imitating the Christians in celebrating the birth of Jesus? Are they claiming that the Prophet did not convey to the nation what they should do? We leave answers to these questions up to you.

And yet we must continue to examine the errors which those opposed to Mawlid utter. They say "If celebrating the Mawlid is from the religion, then the Prophet would have made it clear to the nation, or would have done it in his lifetime, or it would have been done by the Companions." No one can say that the Prophet did not do it out of his humbleness, for this is speaking evil of him, so they cannot use this argument.

Furthermore, that the Prophet and his Companions did not do a certain thing does not mean they made that

Imam Shamsu Din bin Nasir Al Dimashqi.

Mawlid al Sadi fi Mawlid Al Hadi. He is the one who said about the Prophet's estranged uncle, Abu Lahab, "This unbeliever who has been dispraised, "perish his hands" [111: 1], will stay in Hell forever. Yet, every Monday his torment is being reduced because of his joy at the birth of the Prophet." How much mercy can a servant expect who spends all his life joyous about the Prophet and dies believing in the Oneness of Allah?

Imam Shamsu Din Ibn Al Jazri.

Al Nashr fil Qira'at Al `Ashr, `Urf Al Ta'reef bil Mawlid al shareef.

Imam Ibn Al Jawzi

Imam Ibn Al Jawzi said about the honorable Mawlid, "It is security throughout the year, and glad tidings that all wishes and desires will be fulfilled."

Imam Abu Shama

Imam Abu Shama (Imam Nawawi's shaykh) in his book Al ba'ith ala Inkar Al bida` wal hawadith (pg.23) said, "One of the best innovations in our time is what is being done every year on the Prophet's birthday, such as giving charity, doing good deeds, displaying ornaments, and expressing joy, for that expresses the feelings of love and veneration for him in the hearts of those who are celebrating, and also, shows thankfulness to Allah for His bounty by sending His Messenger, the one who has been sent as a Mercy to the worlds."

Imam Al Shihab Al Qastalani

Imam Al Shihab Al Qastalani (Al Bukhari's commentator) in his book Al mawahib Al Ladunniya (1-148) said, "May Allah have mercy on the one who

two authentic books: Al Sahihain. When the Prophet arrived in Medina he found that the Jews fast the day of Aashura; when he inquired about it they said, "This is the day when Allah drowned the Pharaoh and saved Moses, therefore we fast it to show our gratitude to Allah.' From this we can conclude that thanks are being given to Allah on a specific day for sending bounty or preventing indignity or harm." Al Suyuti then commented, "What bounty is greater than the bounty of the coming of this Prophet, the Prophet of Mercy, on that day?"

"This is regarding the basis of Mawlid. As for the activities, there should be only the things that express thankfulness to Allah, such as what has been previously mentioned: reciting Qu'ran, eating food, giving charity, reciting poetry praising the Prophet or on piety which moves hearts and drives them to do good and work for the Hereafter."

These are the derivations that those opposed to Mawlid call false conclusions and invalid analogies.

Imam Mohammed bin Abu Bakr Abdullah Al Qaisi Al Dimashqi.

Jami' Al Athar fi Mawlid, Al Nabiy Al Mukhtar, Al lafz al ra'iq fi Mawlid khayr al khala'iq, and Mawlid al sadi fi Mawlid Al Hadi,

Imam Al `Iraqi.

Al Mawlid al heni fi al Mawlid al sani.

Mulla `Ali Al Qari.

Al Mawlid Al rawi fil Mawlid al Nabawi.

Imam Ibn Dahiya.

Al Tanweer fi Mawlid Al basheer Al Nadheer.

the Prophet and expressing joy for his honorable birth.

Ibn Taymiyya said in his book Iqtida' Al Sirat Al Mustaqeem (pg. 266)

"Likewise, what some people have innovated, in competition with the Christians in celebrating the birth of Jesus, or out of love and veneration of the Prophetâ¦£128;æ¦±uot; and he continues "â¦£128;æ¨at the predecessors didn't do, even though there is a reason for it, and there is nothing against it." This is a saying of someone who set fanaticism aside and sought to please Allah and his Prophet. As far as we are concerned, we commemorate the Mawlid for no other reason but what Ibn Taymiya said, "Out of love and veneration of the Prophet." May Allah reward us according to this love and effort, and may Allah bless the one who said, "Let alone what the Christians claim about their Prophet, and you may praise Muhammad in any way you want and attribute to his essence all honors and to his status all greatness, for his merit has no limits that any expression by any speaker might reach."

In the same source previously mentioned, Al Suyuti said,

"Someone asked Ibn Hajar about commemorating the Mawlid. Ibn Hajar answered, "Basically, commemorating the Mawlid is an innovation that has not been transmitted by the righteous Muslims of the first three centuries. However, it involves good things and their opposites, therefore, whoever looks for the good and avoids the opposites then it is a good innovation.' It occurred to me (Al Suyuti) to trace it to its established origin, which has been confirmed in the

to the scholarship of Ibn Kathir and the scholarship of all Islam. For in truth, Ibn Kathir writes about the Prophet's birthday in Al bidaya wal nihaya [13-136] "The victorious king Abu Sa'id Kawkaburi, was one of the generous, distinguished masters, and the glorious kings; he left good impressions and used to observe the honorable Mawlid by having a great celebration. Moreover, he was chivalrous, brave, wise, a scholar, and just." Ibn Kathir continues, "And he used to spend three hundred thousand Dinars on the Mawlid." In support, Imam Al Dhahabi writes of Abu Sa'id Kawkaburi, in Siyar A'laam al nubala' [22-336] "He was humble, righteous, and loved religious learned men and scholars of Prophetic saying."

Following are some sayings of the rightly guided Imams regarding the Mawlid.

Imam Al Suyuti, from Alhawi lil fatawi, wrote a special chapter entitled "The Good Intention in Commemorating the Mawlid," at the beginning of which he said,

"There is a question being asked about commemorating the Mawlid of the Prophet in the month of Rabi' Al Awal: what is the religious legal ruling in this regard, is it good or bad? Does the one who celebrates get rewarded or not?" The answer according to me is as follows: To commemorate the Mawlid, which is basically gathering people together, reciting parts of the Qu'ran, narrating stories about the Prophet's birth and the signs that accompanied it, then serving food, and afterwards, departing, is one of the good innovations; and the one who practices it gets rewarded, because it involves venerating the status of

Clearly we see from the opinions of these righteous scholars, that to define innovations in worship as wholly negative without exception is ignorant. For these pious knowers, among them Imam Nawawi and Ash-Shafi'i, declared that innovations could be divided into good and bad, based on their compliance or deviance with religious law.

Moreover, the following Prophetic saying is known even to common Muslims, let alone scholars: "He who inaugurates a good practice (sunnatun hasana) in Islam earns the reward of it, and of all who perform it after him, without diminishing their own rewards in the least." Therefore it is permissible for a Muslim to originate a good practice, even if the Prophet didn't do it, for the sake of doing good and cultivating the reward. The meaning of inaugurate a good practice (sanna sunnatun hasana) is to establish a practice through personal reasoning (ijtihad) and derivation (istinbat) from the rules of religious law or its general texts. The actions of the Prophet's Companions and the generation following them which we have stated above is the strongest evidence.

The ones prejudiced against celebrating the Prophet's birthday have paved the way for their falsehood by deceiving the less-learned among the Muslims. The prejudiced ones claim that Ibn Kathir writes in his Al Bidaya wal Nihaya (11-172) that the Fatimide-Obaidite state, which descends from the Jew, Obaidillah Bin Maimoon Al Kaddah, ruler of Egypt from 357-567 A.H., innovated the celebration of a number of days, among them, the celebration of the Prophet's birthday. This treacherous lie is a grave insult

also said, "Al-muhdathat (pl. for muhdatha) is to originate something that has no roots in religious law. In the tradition of religious law it is called innovation, and if it has an origin within the religious law, then it is not innovation. Innovation in religious law is disagreeable, unlike in the language where everything that has been originated without a previous pattern is called innovation regardless of whether it is good or bad."

Shaykh Ibn Hajar Al Asqalani, the commentator on Al Bukhari, said,

"Anything that did not exist during the Prophet's time is called innovation, but some are good while others are not."

Abu Na'eem, narrated from Ibrahim Al Junaid, said, "I heard Ash-Shafi'i saying,

"Innovation is of two types; praiseworthy innovation and blameworthy innovation, and anything that disagrees with the Sunnah is blameworthy.'"

Imam Albayhaqi narrated in Manaqib Ash-Shafi'i that Ash-Shafi'i said,

"Innovations are of two types: that which contradicts the Qu'ran, the Sunnah, or unanimous agreement of the Muslims is a innovation of deception, while a good innovation does not contradict any of these things."

Al `Izz bin Abdussalam said, at the end of his book, Al Qawa'id,

"Innovation is divided into obligatory, forbidden, recommended, disagreeable and permissible, and the way to know which is which is to match it against the religious law."

Mercy of Allah and Blessings, he used to say, "assalamu `alayna min Rabbina," peace upon us from our Lord. Narrated by Al Tabarani in Al Kabir, and the narrators are those of the sound transmitters, as it has been mentioned in Majma' Al Zawa'id.

The addition to the tashahhud by Abdullah Ibn `Umar.

He added the basmalah at the beginning of the tashahhud. He also added to the talbia, "labbaika wa sa'daika wal khayru bi yadayka wal raghba'u ilayika wal `amalu" This is mentioned in Bukhari, Muslim, et al.

These are some of the developments instituted by the Prophet's Companions, the scholars, and the honorable members of his nation, which did not exist during the time of the Prophet, and which they deemed good. Are they, then, misguided and guilty of bad innovation?

As for the claim that there is no such thing in religion as good innovation, here are some sayings of the brilliant scholars of Islam belying this claim.

Imam Nawawi said in Sahih Muslim (6-21)

"The Prophet's saying every innovation is a general-particular and it is a reference to most innovations. The linguists say, "Innovation is any act done without a previous pattern, and it is of five different kinds.'" Imam Nawawi also said in Tahzeeb al Asma' wal Sifaat, "Innovation in religious law is to originate anything which did not exist during the time of the Prophet, and it is divided into good and bad." He

me until Allah expanded my chest for the matter." The saying is narrated in Sahih Al Bukhari.

The Maqam of Ibrahim (as) in relation to the Ka'ba.

(Al Bayhaqi narrated with a strong chain of narrators from Aisha.) "The Maqam during the time of the Prophet and Abu Bakr was attached to the House, then `Umar moved it back." Al Hafiz Ibn Hajar said in Al Fath, "The Companions did not oppose `Umar, neither did those who came after them, thus it became unanimous agreement." He was the first to build the enclosure (maqsura) on it, which still exists today.

Adding the first call to prayer on Friday

(From Sahih Al Bukhari, from Al Sa'ib bin Yazid.) "During the time of the Prophet (s), Abu Bakr (r) and `Umar (r), the call to Friday prayer used to occur when the Imam sat on the pulpit. When it was Othman's (r) time, he added the third call (considered third in relation to the first adhan and the iqama. But it is named first because it proceeds the call to the Friday prayer.)"

Salutations on the Prophet composed and taught by our Master `Ali (r).

The salutations have been mentioned by Sa'id bin Manscor and Ibn Jareer in Tahzeeb al Aathar, and by Ibn Abi Assim and Ya'qoob bin Shaiba in Akhbar `Ali and by Al Tabarani and others from Salamah Al Kindi.

The addition to the tashahhud by Ibn Mas'ud

After "wa rahmatullahi wa barakatu," and the

and that therefore, celebrating Mawlid is misguidance. By daring to say that, they accuse the scholars of Islam of innovation. At the top of the list of those they have accused, then, is our Master `Umar (r). Those in opposition to Mawlid quickly reply to this, "But we did not mean the Companions of the Prophet Muhammad."

It follows, then, that the meaning of every (kul) cannot be taken in its general sense. Therefore, although the Prophet may not have said to celebrate his blessed birthday, it is nonetheless not innovation to do so. For, as the following examples show, there were many actions and practices instituted by his close followers after his time that are not deemed innovation.

Compiling the Qu'ran

(From a Prophetic saying related by Zaid Ibn Thabit.(r)) "The Prophet died and the Qu'ran had not been compiled anywhere. `Umar (r) suggested to Abu Bakr (r) to compile the Qu'ran in one book. When a large number of Companions were killed in the battle of Yamama, Abu Bakr wondered, "How could we do something that the Prophet did not do?' `Umar said, "By Allah, it is good.' `Umar persisted in asking Abu Bakr until Allah expanded his chest for it (Allah made him agree and accept these suggestions) and he sent for Zaid Ibn Thabit and assigned him to compile the Qu'ran." Zaid said, "By Allah if they had asked me to move a mountain, it would not have been more difficult than to compile the Qur'an." He also said, "How could you do something that the Prophet did not do?" Abu Bakr said, "It is good, and `Umar kept coming back to

Should we celebrate Mawlid

(The Prophet's (s) birthday)?

Yes we should celebrate it every year

And every month and every week

And every hour and every moment.

Dr. 'Isa - al - Mani' al - Humayri ☆

We find nowadays publications filled with lies and deception which mislead many Muslims into thinking negatively about the honorable Mawlid of the Prophet. These publications claim that to celebrate the Mawlid is an act of innovation that goes against Islam. This is far from the truth, and it is therefore necessary for those who can speak clearly to help clarify and reverse the doubts surrounding this most blessed day. It is with this humble intention that I present the following proofs in support of celebrating our beloved Prophet's birthday.

The Prophet said, "He who innovates something in this matter of ours that is not of it will have it rejected." He also said, "Beware of innovations, for every innovation (kul bida`) is misguidance."

Those opposed to Mawlid cite this saying and hold that the word every (kul) is a term of generalization, including all types of innovations, with no exception,

☆ Department of Awqaaf, Dubai......Office of Religious Endowments and Islamic Affairs, Dubai...... Administration of Ifta and Research.

Ya Rasulallah

O truthful one in sayings O Muhammad

O pure one in character O Muhammad

O guide of all the worlds O Muhammad

O crown of God's messengers O Muhammad

O best of creation O Messenger of God

O full moon

Light of the darkness

In possession of a high rank

Master of the noble & generous

Saviour of humanity

May peace & blessings be upon you

O seal of the Prophets, O Messenger of Allah

O leader of the God-fearing, O Messenger of Allah

O cure for every disease, O Messenger of Allah

O Lord of al-Mustafa

For the sake of al-Mustafa

Forgive all sins, conceal all faults, guide the hearts, so that they repent;

Multiply our reward, make our books in our right hands;

make us far from the Fire,

On the Day of Judgement

Sami Yusuf

Hasbi Rabbi Jallallah

O Allah the Almighty
Protect me and guide me
To your love and mercy
Ya Allah don't deprive me
From beholding your beauty
O my Lord accept this plea
My Lord is enough for me, Glory be to Allah
There is nothing in my heart except Allah
Who is the most praised and benevolent?
Whatever you see in this world is His sign
He's the love of every soul
He is the Forgiver of all sins
He is the King of the universe
He is the Refuge of all hearts
O Allah hear my sorrows and my sighs
Have mercy and pardon my sins
Bless my night and days
O Lord of the worlds
Send peace and blessings
On Ta-ha the trustworthy
In every time and at every instant
Fill my heart with conviction
Make me steadfast on this Religion
And forgive me and all the believers

Sami Yusuf

Contents

Mubligh - e - Islam

Allama Shah Abdul Aleem Siddiqui Said:

What is Islam? **Islam mean is**

I means I **S means Shall**

l means love **a means always**

m means Muhammad

This is promise with God, Islam means I shall love always Muhammad.

Barkat - e - Seerat wa Milad Number

Chief Editor
M. Mahboob-ur-Rasool Qadri

Editors
M. Qamar-ul-Islam
M. Fawad Ali Qadri

International Ghousia Forum
ANWAR-E-REZA Library
Block No 4, Jauharabad (Pc41200) Pakistan
0321/0300/0313-9429027
mahboobqadri787@gmail.com
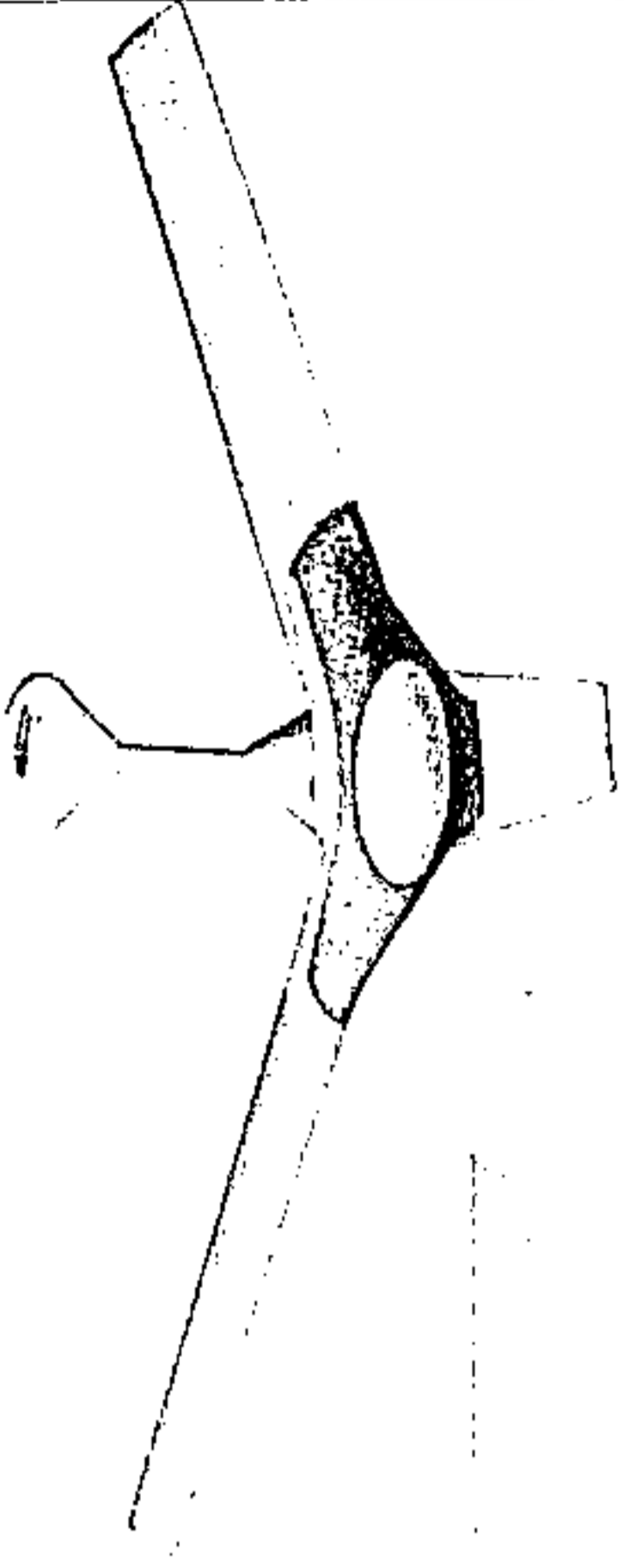
Gulnawaz Muhammadi Saifi
Abdul Majeed Muhammadi Saifi
0333-8407272, 534568
MEFCO fans
Superior Quality Fan
Durable & Long Lasting
میفکو فین
Mefco Fans G. T. Road, Gujrat

ANWAR-E-REZA

Barkat-e-Seerat wa Milad Number

Chief Editor
M. Mahboob-ur-Rasool Qadri

Editors
M. Qamar-ul-Islam
M. Fawad Ali Qadri

International Ghousia Forum
ANWAR-E-REZA Library
Block No 4, Jauharabad (Pc41200) Pakistan
0321/0300/0313-9429027
mahboobqadri787@gmail.com